بسم اللہ الرحمن الرحیم

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی

تفسیر کشف القلوب

۱۹ ھ ۱۳

از

امام المفسرین حافظ کلام مبین ابوالوفا حضرت سید الشیوخ مولانا سید شاہ محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

تکملہ

از

مرشدنا و مولانا حضرت سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم **جلد ششم**

ضحیٰ [۹۳] همزہ [۱۰۴]

تفسیر قادری اب ویب سائیٹ پر بھی: www.ata-e-habeeb.org

تفسیر قادری کی ویب سائیٹ

www.ata-e-habeeb.org

تفسیرِ قادری حصہ اول جلد پنجم کے ساتھ فہرست معجم (ضمنی عنوانات)
منسلک ہے جو سید غوث محی الدین حسینی صاحب قادری نصر الحق کی مرتبہ ہے
اس فہرست کی مدد سے کسی معین و مخصوص مضمون کے مباحث کی فہرست جو مختلف مقامات پر
پھیلے ہوئے ہیں ایک ہی جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری (تفسیر کشف القلوب)

حصہ اول کے مؤلف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسمِ شریف : مولانا مولوی میر پرورش علی رفعت پناہ قدس سرہ المعروف سید محمد پادشاہ حسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت و وفات : ۱۲۸۲ھ ۱۳۳۰ھ

مقامِ ولادت وفات : حیدر آباد دکن

دیگر تصانیف : فرائض قادری، (منظوم جس میں چاروں مذاہب کے وراثت کے مسائل جمع ہیں۔ رہبرِ طریقت، مصطلحاتِ تصوف، صحیفۂ معرف، تحفہ فاروقیہ وغیرہ وغیرہ۔ پٹنہ کے رسالہ تحفہ حنیفہ میں بھی اکثر آپ کے مسلسل مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں بعض مشاہیر کی کتابوں کے ترجمہ بھی شامل ہیں۔ کلامِ خلیقؔ ؒ کے نام سے آپ کا مختصر کلام بھی شائع ہوا ہے۔

حصہ دوم اور حصہ سوم کے مؤلف:

شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی لئیق رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت وفات : ۱۳۱۷ھ ۱۳۸۴ھ

مقامِ ولادت ووفات : حیدر آباد۔

دیگر تصانیف : تصریفِ قادری، جس میں عربی کے مصادر اوران کا اُردو اور فارسی میں ترجمہ ہے۔ ماثورہ دعاؤں کی کئی کتابیں، ماہنامہ نور، ماہنامہ خلیق اور مختلف روز ناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ کلامِ لئیقؔ کے نام سے آپ کا کلام بھی شائع ہوا ہے۔ صدر مجلس علماءِ دکن کے معتمد کی حیثیت سے آپ کے خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

دیگر تفصیلات حصہ اول جلد اول میں مختصر تعارف میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب (۱۳۱۹ھ)

پہلا حصہ	۱۷۔سورہ بنی اسرائیل تا ۴۸۔سورہ فتح ۱ تا ۲۰۲۵	از سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی القادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ
دوسرا حصہ تیسرا حصہ	۴۹۔سورہ حجرات تا ۱۱۴۔سورہ ناس ۱۔سورہ فاتحہ تا ۲سورہ بقرہ (صرف ابتدائی [۳۶] آیتیں)	شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی القادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

۱ پہلا حصہ جلد اوّل
۱۷۔سورہ بنی اسرائیل
تا ۱۹۔سورہ کہف
۱ تا ۴۳۴

۲ پہلا حصہ جلد دوم
۲۰۔سورہ مریم
تا ۲۲سورہ حج
۴۳۵ تا ۷۷۲

۳ پہلا حصہ جلد سوم
۲۳۔سورہ مؤمنون
تا ۲۷۔سورہ نمل
۷۷۳ تا ۱۲۰۸

۴ پہلا حصہ جلد چہارم
۲۸۔سورہ قصص
تا ۳۵۔سورہ فاطر
۱۲۰۹ تا ۱۶۲۲

۵ پہلا حصہ جلد پنجم
۳۶۔سورہ یٰس
تا ۴۸۔سورہ فتح
۱۶۲۳ تا ۲۰۲۵

۶ دوسرا حصہ جلد اول
۴۹۔سورہ حجرات
تا ۵۳۔سورہ نجم
۱ تا ۷۰۱

۷ دوسرا حصہ جلد دوم
۵۴۔سورہ قمر
تا ۵۷۔سورہ حدید
۷۰۲ تا ۱۳۳۶

۸ دوسرا حصہ جلد سوم
۵۸۔سورہ مجادلہ
تا ۶۶۔سورہ تحریم
۱۳۳۷ تا ۱۹۱۱

۹ دوسرا حصہ جلد چہارم
۶۷۔سورہ ملک
تا ۷۷۔مرسلات
۱۹۱۲ تا ۲۶۱۸

۱۰ دوسرا حصہ جلد پنجم
۷۸۔سورہ نبا
تا ۹۲۔سورہ لیل
۲۶۱۹ تا ۳۲۲۸

۱۱ دوسرا حصہ جلد ششم
۹۳۔سورہ ضحیٰ
تا ۱۰۴۔سورہ ھمزہ
۲۶۱۹ تا ۳۷۰۴

۱۲ دوسرا حصہ جلد ہفتم
۱۰۵۔سورہ فیل
تا ۱۱۴۔سورہ ناس
۳۷۰۵ تا ۴۱۱۰

۱۳ تیسرا حصہ
۱۔سورہ فاتحہ تا
۲۔سورہ بقرہ [۳۶]
آیتیں ۱ تا ۴۱۶۱

اس طرح یہ تفسیر (۱۵) ویں پارہ سے آخر سورہ ناس تک جملہ (۱۳) جلدوں میں سولہ پارہ + سورہ فاتحہ + سورہ بقرہ کی ۳۶ آیتوں پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنہ ۱۳۱۹ھ

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی **تفسیر کشف القلوب**

کتاب :- حصہ دوم جلد ششم

تفسیر سورۃ .... [۹۳] ضحیٰ .... تا سورۃ [۱۰۴] ھمزہ ....

پارہ .... پارہ ....

تصنیف :-

(۱) حصہ اول :- سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الفتح

پارہ ۱۵ تا پارہ ۲۶ تین جلدوں میں

از الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہ العزیز

(سنہ ۱۲۸۲ھ سنہ ۱۳۳۰ھ)

(۲) حصہ دوم اور سورۃ الحجرات تا سورۃ الناس سات جلدوں میں

(۳) حصہ سوم سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ ایک جلد

(صرف ابتدائی ۳۶ آیتیں)

تکملہ از شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی لیئق رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۳۱۷ھ - سنہ ۱۳۸۴ھ)

سالِ اشاعت :- حصہ اول - سنہ ۱۳۱۹ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک (سنہ ۱۹۰۰ء تا سنہ ۱۹۱۱ء)

(ماہانہ پرچوں کی شکل میں ہر ماہ دو جز یعنی (۳۲) صفحات)

حصہ دوم و حصہ سوم - سنہ ۱۳۷۲ھ تا سنہ ۱۳۸۴ھ (سنہ ۱۹۵۲ء تا سنہ ۱۹۶۴ء)

مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری مدظلہ العالی کے حکم سے مولوی سید عیسیٰ حسینی علی آمرحوم ومغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے

فہرست مضامین میں آیتوں اور سورتوں کے نمبروں کے اضافہ کیساتھ ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی۔ جو پرچے دستیاب نہ ہوسکے ان کی زیراکس کاپیاں حاصل کرلی گئیں ہیں۔

نوٹ :- تفسیر قادری اور الشیوخ قدس سرہٗ العزیز کی دوسری کتابوں کے متعلق تفصیلات سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سے حاصل کی جاسکتی ہیں

پتہ

مکان نمبر :19-3-1086/1

بند گلی روبرو فلک نما بس ڈپو،

انجن باولی، فلک نما، حیدرآباد 56۔

فون : 24460038

سل : 9490748463

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۔ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ النبی الکریم و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ؕ

الحمد للہ تفسیر قادری کے ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی گئی ہے تاکہ اسکے نسخے مختلف کتب خانوں اور ریسرچ سنٹرس میں عام استفادہ کیلئے رکھوا دیئے جاسکے ۔

تفسیرِ قادری تین حصوں میں ہے ۔

پہلا حصہ :- سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الفتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ :- سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ الناس (۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصہ :- سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ (صرف ابتدائی ۳۶ آیاتِ کریمہ)

حضرت سید الشیوخ حافظ کلام مبین ابوالوفا سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہٗ العزیز نے ۱۳۱۹ھ میں سورہ بنی اسرائیل سے تفسیر قادری کی اشاعت کا سلسلہ شروع فرمایا ۔ اس تفسیر کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" ہے آپ ہر نمازِ جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے ۔ آپ کی تفسیر سے ہزاروں افراد ظاہری باطنی فیض پاتے رہے ۔ ساتھ ہی شائقین نے تفسیر کی اشاعت کا تقاضہ بھی شروع کردیا ۔ اس وقت تک چودہ پاروں کی تفسیر تقریباً مکمل ہوچکی تھی ۔ اور پندرہواں پارہ شروع ہونے والا تھا ۔ چنانچہ اسی سے اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا ۔ اسطرح تفسیر قادری ہر ماہ (۳۲) صفحات پر شائع ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ سلسلہ ۱۳۳۰ھ میں حضرت سید الشیوخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کی وجہ سے سورۃ فتح کی تفسیر تک پہنچکر رک گیا ۔

سیدیؒ نے ۱۳۲۴ھ میں تفسیر قادری کا مقدمہ تحریر فرمایا ۔ جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے جسمیں اُن اصولوں کا ذکر ہے جو جنکا خیال ایک مفسر کو رکھنا ہے ۔ جن کتابوں اور تفسیروں سے استفادہ کیا گیا ہے انکا اور انکے مصنفین کا بھی ذکر ہے ۔ اور بہت سی مفید باتیں ہیں جنکا جاننا ہر ایسے شخص کیلئے ضروری ہے جو قرآنِ کریم

سے ظاہری و باطنی فیض پانے کا متمنی ہو۔

اہمیت کے پیش نظر مقدمہ کی کاپیاں دوسرے حصہ کیساتھ بھی ملسک کردی گئی ہیں

سید الشیوخ رح کے انتقال کے بعد آپکے صاحبزادے اور جانشین شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی لئیق قدس سرہ العزیز نے مکہ مسجد میں تفسیر کے سلسلے کو جاری رکھا لیکن تفسیر کی اشاعت چاہنے کے باوجود ایک طویل عرصے تک ممکن نہو سکی۔ سنہ ۱۳۷۲ھ میں تقریباً اکتالیس سال بعد آپنے سورۃ فتح کی دوبارہ اشاعت سے اس مقدس کام کی دوبارہ ابتداء کی اور سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تفسیر کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے پہلے پارہ سے چودہ پاروں تک تفسیر کی تکمیل کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن آپنے ابھی سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں ہی کی تفسیر فرمائی تھی کہ ۱۳۸۴ھ میں آپکے انتقال سے یہ سلسلہ بھی یہیں رک گیا۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرتؒ ہی کے اہلِ خاندان میں اسی نہج پر اس اہم کام کی تکمیل فرمائیں۔ اور اس تشنگی کو کم کریں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فہرست مضامین کو ایک جگہ کرتے ہوئے اسمیں سورتوں اور آیاتِ کریمہ کے نمبروں کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ یہ اضافہ محض اسلئے کیا گیا ہے دورانِ تلاوت یا پھر کسی اور وقت کسی آیت کی تفسیر دیکھنے کا خیال ہو تو اسے فوری آیت کے نمبر کے حوالے سے نکال لیا جاسکے۔

فہرستِ مضامین کے ساتھ فہرست معجم بھی تیار کرلی گئی ہے۔ جسپر نظر ثانی ہونی ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ اس کی کاپیاں بعد میں سورۃ الفتح اور سورۃ الناس کے بعد منسلک کردی جائینگی۔ سہولت کیلئے تفسیر قادری کی حسبِ ذیل جلدیں تیار کی گئی ہیں۔ جو پرچے نہیں مل سکے اُن کی زیراکس کاپیاں لگادی گئیں ہیں تاکہ سٹ مکمل ہو۔

پہلا حصہ جلد اوّل } مقدمہ تفسیر قادری تفسیر سورۃ نبی اسرائیل تا سورۃ الحج
(۱۵ واں پارہ) (۱۷ واں پارہ)

جلد دوم :- تفسیر سورۃ " المومنون تا سورۃ الفاطر
(۱۸ واں پارہ) (۲۲ واں پارہ)

جلد سوم :- تفسیر سورۃ یٰسٓ تا سورۃ فتح
(۲۲ واں پارہ) (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ جلد اول } تفسیر سورۃ الحجرات تا سورۃ النجم
(۲۶ واں پارہ) (۲۷ واں پارہ)

جلد دوم تفسیر سورۃ القمر تا سورۃ الحدید
(۲۷ واں پارہ)

جلد سوم تفسیر سورۃ مجادلہ تا سورۃ تحریم
(۲۸ واں پارہ مکمل)

جلد چہارم :- تفسیر سورہ ملک تا سورہ المرسلات
(۲۹ واں پارہ مکمل)

جلد پنجم :- تفسیر سورہ نباء تا سورۃ اللیل
(۳۰ واں پارہ)

جلد ششم :- تفسیر سورۃ الضحیٰ تا سورۃ الھمزہ
(۳۰ واں پارہ)

جلد ہفتم :- تفسیر سورۃ تا سورۃ الناس
(۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصہ :- مقدمہ، تفسیر سورۃ فاتحہ، سورہ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں کی تفسیر

بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۳ جولائی ۱۹۹۲ء
بروز جمعہ

حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس سلسلے میں کوشش کیں ہیں جزائے خیر عطاء فرمائیں اور خوش رکھیں۔

میری خاص دعائیں برادر طریقی مولوی سید علی حسینی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سلمہ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھیں اور اُن کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت کیلئے کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اسے قبول کریں۔

آمین

والحمد للہ رب العالمین

مولانا
حبیب محمد عمر حسینی قادری
مدظلہ العالی

قادری چمن، حیدرآباد

کلام صوفیہ

کلام صوفیہ جو قرآن میں ہے۔ وہ اشارات اُن باریکیوں کے طرف ہیں جو سالکوں کیلئے کشف ہوتے ہیں اور ظاہر معنی سے اسکی تطبیق ممکن ہوتی ہے اور یہ کمالِ ایمان اور محض عرفان ہے۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرے کہ ظاہر معنی ہرگز نہیں اور صاف باطنی معنی ہی مقصود ہیں تو یہ اُن ملحدوں کا اعتقاد ہے۔ جو شریعت کی بالکل نفی کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ احکام تفسیر ظاہر کو حاصل کرکے اسرارِ قرآنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ بغیر دروازے میں داخل ہوئے گھر کے اندر پہونچنا ممکن نہیں۔

مقدمہ تفسیر قادری ص۱۱، ص۱۲

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر و تاویل میں جو فرق ہے اسمیں اختلاف ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور ماتریدی نے فرمایا کہ تفسیر قطعی طور سے ظاہر کرنا ہے۔ کہ اللہ کی مراد یہی ہے۔ اور تاویل احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو غیر قطعی طور پر ترجیح دینا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جو روایت کے متعلق ہو وہ تفسیر ہے۔ اور جو روایت کے متعلق ہو وہ تاویل ہے۔ اور بعض نے اس کے سوا کچھ اور کہا۔ لیکن اب عرف میں تاویل اس اشارۂ قدسیہ اور معارفِ سبحانیہ کو کہتے ہیں کہ جو سالکین کیلئے پردہ عبارات سے منکشف ہو اور قلوبِ عارفین پر ابرِ غیب سے باراں ہو۔ اور تفسیر اس کے سوائے ہے۔

مقدمہ تفسیر قادری ص۱۳

اہلبیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم

اگر اہل بیت نجات کی کشتی ہیں تو صحابہ آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں۔ جیسے بحر سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر اُن تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کرکے ساحلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طئے کرنا منظور ہو تو پیران کبار و اولیاء عظام کی توجہ بھی ضرور ہے۔

مور مسکیں ہوداشت کہ در کعبہ رسد ⁂ دست در پای کبوتر زد و ناگاہ رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری المعروف تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

حصہ دوم جلد ششم

تفسیر [۹۳] سورہ ضحیٰ تا [۱۰۴] سورہ ہمزہ

از شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷۔۱۳۸۴ھ

[۹۳] سورہ ضحیٰ [مکی] آیتیں [۱۱]

ماقبل سے ربط	۳۲۲۹
شان نزول	۳۲۳۰
سگ بچہ کا واقعہ قرین قیاس نہیں	۳۲۳۵
وحی کتنے دن منقطع رہی؟	۳۲۳۵
والضحیٰ سے آخر قرآن تک تلاوت کا طریقہ	۳۲۳۷
آیت[۱] وَ الضُحٰی ...... تاختم	
آیت[۳] .... وَمَا قَلٰی	۳۲۳۸
ضحی کی تفسیر	۳۲۳۸
عروج اسلام	۳۲۳۹
ضحیٰ کی وجہ تخصیص	۳۲۴۰
ضحیٰ کی تفسیر میں دیگر اقوال	۳۲۴۰
ماودعك کی تفسیر	۳۲۴۲
آیت[۴] وَللاٰخِرَۃُ خَیرٌ لَّکَ مِنَ الاُولٰی	
...... تاختم آیت[۵] ...... فَتَرضٰی	۳۲۴۳
وللآ خرۃ خیرلك کی تفسیر	۳۲۴۳
دوسری تفسیر	۳۲۴۴
تیسری تفسیر	۳۲۴۵
شان نزول	۳۲۴۷
ولسوف يعطيك کی تفسیر	۳۲۴۸
اہل بیت اطہار نار سے محفوظ ہیں	۳۲۴۹
امۃ مرحومہ سے بھی کوئی دوزخ میں نہ رہیگا	۳۲۴۹
آیہ السوف يعطيك بہت ہی پرامید ہے	۳۲۵۰
آیہ ولسوف يعطيك کا شان نزول	۳۲۵۲
آیت[۶] اَلَم یَجِدکَ یَتِیمًا .... تا	
ختم آیت[۸] .... عَائِلًا فَاَغنٰی	۳۲۵۳
حضور اکرم ﷺ کی یتیمی	۳۲۵۳
حضور انور ﷺ یتیم یسیر تھے	۳۲۵۴
شفیق چچا ابو طالب کی شفقت	۳۲۵۵
یتیم کی دوسری تفسیر	۳۲۵۷

ووجدك ضالا کی تفسیر ۳۲۵۸
طفولیت کا ایک واقعہ ۳۲۵۹
حضور ﷺ کے سفر شام کا ایک وقعہ ۳۲۶۰
ضالا کی دوسری تفسیر ۳۲۶۱
صوفیہ کرام کا قول ۳۲۶۱
فھدی کی تفسیر ۳۲۶۲
عرض فقیر ۳۲۶۳
حضور ﷺ کی نسبت علم ازلی میں فیصلہ ۳۲۶۵
ووجدك عائلا کی تفسیر ۳۲۶۵
فاغنٰی کی تفسیر ۳۲۶۷
قریش کی ایک التجا ۳۲۶۹
آیت[۹] فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡھَرۡ ...... تا
ختم آیت[۱۱]............ فَحَدِّثۡ ۳۲۶۹
فاما الیتیم کی تفسیر ۳۲۶۹
فلا تقھر کی تفسیر ۳۲۷۰
یتیم کے ساتھ حسن سلوک ۳۲۷۱
یتیم کے ساتھ حضرت عمرؓ کا سلوک ۳۲۷۲
طالب علم بھی یتیم ہے ۳۲۷۲
وما السائل کی تفسیر ۳۲۷۲
شان نزول ۳۲۷۵
سائلین دار آخرت کے حمال ہیں ۳۲۷۶
سائل پر احسان نہ جتلاؤ ۳۲۷۷
سائل کی اہمیت ۳۲۷۷
سائل سے مراد طالب علم ۳۲۷۸
عرض فقیر ۳۲۷۸
واما بنعمة ربك کی تفسیر ۳۲۷۹
نعمت کا بیان کرنا بھی شکر ہے ۳۲۸۰
نعمت کا بیان کس سے کیا جائے ۳۲۸۲
شکر کا اجر و ثواب ۳۲۸۲
تلبیس کی مذمت ۳۲۸۳
خودستائی سے پرہیز کرنا چاہیئے ۳۲۸۴
شکر کے اقسام اور ادائے شکر کے طریقے ۳۲۸۶
اساتذہ و شیوخ کا ادب ۳۲۸۹
حضور اکرم ﷺ کی ایک درخوست رب العزت سے ۳۲۹۰
سورہ والضحٰی حضور پر اللہ سبحانہ کے احسانات کا مرقع ۳۲۹۱
سورہ والضحٰی اولیائے کاملین کی سورتوں سے ہے ۳۲۹۲

[۹۴] سورہ انشراح [مکی] آیتیں [۸]

ماقبل سے ربط ۳۲۹۳
آیت[۱] اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ...... تا
ختم آیت[۴]............ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِکۡرَكَ ۳۲۹۴
شرح صدر کی تفسیر ۳۲۹۴
شرح صدر کے اقسام ۳۲۹۴
شرح صدر بچپن میں ۳۲۹۵
شرح صدر بعد بلوغ ۳۲۹۷

شرح صدر بوقت نزول وحی	۳۲۹۹
شرح صدر بوقت اسراء معراج	۳۳۰۱
شرح صدر باطنی ومعنوی	۳۳۰۲
ووضعنا عنك وزرك کی تفسیر	۳۳۰۴
شرح صدر حضرت موسیٰ کا	۳۳۰۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب	۳۳۰۵
ورفعنالك ذكرك کی تفسیر	۳۳۰۶
حضور انور ﷺ کی مناجات اور اس کا جواب	۳۳۰۸
امت مرحومہ کا سینہ کتاب اللہ کا گنجینہ	۳۳۱۰
حضور ﷺ کا رفع ذکر درود شریف کے ذریعہ	۳۳۱۲
اطاعت رسول اطاعۃ اللہ	۳۳۱۳
آیت[۵] فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) تاختم	۳۳۱۴
آیت[۶] اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا	
آیہ کریمہ کی تفسیر	۳۳۱۴
شان نزول	۳۳۱۵
طلبہ علوم عربیہ سے خطاب	۳۳۱۷
لن يغلب عسر يسرين کے معنی	۳۳۱۸
غزوہ سیف الجر کا واقعہ	۳۳۱۹
عسر و یسر ساتھ ساتھ ہیں	۳۳۲۰
صبر و استقامت ضروری ہے	۳۳۲۲
آیت[۷] فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ...... تا ختم آیت[۸]............ فَارْغَبْ	۳۳۲۳
حرف آخر	۳۳۲۳
فاذافرغت کی تفسیر	۳۳۲۴
عرض فقیر	۳۳۲۵
[۹۵] سورہ تین [مکی] آیتیں [۸]	۳۳۲۷
ماقبل سے ربط	۳۳۲۷
آیت[۱] وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ...... تاختم	
آیت[۴]........... فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ	۳۳۲۸
والتین کی تفسیر	۳۳۲۸
انجیر کے فوائد ومنافع	۳۳۲۸
انجیر غذا بھی ہے اور میوہ اور دوا بھی	۳۳۲۹
زتیون کے فوائد ومنافع	۳۳۳۱
دوسری تفسیر	۳۳۳۳
احسن تقویم کی تفسیر	۳۳۳۵
کائنات پر انسان کی برتری	۳۳۳۶
انسان کی قوت اور تدبیر	۳۳۳۷
انسان کا احسن تقویم میں ماروحانی اعتبار سے	۳۳۳۸
صفت کمال انسان سے مختص ہونا اس کی برتری کا ثبوت	۳۳۳۹
انسان کے احسن تقویم میں ہونے کا ایک اور ثبوت	۳۳۴۰
ایک مسلہ طلاق پر قرآن سے استدلال	۳۳۴۱
احسن تقویم کی دوسری تفسیر	۳۳۴۲

آیت[۵]ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ......
تاختم آیت[۶] ...... اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنَ ۳۳۴۳
اسفل سافلین کی تفسیر ۳۳۴۳
اجر غیر ممنون کی تفسیر ۳۳۴۴
پیر مومن پر اللہ کا فضل ۳۳۴۵
بیمار اور مسافر پر اللہ کا فضل ۳۳۴۶
آفت زدہ اور مبتلا پر اللہ کا فضل ۳۳۴۷
کراما کاتبین کو اللہ کا حکم ۳۳۴۷
قرآن داں اور قرآن خواں نکمی عمر کو نہیں پہنچتے ۳۳۴۸
مضمون صدر کی تائید ۳۳۴۹
قرآن کریم کا علم پائیدار ہے ۳۳۵۰
تفسیر صدر کی بنیاد ۳۳۵۱
اسفل سافلین کی دوسری تفسیر ۳۳۵۳
تفسیر ثانی کے متعلق سلف صالحین کے اقوال ۳۳۵۵
غیر ممنون کی تفسیر ۳۳۵۶
غیر ممنون کی دوسری تفسیر ۳۳۵۷
آیت[۷]فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ تا
ختم آیت[۸]اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ
الْحَاكِمِيْنَ ۳۳۵۸
فمایکذبك کی تفسیر ۳۳۵۹
انسان سے ایک سوال ۳۳۵۹
فمایکذبك میں ایک نکتہ ۳۳۶۱
الیس اللہ باحکم الحاکمین کی تفسیر ۳۳۶۲
فمایکذبك کا مخاطب انسان ہے ۳۳۶۲
الیس اللہ کا جواب ۳۳۶۳

[۹۶]سورہ علق [مکی] آیتیں[۱۹]

ماقبل سے ربط ۳۳۶۵
دوسرا ربط ۳۳۶۶
قرآن کریم کی آیات جو سب سے پہلے
نازل ہوئیں ۳۳۶۶
نبوت کا آغاز رویاء صالحہ سے ۳۳۶۸
جبرئیلؑ سے ملاقات اور آیات اقراء کی تلقین ۳۳۶۹
غار حرا سے واپسی اور حضرت خدیجہؓ کا دلاسا ۳۳۷۱
حضور ﷺ کو حضرت خدیجہؓ کا ورقہ
کے پاس لیجانا ۳۳۷۲
حضور اکرم ﷺ اور ورقہ بن نوفل کا مکالمہ ۳۳۷۳
ورقہ بن نوفل کی وفات ۳۳۷۴
سورہ مدثر کا نزول اور اجرائے سلسلہ وحی ۳۳۷۵
واقعہ حرا کی تفصیل ۳۳۷۶
راستہ میں شجر و حجر کا سلام کرنا ۳۳۷۸
آیت[۱]اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ
خَلَقَ...... تاختم آیت[۵] مَالَمْ يَعْلَمْ ۳۳۷۸
اقراء کی تفسیر ۳۳۷۹
باسم ربك کی تفسیر ۳۳۸۰
الذی خلق کی تفسیر ۳۳۸۱

من علق کی تفسیر	۳۳۸۲
فعل خلق کی وجہ تخصیص	۳۳۸۳
ربك الا کرم کی تفسیر	۳۳۸۴
اقراء کی تفسیر	۳۳۸۶
علم بالقلم کی تفسیر	۳۳۸۷
سب سے پہلے قلم پیدا ہوا	۳۳۸۸
علم الا نسان کی تفسیر	۳۳۹۰
ارباب حقیقت کا ارشاد	۳۳۹۱
خط وکتابت کی ابتدا	۳۳۹۳
خلاصۂ بیان	۳۳۹۳
آیت[۶]کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ ......) تاختم	
آیت[۸]............ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی	۳۳۹۴
آیات بالا کی تفسیر	۳۳۹۴
موجودہ حالت پر ایک نظر	۳۳۹۵
شان نزول	۳۳۹۷
ابوجہل کا ایک مطالبہ	۳۳۹۸
دو بھوکے جو کبھی سیر نہیں ہوتے	۳۳۹۹
مضمون بالا کی تائید	۳۴۰۰
آیت[۹]اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ......) تا	
ختم آیت[۱۴] اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی	۳۴۰۱
آیات صدر کی تفسیر	۳۴۰۱
ابوجہل کا نماز سے روکنا	۳۴۰۲
ابوجہل لعین کے منصوبے	۳۴۰۳
حضور انور ﷺ کا جواب	۳۴۰۴
ایک واقعہ	۳۴۰۵
آیات صدر کی تفسیر	۳۴۰۶
دوسری تفسیر	۳۴۰۸
آیت[۱۵]کَلَّا لَئِنْ لَّمْ .... تاختم	
آیت[۱۹]...... وَ اسْجُدْ وَاقْتَرِبْ	۳۴۰۹
آیات صدر کی تفسیر	۳۴۰۹
حضرت عباسؓ کی ایک روایت	۳۴۱۰
کلا لا تطعه کی تفسیر	۲۴۱۲
سجدہ تلاوت کا حکم	۳۴۱۳
سجدے کی فضیلت	۳۴۱۴
حضرت ابن مسعودؓ ایک واقعہ	۳۴۱۵
حضرت ابن مسعودؓ کے کمزور ہو میں نے حکمت	۳۴۱۸
حضور اکرم ﷺ کی دعا اور ابوجہل کی شقاوت	۳۴۱۹
واسجد واقترب کی دوسری تفسیر	۳۴۱۹

[۹۷]سورہ قدر[مکی] آیتیں[۵]

ما قبل سے ربط	۳۴۲۱
آیت[۱] اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ	۳۴۲۲
شب برات اور شب قدر	۳۴۲۳
قدر کی تفسیر	۳۴۲۴
قدر کی دوسری تفسیر	۳۴۲۴
تیسری تفسیر	۳۴۲۵

قرآن کریم عرش اعظم سے بیت الغرہ میں نازل ہوا ۳۴۲۵
آیت[۲] وَمَآ اَدۡرٰكَ .... تاختم
آیت[۳] .... خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۳۴۲۶
امۃ مرحومہ پر عنایت الٰہی ۳۴۲۷
بنی اسرائیل کے ایک صالح کا حال ۳۴۲۸
ابنیائے بنی اسرائیل کے احوال شریفہ ۳۴۲۹
الف شھر کی دوسری تفسیر ۳۴۳۰
سیدنا امام حسن کی خلع خلافت کا واقعہ ۳۴۳۱
الف شھر کی تیسری تفسیر ۳۴۳۳
لیلۃ القدر کونسی رات ہے؟ ۳۴۳۴
روایات صدر میں تضاد نہیں ۳۴۳۷
خلافت فاروقیؓ کا ایک وقعاہ ۳۴۳۹
حضرت ابن عباسؓ کی تقریر دلپذیر ۳۴۴۱
ایک نکتہ ۳۴۴۳
شب قدر رمضان شریف کی آخری شب ہونے کی تائید ۳۴۴۴
شب برات ہی شب قدر ہے ۳۴۴۵
شب قدر آخری دہے میں منتقل ہوتی رہتی ہے ۳۴۴۶
شب قدر کی تلاش کے طریقے ۳۴۴۸
آیت[۴] تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ...............)
تاختم آیت[۵] .... مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۳۴۵۰
تنزل الملا ئکۃ والروح کی تفسیر ۳۴۵۰
دوسری تفسیر ۳۴۵۲
من کل امر کی تفسیر ۳۴۵۴
من کل امر کی تلاوت کے دو طریقے ۳۴۵۵
سلام ھی کی تفسیر ۳۴۵۶
شب قدر کی نشانیاں ۳۴۵۷
شب قدر کی اور علامات ۳۴۵۸
عشا و فجر با جماعت کی فضیلت ۳۴۵۹
شب قدر کے دن کی فضیلت ۳۴۶۰
لیلۃ القدر کی دعا ۳۴۶۱
سورہ قدر چوتھائی قرآن کے برابر ہے ۳۴۶۲
سورہ قدر موجب حاجت براری ۳۴۶۲
لیلۃ القدر کیلئے حضور اکرم ﷺ کا اہتمام ۳۴۶۳
ایک اہم سوال اور اس کا حل ۳۴۶۴
شب قدر کی بابتہ اقوال کی وجہ ۳۴۶۶
[۹۸] سورہ بینہ [مدینہ] آیتیں [۸]
سورہ بینہ کے متعدد نام ہیں ۳۴۶۷
یہ سورت مکیہ ہے یا مدنیہ؟ ۳۴۶۷
سورہ بینہ کی آیتیں ۳۴۶۹
اس سورت کا ماقبل سے ربط ۳۴۶۹
آیت[۱] لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا......) تا ختم آیت[۳] فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۳۴۷۰
بعثت شریف سے پہلے اہل کتاب و مشرکین کا حال ۳۴۷۰
نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کا عہد ۳۴۷۱

مشرکین کا بھی اہل کتاب سے اتفاق ۳۴۷۳
لم یکن الذین کفردا کی تفسیر ۳۴۷۴
صحفا مطہرۃ کی تفسیر ۳۴۷۶
آیت[۴]وَمَاتَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ ………… ۳۴۷۷
اہل کتاب کا حسد وعناد ۳۴۷۷
مشرکین بھی اہل کتاب کے نقش قدم پر ۳۴۷۸
اہل کتاب کا علم تحقیقی اور مشرکین کا تقلیدی ۳۴۸۰
ایک تمثیل ۳۴۸۱
آیت[۵] وَمَآ اُمِرُوۡآ اِلَّا لِیَعۡبُدُ اللّٰهَ... ۳۴۸۱
حنفآء کی تفسیر ۳۴۸۳
عمل کو جزوایمان کہنے والوں کا استدلال ۳۴۸۴
اہل سنۃ والجماعۃ کا جواب ۳۴۸۶
آیت[۶]اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ ۳۴۸۸
کفار کے اقسام ۳۴۸۸
ایک لطیف نکتہ ۳۴۸۹
شرالبریہ کی تفسیر ۳۴۹۰
اہل کتاب اور مشرکین کا شرالبریہ ہونا ۳۴۹۱
آیت[۷]اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوۡا ۳۴۹۳
مومنین صالحین خیرالبریہ ہیں ۳۴۹۳
مومنین صالحین ملائکہ سے بہتر ہیں ۳۴۹۴
مضمون بالا کی تائید ۳۴۹۴
عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ ۳۴۹۵
علموا الصالحات کی تفسیر ۳۴۹۶
آیت[۸]جَزَآؤُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۳۴۹۷
مومنین صالحین کی جزا ۳۴۹۸
انہار کی تفسیر ۳۴۹۹
خالدین فیها ابدا کی تفسیر ۳۵۰۱
رضی الله عنهم ورضوعنه کی تفسیر ۳۵۰۲
ذلك لمن خشیه ربه کی تفسیر ۳۵۰۴

[۹۹]سورہ زلزال [مدنی] آیتیں[۸]

ماقبل سے ربط ۳۵۰۷
سورہ زلزال مدنیہ ہونے کا ثبوت ۳۵۰۸
اذازلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے ۳۵۰۹
اذازلزلت سے حضورانور ﷺ کی محبت ۳۵۱۰
اذازلزلت کی جامعیت ۳۵۱۲
آیت[۱]اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ ………… تا
ختم آیت[۳]…… وَقَلَ الۡاِنۡسَانُ مَالَهَا ۳۵۱۳
شدید ترین زلزلہ نفخ صور کا نتیجہ ۳۵۱۳
نفخ ثانی کے نتائج ۳۵۱۵
آثار قیامت کا ظہور ۳۵۱۶
قوم سے خطاب ۳۵۱۸
مالها کی تفسیر ۳۵۱۸
آیت[۴]یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ……
تاختم آیت[۵]…… اَوۡحٰی لَهَا ۳۵۱۹
تحدث اخبارها کی تفسیر ۳۵۱۹
زمین ہمارے ہر کام کی خبر دیگی ۳۵۲۱

زمین سے ہمارا کوئی کام چھپ نہیں سکتا	۳۵۲۲
سات گواہ ہیں	۳۵۲۳
ان شہادات سے بچنے کا طریقہ	۳۵۲۵
مادر زمین پوشیدہ نیکیوں کی گواہ بھی ہوگی	۳۵۲۶
حضرت ابوامیہؓ کا زمین کو گواہ رکھنا	۳۵۲۷
اوحی لھا کی تفسیر	۳۵۲۸
آیت[۶]یَوْمَئِذٍ یَصْدُرُ النَّاسُ	۳۵۲۹
انسان کی اجتماعی زندگی	۳۵۲۹
عالم برزخ کا حال	۳۵۳۰
عالمِ آخرت	۳۵۳۲
لیر وا اعمالھم کی تفسیر	۳۵۳۲
اعمال سے جزائے اعمال مراد ہے	۳۵۳۳
آیت[۷]فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	
تاختم آیت[۸]......... شَرًّا یَرَهٗ	۳۵۳۵
شانِ نزول	۳۵۳۵
مومن کے دنیوی تکالیف سیئات کا کفارہ	۳۵۳۶
کافر کی نیکی مردود اور مومن کی برائی مغفور	۳۵۳۸
ایک تمثیل	۳۵۳۹
خیر کی جزا کافر کو اور شر کی جزا مومن کو دنیا میں	۳۵۴۰
ان آیات کی جامعیت	۳۵۴۲
ذرہ کی تفسیر	۳۵۴۳
ام المومنینؓ کا استدلال	۳۵۴۵
حضور انور ﷺ کا ایک خطبہ	۳۵۴۶
حضرت ابوالدرداءؓ کا تاثر	۳۵۴۷
نجات کا سامان کرو نیکی کر کے یا شر سے بچ کر	۳۵۴۹
بھلائی برائی سواریوں میں ہے	۳۵۴۹
[۱۰۰]سورہ عادیات[مکی] آیتیں[۱۱]	
سورہ عادیات مکی ہے یا مدنی ہے	۳۵۵۱
ماقبل سے ربط	۳۵۵۱
سورہ عادیات کی فضیلت	۳۵۵۲
آیت[۱]وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا	
تاختم آیت[۶]لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ	۳۵۵۳
حبر الامہؓ کی تفسیر	۳۵۵۴
حضرت باب العلمؓ کی تفسیر	۳۵۵۵
عرض فقیر	۳۵۵۷
کنود کی تفسیر	۳۵۵۹
عرض فقیر	۳۵۶۰
عرب کے تین مشہور اشخاص	۳۵۶۲
آیت[۷]وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ	
تاختم آیت[۸]لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ	۳۵۶۳
علی ذلك لشهيد کی تفسیر	۳۵۶۳
لحب الخير لشد يد کی تفسیر	۳۵۶۴
آیت[۹]اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ تاختم	
آیت[۱۱] یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ	۳۵۶۵
بعثر مافی القبور کی تفسیر	۳۵۶۶
وحصل مافی الصد ور کی تفسیر	۳۵۶۶

یومئذ لخبیر کی تفسیر	۳۵۶۸

[۱۰۱] سورہ قارعہ [مکی] آیتیں [۱۱]

ماقبل سے ربط	۳۵۶۹
آیت [۱] القَارِعَةُ o ما القَارِعَةُ	
...... ختم آیت [۳] ...... مَا القَارِعَةُ	۳۵۶۹
قارعة کی تفسیر	۳۵۷۰
آیت [۴] یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ .... تا	
ختم آیت [۵] ...... کَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ	۳۵۷۱
کالفراش المبثوث کی تفسیر	۳۵۷۱
کا لعهن المنقوش کی تفسیر	۳۵۷۲
آیت [۶] فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ	
تا ختم آیت [۷] .... رَّاضِیَةٍ	۳۵۷۳
میزان عدل اور وزن اعمال	۳۵۷۳
ثقلت موازینه کی تفسیر	۳۵۷۴
موازین بصیغہ جمع کی توجیہ	۳۵۷۵
ایمان سے وزن پیدا ہوتا اور اخلاص سے وزن بڑھتا ہے	۳۵۷۵
آیت [۸] وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ	
تا ختم آیت [۹] .... فَ اُمُّهٗ هَاوِیَةٌ	۳۵۷۷
خفت موازینه کی تفسیر	۳۵۷۷
هاویة کی تفسیر	۳۵۷۸
ارواح کی ملاقات	۳۵۷۸
زندوں کے احوال سے ارواح کا باخبر ہونا	۳۵۸۰
آیت [۱۰] وَمَآ اَدۡرٰكَ مَاهِیَهۡ .... تا	
ختم آیت [۱۱] ...... نَارٌ حَامِیَةٌ	۳۵۸۱
ھاویہ کی ہولنا کی	۳۵۸۱
بحث وزن اعمال	۳۵۸۱
عرض فقیر	۳۵۸۲
اہل محشر کے طبقات	۳۵۸۴
مضمون صدر کی تائید	۳۵۸۶
حقوق العباد کی اہمیت	۳۵۸۷
میزان کی نزاکت	۳۵۸۷
وہ لوگ جن کے اعمال تولے نہیں جائیںگے	۳۵۸۹
اہل بلا کے اعمال بھی نہیں تولے جائیں گے	۳۵۹۰
اہل بلا کے اقسام	۳۵۹۱
بعض اہل بلا کے اعمال تولے جاتے ہیں	۳۵۹۲
عرض فقیر	۳۵۹۳
ایک انصاری صحابی کا تاثر	۳۵۹۴
ارشاد اقدس	۳۵۹۵

[۱۰۲] سورہ تکاثر [مکی] آیتیں [۸]

ماقبل سے ربط	۳۵۹۷
سورتکاثر مکیہ ہے یا مدنیہ	۳۵۹۸
عذاب قبر حق ہے	۳۵۹۸
سورہ تکاثر کی فضیلت	۳۵۹۹

آیت[۱]اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ .... تاختم	
آیت[۲]زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ	۳۶۰۰
مال واولاد کے لالچ کی مذمت	۳۶۰۰
انسان کا اپنا مال کونسا ہے	۳۶۰۱
پرایا مال کونسا؟	۳۶۰۲
مال کا لالچ اور اس کا علاج	۳۶۰۲
دوسری تفسیر	۳۶۰۳
عرض فقیر	۳۶۰۴
آیت[۳]کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ	
تاختم آیت[۴]ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ	۳۶۰۵
کلاسوف تعلمون کی تفسیر	۳۶۰۵
ثم کلا سوف تعلمون کی تفسیر	۳۶۰۷
تواضع کا حکم اور تفاخر کی ممانعت	۳۶۰۸
فضیلت دین تقوی سے ہے محض نسب و مال سے نہیں	۳۶۰۹
تفاخر انساب کا انجام	۳۶۰۹
آیت[۵]کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ	۳۶۱۱
الیقین کی تفسیر	۳۶۱۱
آیت[۶]لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ .... تاختم	
آیت[۸])...... يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ	۳۶۱۳
لترون الحجیم کی تفسیر	۳۶۱۳
علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی تفسیر	۳۶۱۴
دوسری تفسیر	۳۶۱۵
لتسئلن کی تفسیر	۳۶۱۵
النعیم کی تفسیر	۳۶۱۶
النعیم کی دوسری تفسیر	۳۶۱۹
سورہ تکاثر کی تفسیر حضور انور ﷺ سے	۳۶۲۰
ثم لترونها کی تفسیر نبوی ﷺ	۳۶۲۲
صحابہ کرامؓ کا استفسار اور اس کا جواب	۳۶۲۳
حضور انور ﷺ کی ایک پیشین گوئی	۳۶۲۴
اسوہ حسنہ ایک انصاری کی عزت افزائی	۳۶۲۵
انصاری کی مسرت	۳۶۲۶
حضور ﷺ کی مکافات	۳۶۲۸
دوسرا واقعہ ابوایوبؓ کی عزت افزائی	۳۶۲۹
حضرت ایوبؓ کی شادمانی	۳۶۳۰
لخت جگر کی یاد	۳۶۳۱
تلقین حمد وشکر	۳۶۳۲
تعلیم طریقہ شکرگزاری	۳۶۳۲
ایک اور واقعہ	۳۶۳۳
تین چیزوں کا سوال نہ ہوگا	۳۶۳۴
صحابہ کرامؓ مسئول نہ ہوں گے	۳۶۳۵
سوال سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں	۳۶۳۷
معذور محتاج بھی منعم علیہ ہوسکتا ہے	۳۶۳۷
ایک پادشاہ کا اپنے غلام پر رشک	۳۶۳۸
نجات مشیت پر موقوف ہے	۳۶۳۹
پانی کے آگے تمام حلوے اور شربت بھی ہیچ ہیں	۳۶۴۰

سوال سے محفوظ رہنے کی تدبیر ۳۶۴۱
نعیم کے اقسام ۳۶۴۲

[۱۰۳] سورہ عصر [مکی] آیتیں [۳]

ماقبل سے ربط ۳۶۴۳
آیت [۱] وَالْعَصْرِ .... تاختم
آیت [۳] .... وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۳۶۴۴
تمہید ۳۶۴۴
العصر سے مراد زمانہ ہے ۳۶۴۵
زمانہ کی اہمیت ۳۶۴۶
عصر سے آخر نہار مراد ہے ۳۶۴۷
عصر سے مراد نماز عصر ۳۶۴۸
العصر سے مراد عہد مبارک نبوی ۳۶۴۹
العصر سے مراد امت مرحومہ کا عہد ۳۶۵۰
اہل کتاب کا اعتراض اور اس کا جواب ۳۶۵۱
جامع تفسیر ۳۶۵۳
ان الانسان لفی خسر کی تفسیر ۳۶۵۳
اِلَّا کی تفسیر ۳۶۵۶
الذین آمنوا کی تفسیر ۳۶۵۷
علموا الصالحات کی تفسیر ۳۶۵۹
سورہ تین اور سورہ عصر کی تقریر کا باہمی فرق ۳۶۶۱
دوسرا فرق ۳۶۶۲
دوسری تفسیر ۳۶۶۳
وتواصوا بالحق کی تفسیر ۳۶۶۳
الحق سے قرآن مراد ہے ۳۶۶۴
حق سے مراد نا قابل انکار حقیقت ۳۶۶۵
حق سے مراد باطل کی ضد ۳۶۶۶
وتواصوا بالصبر کی تفسیر ۳۶۶۷
صبر کی اہمیت ۳۶۶۸
صبر کا مرتبہ عبادت وعبودیت ۳۶۶۹
تواصوا کہنے کی وجہ تخصیص ۳۶۶۹
ایک نکتہ ۳۶۷۱
سورہ والعصر سے صحابہ کرامؓ کا شغف ۳۶۷۲
سورہ والعصر کی جامعیت ۳۶۷۲
امر بالمعروف کا ترک موجب خسران ۳۶۷۳
نہی عن المنکر کے ترک پر وعید ۳۶۷۳
رحمت الٰہی کی وسعت ۳۶۷۴
مومنین صالحین کا دائمی ثواب ۳۶۷۵
سورہ والعصر پڑھنے کی فضیلت ۳۶۷۶

[۱۰۴] سورہ ھمزہ [مکی] آیتیں [۹]

ماقبل سے ربط ۳۶۷۷
آیت [۱] وَیْلٌ لِکُلِّ ھُمَزَةٍ .... تاختم
آیت [۳] .... لَهٗ اَخْلَدَهٗ ۳۶۷۷
همزة لمزة کی تفسیر ۳۶۷۹
شان نزول ۳۶۸۰
مومن اور منافق کا امتیاز ۳۶۸۱
جمع مالا وعدده کی تفسیر ۳۶۸۳

دوسری تفسیر	۳۶۸۳
اخلدہ کی تفسیر	۳۶۸۵
دوسری تفسیر	۳۶۸۵
آیت[۴]کَلَّا لَیُنۡبَذَنَّ .... تا	
ختم آیت[۵]......... مَا الۡحُطَمَةُ	۳۶۸۶
حطمه کی تفسیر	۳۶۸۷
تفسیر بالا کا ماحصل	۳۶۸۸
آیت[۶]نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ .... تا	
ختم آیت[۷]......... عَلَى الۡاَفۡئِدَةِ	۳۶۸۹
نارا الله موقد ة کی تفسیر	۳۶۸۹
نارا الله کی تشریح وتوضیح	۳۶۹۰
تطلع علی الا فدة کی تفسیر	۳۶۹۱
افدہ کی وجہ تخصیص	۳۶۹۳
آیت[۸]اِنّ۔ھَا عَلَیۡھِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ......)	
تاختم آیت[۹]......... عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ	۳۶۹۴
موصدة اور ممددة کی تفسیر	۳۶۹۴
اہل شفاعت کون ہیں؟	۳۶۹۵
اہل توحید پر کفار کا طنز	۳۶۹۶
اللہ سبحانہ کی طرف سے جواب	۳۶۹۷
عیب چیں طعنہ زن مومن کی دوزخ سے رہائی	۳۶۹۹
رہائی کے بعد التجا	۳۷۰۰
عیب چیں طعنہ زن کفار کی سزائے ابدی	۳۷۰۱
عیب چینی اور طعنہ زنی بدترین اخلاقی جرم	۳۷۰۲
سورہ ہمزہ کے مناسبات	۳۷۰۳

پیرومرشد مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہنے والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اور اپنے کلام کی برکت سے جزاءِ خیر عطا فرمائے اور اُن کی دین ودنیا کی مشکلوں کو حل فرمائے۔ آمین

پیر کے ساتھ رہا خدمتِ قرآں میں شریک

خادمِ خادمِ قرآن ہوا نصرالحق

الحمد لله ربّ العالمین

اظہارِ تشکر

حق تعالیٰ دے تجھے اس امر کا بہتر صلہ
روز افزوں ہوں مدارج اور تیرا مرتبہ

ہاتھ میں تفسیر دے کر ساتھ اپنے کرلیا
جس کو جو دینا تھا دے کر تو نے اپنے نصر کو

لمعان کمپیوٹر گرافکس سے تفسیر قادری کا مکمل سٹ یا پھر مخصوص کا پیس حاصل کر سکتے ہیں۔

پتہ: **لمعان کمپیوٹر گرافکس** : ناصر کامپلکس متصل چھتہ بازار کمان، حیدر آباد۔
فون: 9440877806

آیت[]() تاختم
آیت[]()

TAFSEER_E_QADRI PART 2 VOL: 6

93 Soorah ZUHAA

سورۂ ضحیٰ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا ربط اور مناسبت اس طرح ہے کہ ماقبل سورت کی طرح اس سورت شریفہ کا آغاز بھی قسموں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ اور بظاہر یہی نہار و لیل کی قسم اس میں بھی دی جا رہی ہے۔ نیز سورت ماقبل میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار ثانی اثنین اذ ھما فی الغار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات صوری و معنوی کا بیان ہوا تھا۔ جو دراصل حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات عالیہ کا ایک شمہ بلکہ پرتو تھا۔ اس سورت شریفہ میں خود حضور مفخر موجودات علیہ افضل التحیات وازکی التسلیمات کے صفات جلیلہ اور مناقب فاضلہ کا بیان آ رہا ہے۔ تاکہ حضور اکرم کے ساتھ جو قرب و اتصال حضرت صدیق اکبر کو اس عالم میں (سفر میں، حضر میں، بلکہ غار میں تک) حاصل تھا اور جو شرف معیت عالم برزخ میں یعنی روضۂ اطہر اور مرقد انور میں قیامت تک کیلئے

آپ کو حاصل ہے اسی طرح قرآن کریم سے بھی معلوم ہو جائے جس سے عالم آخرت کے کمال قرب و معیت کا اندازہ ہو سکے۔

شان نزول شان نزول کے بارے میں روایات مختلف ہیں جو حسب ذیل ہیں

۱۔حضرت جندب بجلیؓ فرماتے ہیں :۔ اشتکی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلم یقم لیلتین او ثلاثا فاتتہ امرأۃ فقالت یا محمد ما اری شیطانک الا قد ترکک لم نرہ قربک لیلتین او ثلاثا فانزل اللّٰہ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعک ربک وما قلیٰ۔ (امام احمدؒ، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر، طبرانی، بیہقی، ابو نعیم) حضرت نبی اعظم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم روحی فداہ بیمار ہو گئے جس کے باعث دو تین رات تہجد کے لئے اٹھ نہ سکے تو ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی (العیاذ باللّٰہ) کہ محمدؐ! میں آپ کے شیطان کو نہیں دیکھ رہی ہوں یہی سمجھتی ہوں کہ اس نے آپ کو چھوڑ دیا ہے ہم نے اسکو دو تین راتوں سے نہیں دیکھا۔ اس وقت یہ سورت شریفہ نازل ہوئی :۔ "والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعک ربک وما قلیٰ" دوسری روایات میں صراحت ہے کہ ایسا کہنے والی عورت آپ کی بنت عم حمالۃ الحطب زوجۂ ابولہب تھی۔ چنانچہ روایت ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے :۔

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت تبت یدا ابی لھب
وتبّ ما اغنی عنہ مالہ وما کسب سیصلی نارا ذات لھب وامرأتہ
حمالۃ الحطب فقیل لامرأۃ ابی لھب ان محمدا قد ھجاك فاتت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس فی الملأ فقالت یا محمد علام تھجونی قال
انی واللہ ما ھجوتك ما ھجاك الا اللہ فقالت ھل رأیتنی احمل حطبا
اورأیت فی جیدی حبلا من مسد ثم انطلقت فمکث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ایاما لا ینزل علیہ فاتتہ فقالت ما اری صاحبك
الا قد ودعك وقلاك فانزل اللہ والضحی واللیل اذا سجی ما ودعك
ربك وما قلی۔ (حاکم) جب سورۂ تبت یدا ابی لھب نازل ہوا جس میں یہ بیان
ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں یا خاک آلود ہوں اس کا مال اور اسکی
ساری کمائی اس کے کچھ کام نہ آئے گی۔ اور اس کی جورو جو سوکھی جلانے کی لکڑیاں
اٹھایا کرتی ہے اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہوگی" تو ابولہب کی بیوی سے کہنے
والوں نے کہا کہ محمدؐ نے تمہاری ہجو کی ہے۔ اس پر وہ مشتعل ہو کر حضرت رسول دوجہاں
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی جب کہ آپ اپنے اصحاب کبار کے ساتھ تشریف
فرما تھے اور کہنے لگی کہ محمد! کس بنا پر آپ میری ہجو کیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔

خدا کی قسم! میں نے تمھاری ہجو نہیں کی۔ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی نے تمھاری ہجو نہیں کی۔"
اس نے کہا کیا کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ میں جلانے کی لکڑیوں کا گٹھا لایا کرتی ہوں یا یہ دیکھا
ہے کہ میری گردن میں بٹی ہوی رسی رہتی ہے؟" یہ کہہ کر چلی گئی۔ اس کے بعد ایسا اتفاق
ہوا کہ آپ پر چند روز تک وحی نہیں آئی۔ تو وہ عورت دوبارہ آئی اور کہنے لگی کہ میں
تمھارے رفیق (جبرئیل علیہ السلام) کی نسبت یہی یقین کرتی ہوں کہ اس نے آپ کو
چھوڑ دیا اور ناراض ہو گیا۔" اس وقت والضحیٰ واللیل اذا سجی ما ودعك ربك
وما قلیٰ نازل ہوا کہ وقت چاشت کی قسم! اور رات کی قسم جبکہ وہ ہر چیز کو ڈھانک لے
آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑ دیا اور نہ آپ سے ناراض ہوا۔"

وحی نہ آنے کا حال جب مشرکین کو معلوم ہوا تو ان میں بھی چرچے ہونے لگے اور بغلیں
بجانے لگے۔ ادھر سرکار دو جہاں پر ہر چیز گراں گزرنے لگی۔ شدہ شدہ یہ صورت حال
حضرت ام المومنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منکشف ہوی تو ام المومنین نے بھی
ایک دن دریافت کیا۔ چنانچہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ ابطأ
جبریل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجزع جزعا شدیدا فقالت خدیجة
اری ربك قد قلاك مما یری من جزعك فنزلت والضحیٰ الی آخرھا۔
(ابن جریر، ابن المنذر) جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں کچھ دنوں تاخیر ہو گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر

اس کا بہت اثر ہوا اور آپ گھبرا اٹھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے عرض کیا آپ کی اس گھبراہٹ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پروردگار کو آپ سے کچھ ناراضی سی ہوگئی ہے۔ اسی وقت سورۂ والضحیٰ آخر تک نازل ہوا۔ کہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑ دیا اور نہ کسی طرح ناراض ہوا۔

مرض جس کے باعث آپ چند راتوں تک تہجد کے لئے قیام نہ فرماسکے اس کی نسبت حضرت جندبؓ ہی کی دوسری روایت میں تصریح ہے: رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحجر فی اصبعہ فقال

هل انت الا اصبع دميت وفی سبيل الله مالقيت

فمكث ليلتين او ثلاثاً لا يقوم فقالت له امرأة ما ارى شيطانك الا قد تركك فنزلت والضحى والليل اذا سجى ما ودعك ربك وما قلى۔

(ترمذی بروایت صحیحہ ابن ابی حاتم) حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی نے پتھر پھینک دیا جس سے آپ کی انگشت مبارک زخمی ہوگئی۔ اس کے درد کے باعث آپ دو تین رات تہجد کے لئے اٹھ نہ سکے اور یہ اپنی انگشت مبارک سے خطاب کرکے فرماتے تھے کہ تو تو صرف ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوگئی ہے۔ کچھ راہ خدا (جہاد فی سبیل اللہ) میں تجھے یہ پتھر نہیں لگا۔" یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ

ما لقیت میں ما نافیہ لیا جائے۔ اور اگر اس کو موصولہ قرار دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ تو صرف ایک انگلی ہے جس کو پتھر لگا ہے۔ خیال تو کر کہ راہ خدا میں یہ پتھر لگنے کے صلے میں تجھے کتنا اجر عظیم ملا ہے۔ اس اجر عظیم کے مقابلہ میں یہ تھوڑی سی تکلیف کیا حیثیت رکھتی ہے؟

۲۔ حضرت خولہؓ جو حضرت رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ اور کاشانۂ مبارک میں جھاڑو جھٹکا دیا کرتی تھیں فرماتی ہیں: ۔ انّ جروا دخل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل تحت السریر فمات فمکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ ایام لا ینزل علیہ الوحی فقال یا خولۃ ما حدث فی بیت رسول اللہ جبریل لا یأتینی فقلت فی نفسی لو ھیأت البیت وکنستہ فاھویت بالکناسۃ تحت السریر فاخرجت الجرو فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترعد لحیتہ وکان اذا نزل علیہ اخذتہ الرعدۃ فانزل اللہ والضحی الی قولہ فترضی۔ (ابن ابی شیبۃ طبرانی) ایک کتے کا بچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ مبارک میں آگیا اور تخت کے نیچے گھس کر مر گیا۔ ادھر چار روز گزر گئے کہ حضرت نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آنی موقوف ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا: ۔

خولہ یا رسول اللہ کے گھر میں کیا نئی بات نمودار ہوئی کہ جبرئیل میرے پاس نہیں آرہے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں گھر کو جھاڑتی اور صاف کرتی تو ٹھیک ہوتا۔ پھر میں تخت کے نیچے جھاڑو دینے لگی اور اس کے نیچے سے کتے کا بچہ برآمد کیا۔ اتنے میں حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے درحالیکہ آپ کی ریش مبارک سے کپکپی کے آثار پائے جاتے تھے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے والضحیٰ سے فترضیٰ تک آیات کریمہ اس وقت نازل فرمائیں۔

سگ بچہ کا واقعہ قرین قیاس نہیں

معلوم ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسے آثار نمودار ہوتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ قصۃ ابطاء جبرئیل بسبب الجرو مشہورۃ لکن کونہا سبب نزول الآیۃ غریب بل شاذ مردود بما فی الصحیح۔ (مظہری) جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں چند روز کی تاخیر کا واقعہ کتے کے بچے کے باعث عام طور پر مشہور اور زباں زد ہے لیکن یہ آیات کریمہ اس سبب سے نازل ہوئیں کہنا ایک نادر بات ہے بلکہ خلاف قیاس اور رد کرنے کے قابل ہے۔ اصل واقعہ وہی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ سے اوپر نقل ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

وحی کتنے دن منقطع رہی؟

پھر اس میں بھی روایات مختلف ہیں کہ سلسلہ وحی

کتنے دن تک منقطع رہا۔ جو روایات اوپر مذکور ہوئیں ان میں دو تین دن، چار دن کا ذکر ہے۔ حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ بارہ دن تک وحی نہیں آئی۔ حضرت مقاتل کا قول ہے کہ چالیس دن گزر چکے تھے۔ بہرحال چند روز یوں ہی گزر گئے۔ حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یاجبرئیل ماجئت اشتقت الیك فقال جبرئیل انی کنت اشد شوقا الیك ولکنی عبد مامور بما انزل اللہ وما نتنزل الا بامر ربك جبرئیل! آپ کئی دنوں سے نہیں آئے میں آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا میں بھی آپ سے ملنے کا زیادہ تر اشتیاق رکھتا تھا لیکن میں بندہ ہوں حکم کا منتظر۔ جیساکہ اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں صراحت فرمادی ہے:۔ وما نتنزل الا بامر ربك۔ ہم آپ کے پروردگار کے امر کے بغیر اتر ہی نہیں سکتے۔"

والضحیٰ سے آخر قرآن تک تلاوت کا طریقہ

حضرت ابو الحسن بزی مقری فرماتے ہیں:-
سمعت عکرمۃ بن سلیمان یقول قرأت
علی اسماعیل بن قسطنطین فلما بلغت والضحی قال کبر عند خاتمۃ
کل سورۃ حتی تختم فانی قرأت علی عبد اللہ بن کثیر فلما بلغت
والضحی قال کبر حتی تختم واخبرہ عبد اللہ بن کثیر انہ قرأ علی
مجاھد فامرہ بذلک واخبرہ مجاھد ان ابن عباس رضی اللہ
عنھما امرہ بذلک واخبرہ ابن عباس ان ابی بن کعب امرہ
بذلک واخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرہ بذلک

(حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ بیہقی) میں نے اپنے استاذ حضرت عکرمہ بن سلیمان سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے استاذ حضرت اسماعیل بن قسطنطین کے پاس قرآن ختم کیا جب والضحیٰ کے پاس پہنچا تو فرمایا یہاں سے ہر سورت کے ختم پر تکبیر (اللہ اکبر) کہتے جاؤ تا آنکہ قرآن کریم ختم ہو جائے۔ کیونکہ میں نے اپنے استاذ حضرت عبد اللہ بن کثیر کو قرآن سنایا جب والضحیٰ پہ پہنچا تو فرمایا کہ قرآن ختم ہونے تک (ہر سورت کے خاتمہ پہ) تکبیر کہتے جاؤ۔ ان کو عبد اللہ بن کثیر نے خبر دی کہ وہ حضرت مجاہد کو قرآن سنا رہے تھے تو انھوں نے بھی ایسا ہی

امر فرمایا تھا۔ اور حضرت مجاہد نے ان کو خبر دی کہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو ایسا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے ان کو خبر دی کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایسا حکم دیا تھا۔ اور حضرت اُبی بن کعب نے ان کو خبر دی کہ حضرت نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایسا حکم دیا تھا۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔"

93-1 93-2 93-3

وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ قسم ہے وقت چاشت کی، اور رات کی جب چھا جائے، کہ نہیں رخصت کیا آپ کو آپ کے پروردگار نے اور نہ بیزار ہوا۔"

ضحیٰ کی تفسیر جمہور مفسرین نے یہاں ضُحیٰ سے وقت چاشت مراد لیا ہے کہ اس وقت سے دن کی روشنی تیز ہوتی جاتی ہے اور کائنات کی ہر چیز پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اشارہ ہے اس جانب کہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی تعلیمات بھی روز روشن کی طرح پھیلتی اور ترقی کرتی جائیں گی یہاں تک کہ چار دانگ عالم میں آپ کی نبوت و رسالت کا ڈنکہ بجنے لگیگا۔ اور دین اسلام کی صداقت کا سکہ بیٹھ جائے گا کوئی طاقت اس کو

روک نہیں سکتی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ دعوتِ اسلام مکہ مکرمہ سے شروع ہوئی اور مدینہ منورہ میں آکر مستحکم ہوئی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آج ہم نے تمہارے دین کو معراج کمال پر پہنچادیا اور اپنی پوری نعمت تم پر اتار دی اور تمہارے دین اسلام سے راضی ہو چکے۔" جزیرۃ العرب سے وفود آنے اور حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

عروج اسلام پھر خلافت راشدہ کے تیس سالہ عہد میں اسلام جزیرۃ العرب سے ہر سمت میں آگے بڑھ کر کہاں کہاں تک پہنچا کہ کوئی براعظم اس سے خالی نہ رہ سکا اور آج بھی بحمد اللہ مسلمان ربع مسکون میں ہر جگہ آباد ہیں۔ اور بجائے خود باعزت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دشمنان اسلام بہت کچھ چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ آرزو نہ کبھی پوری ہوئی اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔ جس دین مقدس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے لیا ہے وہ کونسی طاقت ہے جو اس کے ارادے کو بدل سکے اور اس کے حکم کو ٹال سکے۔ نت نئے فتنے سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح اٹھتے ہیں پھر اسی میں جذب اور فنا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حکم الٰہی سے ایک دن اور ایسا آنے والا ہے کہ دین اسلام شرقاً غرباً" شمالاً جنوباً پھیل جائے گا اور یہ سارے

اختلافات مٹ جائیں گے۔ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اپنے مرنے سے پیشتر اس پر ایمان نہ لاچکا ہو" یہ اہل کتاب کا حال ہے دوسرے کس شمار وقطار میں؟ جن کو کوئی آسمانی کتاب ہی نہیں دی گئی۔

ضحیٰ کی وجہ تخصیص یہاں ضحیٰ (وقت چاشت) کی قسم خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی وقت میں ہم کلامی کی فضیلت سے ممتاز فرمایا تھا۔ اور لشکر فرعون بھی اسی وقت میں دیکھتے دیکھتے غرق ہوا تھا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت بھی اسی طرح دنیا کے چپہ چپہ میں پھیل کر رہے گی اور دشمنان اسلام تباہ و تاراج ہوں گے۔ الغرض یہ ضحیٰ کے حقیقی معنی ہوئے۔ رہا مجاز" اس کا دامن بہت وسیع ہے اور تاویل کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

ضحیٰ کی تفسیر میں دیگر اقوال چنانچہ بعض مفسرین کرام نے ضحیٰ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور مراد لیا ہے اور لیل سے گیسوئے مبارک۔ یہ قول حضرت امام فخر الدین رازی کا ہے جو تفسیر کبیر میں مذکور ہے۔ ؎

اے کہ شرح والضحیٰ آمد جمال روئے تو
نکتۂ واللیل وصف زلف عنبر بوئے تو

اے دو چشم سرمہ گت کحل مازاغ البصر قاب قوسین است رمز گوشۂ ابروئے تو

سینِ دندان تو از یسین نشانے می دہد صورتِ حٰم دارد حلقۂ گیسوئے تو

قبلۂ دل کعبۂ جاں یا رسول اللہ توئی

سجدۂ مسکین حسنؒ ہر لحظہ باد اسوئے تو

کسی نے ضحیٰ سے آپؐ کا ظاہر مراد لیا ہے جس میں کسی کو کسی امر میں عیب جوئی اور نکتہ چینی کی مجال نہیں اور لیل سے آپؐ کا باطن مراد لیا ہے جس پر عالم الغیب کے سوا اور کسی کو دسترس نہیں۔ اور خدائے قدوس کا آپ کی نعت شریف میں ارشاد ہے:۔ انک لعلی خلق عظیم ۔ بے شک آپ اخلاق کریمہ و عظیمہ کی معراج پر فائز ہیں"۔ اور کسی نے ضحیٰ سے اسلام کی ترقی اور عروج، اور لیل سے اس کا عکس مراد لیا ہے کہ یہی لیل و نہار ہمیشہ جاری رہیں گے خود حضور انور نے بھی فرمایا:۔ بدء الاسلام غریباً و سیعود غریباً کما بدء فطوبی للغرباء ۔ دین مقدس اسلام کا آغاز غریب الوطن اصحاب سے ہوا ہے اور آخر کار بھی انھیں غریب الوطن اصحاب میں رہ جائے گا جیسا کہ اس کا آغاز ہوا تھا۔ لہٰذا غریب الوطن اصحاب کے لئے کیا ہی بشارت ہے؟ ؎

حسنؓ ز بصرہ، بلالؓ از حبش، صہیبؓ از روم ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

ضحیٰ اور لیل کی عام تفسیر سورت سابق میں گزر چکی ہے اس کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔

ماودعك کی تفسیر مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى آپ کے پروردگار نے نہ تو آپ کو رخصت کر دیا اور چھوڑ دیا اور نہ ناراض یا بیزار ہوا" یعنی رات اور دن کا بدلنا کہ کبھی رات ہے اور کبھی دن۔ روزانہ ایسی تبدیلی ہوا کرتی ہے۔ اسمیں اللہ سبحانہ کی بے شمار حکمتیں ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی شمار نہیں کر سکتا چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمدا الی یوم القیامۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء افلا تسمعون قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدا الی یوم القیامۃ من الہ غیر اللہ یأتیکم بلیل تسکنون فیہ افلا تبصرون۔ آپ کہہ دیجئے کہ ذرا مجھے بتاؤ تو کہ اگر اللہ تم پر رات کو قیامت تک لگاتار مسلط کر دے تو اللہ کے سوا اور کوئی ہستی ہے جو تم پر دن کی روشنی لائے؟ پھر کیا تم سنتے نہیں۔ اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تم پر دن کو مسلط کر دے جو قیامت تک لگاتار دن ہی دن رہے تو اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے جو تم پر رات لاسکے؟ پھر تو کیا تم دیکھتے نہیں؟" ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنہار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون۔ یہ اسی کی عام مہربانی ہے کہ تمھارے لئے رات بھی بنائی اور دن بھی تاکہ رات میں

آرام پاؤ اور دن میں اس کے فضل کی تلاش کیا کرو تاکہ اس کے شکر گزار بنے رہو"
جیسا کہ رات دن کی اس تبدیلی کا تعلق اللہ سبحانہ کی رضامندی اور اس کی ناراضی
سے نہیں۔ اسی طرح وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رکھنا اور اس کو ملتوی کرنا بھی حق سبحانہ
تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ اس کی رضا اور عدم رضا کو اس سے کوئی تعلق نہیں
آپ کے پروردگار نے چند روز تک سلسلہ وحی کو موقوف و ملتوی رکھ کر نہ تو آپ کو
رخصت کر دیا اور نہ آپ سے بیزار ہوا۔ اللہ پاک کو جو محبت آپ کے ساتھ ہے وہ
بدستور قائم ہے بلکہ یوماً فیوماً اور آناً فاناً اس میں ترقی اور اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔
چنانچہ اس کے بعد کی آیات کریمہ سے واضح ہوگا ارشاد ہے:۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ 93-4 93-5
رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ اور البتہ آخرت کہیں بہتر ہے آپ کے لئے دنیا سے اور
آگے آپ کو دے گا آپ کا رب اتنا کہ آپ خوشنود اور رضامند ہو جائیں گے"

وللآخرۃ خیر لك کی تفسیر یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ یہ دنیا دار دنیائے فانی
کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کے پیغمبروں کو دنیائے دوروزہ کی اس فانی آرائش
و زیبائش سے کیا سروکار ہے۔ ان کی تعلیمات اور ہدایات تو آخرت کی فوز و
فلاح سے متعلق ہیں۔ اور یقیناً اے نبی کریم! آپ کے حق میں آخرت ہی اس دنیا کے

مقابلے میں کہیں بہتر اور پائدار ہے۔ اور آپ کے رب کریم نے اس کا فیصلہ فرما دیا اور اس کا ذمہ لے لیا ہے کہ فوز و فلاح آخرت آپ کے دم قدم سے وابستہ ہے۔ نہ صرف آپ کے حق میں بلکہ آپ کی تمام امتہ مرحومہ کے حق میں جو آپ کا کلمہ پڑھتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انا اھل بیت اختار اللّٰہ لنا الآخرۃ علی الدنیا۔ (ابن ابی شیبہ بغوی) ہم اس مبارک گھرانے سے ہیں جن کے لئے اللہ سبحانہ نے دنیا کے مقابلے میں آخرت ہی کو پسند فرما لیا ہے" چنانچہ لوائے حمد آپ کے دست مبارک میں دیا جانا' آپ کا باب شفاعت کو وا کرنا' مقام محمود آپ ہی کے لئے مختص ہونا جس پر اولین و آخرین کو غبطہ ہوگا' آپ کی امتہ مرحومہ کو تمام امم کا شاہد بنانا' ایسی بیسیوں خصوصیات و امتیازات ہیں جن سے آپ کا اختصاص' انبیاء علیہم السلام میں' اور آپ کی امتہ مرحومہ کا امتیاز دوسری امتوں سے واضح ہے۔

دوسری تفسیر و للاٰخرۃ خیرٌ لک من الاولیٰ کی تفسیر کے ضمن میں امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے یہ اس لئے کہ دنیا میں آپ میری سنتے رہے طاعت الٰہی میں مصروف رہے اور آخرت میں میں آپ کی سنتا رہوں گا یعنے آپ کی شفاعت سنی جائے گی۔

تیسری تفسیر نیز آیۂ کریمہ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں: ای الحالۃ الآخرۃ خیر لک من الاولیٰ ونہایۃ امرک خیر من بدایتہ یعنی لا تزال تتصاعد فی الرفعۃ والکمال۔ (مظہری)

یعنی ہر آخری حالت آپ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے۔ اور آپ کے ہر کام کا انجام اس کے آغاز کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ معراج رفعت وکمال پر آپ ہمیشہ گامزن رہ کر ہر ساعت اور ہر آن ترقی ہی کرتے رہیں گے۔ اور ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی ہر ساعت سے بہتر ہی ثابت ہوتی رہے گی۔ چنانچہ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ دعوت اسلام چند ضعفاء کے قبول اسلام سے شروع ہوئی تھی پھر اپنے اوج کمال پر پہنچ کر رہی کہ نہ صرف جزیرۃ العرب حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر نگیں آیا بلکہ اطراف کے ملوک وسلاطین کے نام فرامین مبارک جاری فرمائے گئے اور باقاعدہ طور پر دعوت اسلام دی گئی۔ عظیم قبط، عظیم روم، شاہ حبش، ملک بحرین، کسریٰ فارس وغیرہ جو اس وقت حکمراں تھے اور ان میں سے روم وفارس کے سلاطین جو خود کو ملک الملوک اور شہنشاہ سمجھتے تھے ان کو بھی آپ نے مخاطب فرمایا اور سب کے ساتھ بیک قلم ایک ہی طرز خطاب اختیار فرمایا گیا۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ اسلم تسلم۔

سلام ہے اس کو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اسلام قبول کرلو تو سلامت رہوگے"۔ مطلب یہ کہ اگر قبول اسلام سے گریز کیا گیا تو پھر تمھاری خیر نہیں۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ شاہ حبش مشرف باسلام ہوئے تو ان کا ملک محفوظ رہا۔ حضور اکرمؐ نے مسلمانوں کو آگاہ فرمادیا:۔ اترکوا الحبشۃ ما ترکوکم۔ اہل حبش جب تک تم کو اپنے حالت پے چھوڑے رکھیں تم بھی ان کو اپنے حال پر چھوڑے رکھو"۔ اس حکم اقدس کی تعمیل اب تک جاری ہے۔ حالانکہ نجاشی شاہ حبش کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں نے نصرانیت اختیار کرلی اور اب بھی وہاں کا حکمراں نصرانی ہی ہے مگر مسلمان خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر سلاطین بنی امیہ و خلفائے بنی عباس، خلفائے آل عثمان اور دوسرے حکمراں بادشاہوں نے بھی حبشہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حبش کو بھی کبھی مسلمانوں پر دست درازی کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ ہم ان سے اور وہ ہم سے محفوظ و مصئون ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔ رہے اطراف کے دوسرے پادشاہان اور خصوصاً روم اور فارس خلافت فاروقی ہی میں اسلامی خلافت کا ایک جزو بن کر رہ گئے۔ اور وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ کی پیشین گوئی اس اعتبار سے بھی پوری ہوئی۔ فللہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ۔

شانِ نزول حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرض علیّ ما ھو مفتوح لامتی بعدی فسرّنی فانزل اللہ وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ۔ (طبرانی، بیہقی) میری امت کے جو فتوحات میرے بعد ہونے والے ہیں وہ سب مجھ پر پیش کئے گئے جس سے مجھے مسرت و شادمانی حاصل ہوئی تو اس وقت اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی: وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ اور یقیناً آخرت آپ کے حق میں دنیا سے کہیں بہتر ہے" یعنی آپ کے خلفاء اور جانشینوں کو جو فتوحات ہونے والی ہیں اگرچہ یہ آپ کے لئے مسرت و شادمانی کی موجب ہیں لیکن بہرحال یہ بھی دنیا ہی ہے۔ دارِ آخرت کی مسرتوں اور شادمانیوں کا جو سامان آپ کے لئے مہیا کیا گیا ہے وہ دنیا اور اس کی کامیابیوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسرت و شادمانی کا یہ سلسلہ حضور انور کے حق میں کسی حد پر ختم ہونے والا نہیں۔ اوج و کمال کے جس درجہ پر بھی آپ فائز ہوں ترقی مدارج کی جولانگاہ آگے ہے۔ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم نگاہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ اور عنقریب آپ کا پروردگار

آپ کو دیا جائے گا اتنا کہ آپ اس سے راضی اور خوشنود ہو جائیں گے۔"

ولسوف یعطیك کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلا قول اللہ فی ابراھیم فمن تبعنی فانّہ منّی وقول عیسیٰ ان تعذّبھم فانّھم عبادك الآیۃ فرفع یدیہ وقال امّتی امّتی وبکی فقال اللہ یا جبریل اذھب الی محمد فقل لہ انا سنرضیك فی امتك ولا نسوءك۔ (صحیح مسلم) حضرت رسول اعظم وافخم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سبحانہ کا ارشاد جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہوا ہے فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانك غفور رحیم کی تلاوت فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً آپ اس کو بخشنے والے مہربان ہیں۔" اور اللہ سبحانہ کا ارشاد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہوا: ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم۔ اگر آپ ان کو (اے پروردگار من!) عذاب دیں تو وہ آپ ہی کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو یقیناً آپ بڑی ہی عزت والے حکمت والے ہیں۔" جب اس کو بھی تلاوت فرمایا تو آپ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور زاری کے ساتھ عرض کیا: امتی امتی۔ میری

تمام امت کو بخش دیجئے۔ میری تمام امت کو بخش دیجئے " اس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ جبرئیل! اسی وقت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اور ان کو یہ خوش خبری سنا دو کہ وہ وقت دور نہیں کہ ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو رضامند اور خوشنود کر دیں گے اور آپ کو کسی حال آزردہ خاطر نہ ہونے دینگے "

اہل بیت اطہار نار سے محفوظ ہیں

حضرت سیدنا ابن عباسؓ و لسوف یعطیك ربك فترضی کی تفسیر میں فرماتے ہیں: — من رضا محمد ان لا یدخل احد من اھل بیتہ النار۔ (بیہقی) حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی اور خوشنودی میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کے اہل بیت اطہار میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہونے پائے۔ ؎

خدایا بحق بنی فاطمہؑ — کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول — من و دست و دامان آل رسولؐ

امۃ مرحومہ سے بھی کوئی دوزخ میں نہ رہیگا

نیز حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت یہ بھی مروی ہے: — رضاہ ان تدخل امتہ الجنۃ کلھم۔ (بیہقی) آپ کی رضا و خوشنودی تو یہی ہوگی کہ آپ کی پوری امۃ مرحومہ جنت میں چلی جائے " ایک اور روایت بایں الفاظ آئی ہے: — لا یرضی

محمد واحد من امتہ فی النار۔ (خطیب بغدادی) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی راضی نہ ہوں گے درحالیکہ آپ کی امت مرحومہ کا ایک شخص بھی دوزخ میں رہے" یعنی سب کے سب بخش دیے جائیں گے۔ ؎

نماند بدوزخ کسے در گرو　　کہ دارد چنیں سید پیشرو

عطائے شفاعت چناں در دہند　　کہ امت تمامی ز دوزخ رہند

آیہ السوف یعطیك بہت ہی پرامید ہے

حضرت حرب بن شریحؒ فرماتے ہیں:۔ قلت لابی جعفر محمد بن علی بن الحسین ارأیت ھذہ الشفاعة التی یتحدث بھا اھل العراق احق ھی قال ای واللہ حدثنی عمی محمد بن الحنفیة عن علیؑ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اشفع لامتی حتی ینادینی ربی أرضیت یا محمد فاقول نعم یا رب رضیت ثم اقبل علیؑ فقال انکم تقولون یا معشر اھل العراق ان ارجی آیة فی کتاب اللہ یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا قلت انا لنقول ذلك قال فکلنا اھل البیت نقول ان ارجی آیة فی کتاب اللہ ولسوف یعطیك ربك فترضی وھی الشفاعة۔ (ابن المنذر ابن مردویہ ابونعیم) میں نے حضرت

امام جعفر صادقؑ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقرؑ بن حضرت امام علی زین العابدینؑ بن حضرت امام حسین علی جدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام سے عرض کیا کہ مسئلہ شفاعت جس کا ذکر اہل عراق اکثر کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ تو حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ بخدا ہاں (حق ہے)۔ مجھ سے میرے عم محترم حضرت محمد بن حنفیہ نے فرمایا وہ (اپنے والد ماجد) حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے روایت کرتے تھے کہ ان سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت مرحومہ کی شفاعت اس وقت تک کرتا رہوں گا کہ مجھے میرے پروردگار کے پاس سے ندا آئے گی کہ محمد! کیا آپ رضامند اور خوشنود ہو گئے؟ تو میں عرض کروں گا کہ ہاں میرے رب کریم! میں رضامند و خرسند ہو گیا۔ (حضرت حرب بن شریح) فرماتے ہیں کہ پھر (حضرت امام محمد باقرؑ نے) میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔ تم اے اہل عراق! آیۂ کریمہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کو سب سے زیادہ امید دلانے والی اور ڈھارس بندھانے والی آیت سمجھتے ہو جس میں ارشاد باری ہوا ہے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ سبحانہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ پاک تمھارے تمام گناہوں کو بخش دیگا یقیناً وہ خوب ہی بخشنے والا ہے، نہایت ہی مہربان ہے۔" میں نے

عرض کیا کہ ہاں واقعہ ایسا ہی ہے کہ اس آیۂ لا تقنطوا میں زیادہ تر امید دلائی گئی ہے۔ اس پر حضرت امام محمد باقر علی جدہ وعلیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ میں سب سے زیادہ امید دلائی گئی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اے نبی کریم! وہ وقت قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوشنود ہو جائیں گے۔" پھر فرمایا کہ یہی تو شفاعت ہے" جس کا وعدہ دیا جا چکا ہے۔

آیہ ولسوف یعطیك کا شان نزول

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی فرماتے ہیں:— دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فاطمۃ وھی تطحن بالرحیٰ وعلیھا کساء من لحمۃ الابل فلما نظر الیھا قال یا فاطمۃ تعجلی فتجرعی مرارۃ الدنیا لنعیم الآخرۃ غدا فانزل اللہ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ۔ (عسکری ابن مردویہ ابن لال ابن النجار)

حضرت رسول انس وجان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا علی ابیہا وعلیہا الصلاۃ والسلام کے ہاں تشریف لے گئے جبکہ آپ چکی پر آٹا پیس رہی تھیں اور اس وقت آپ ایک کمل جس کا تانا اونٹ کے بال کا تھا زیب تن فرمائی ہوئی تھیں۔ جب حضور انور کی نظر اطہر آپ پر پڑی تو فرمایا کہ نور بصر فاطمہ!

آج دنیا کی تلخی برداشت کرلو تو فردائے قیامت آخرت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی رہو گی۔ (کہتے ہیں کہ) اسی وقت آیہ کریمہ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ نازل ہوئی کہ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دیگا کہ آپ خوشنود ہو جائینگے۔" پھر اس کی تائید میں آیات ذیل نازل ہوئیں:—

93-6 93-7 93-8

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر جگہ دی اور پایا آپ کو (ہماری محبت میں) خود رفتہ پھر اپنی طرف راہ دی، اور پایا آپ کو حاجت مند پھر بے نیاز کرایا۔"

مطلب یہ کہ حیات دنیا میں آتے ہی آپ کو اہم سے اہم تر حالات سے سابقہ پڑا تو جب ہمارے بے پایاں الطاف و عنایات آپ کے ساتھ رہے ہیں تو عالم آخرت میں جہاں حیات جاوید حاصل رہے گی ہمارے کیا کیا الطاف خاصہ اور کیسی کیسی عنایات مخصوصہ آپ کے ساتھ ہوں گی ان کا اندازہ ان گزشتہ واقعات سے کرلیا جانا چاہیئے۔

حضور اکرمؐ کی یتیمی اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى۔ کیا (آپکے پروردگار رحمٰن اور رحیم نے) آپ کو یتیمی کی حالت میں نہ پایا۔ (ایسے عہد جاہلیت میں کہ

یتیموں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اگر یتیم کے باپ کی دولت ہوتی تو دوسرے اس کو غنیمت جان کر خود ہی ہضم کر جاتے) اس کے جوان ہونے اور مطالبہ کرنے سے پیشتر ہی سارا متروکہ ختم کر دیتے تھے تاکہ مطالبہ کی نوبت ہی نہ آسکے۔ اور کبھی اس میں سے کچھ مانگنے کو آیا تو اس کو دھکے دیکر نکال دیتے تھے۔ قانون بنا رکھا تھا کہ باپ کے متروکہ سے وہی بیٹا حصہ پا سکتا ہے جو تلوار باندھکر دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ یتیم (یعنی متوفی باپ کا نابالغ لڑکا) اپنے باپ کے متروکہ سے کچھ بھی پانے کا حقدار نہیں سمجھا جاتا تھا) ایسے دور میں آپ کے پروردگار نے آپ کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی۔

حضور انور یتیم پیدا ہوئے تھے کون نہیں جانتا کہ حضور دوجہاں سرور انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہ اپنی مادر مہرباں کے رحم ہی میں جلوہ گر تھے۔ اور مدت حمل کے دو مہینے ہی گزرنے پائے تھے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کو عین شباب میں سفر آخرت درپیش ہوا۔ آپ یتیم پیدا ہوئے۔ پھر آپ کی عمر شریف کے چھ[۶] سال بھی گزرنے نہ پائے کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اس جہاں سے تشریف لے گئیں۔ ولادت باسعادت کی تاریخ ہی سے اللہ سبحانہٗ نے آپ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب کو آپ پر ایسا شفیق و مہربان بنا دیا کہ ہر طرح

آپ کی کفالت فرماتے رہے۔ اور آپ کو دیکھ کر اپنے نوجوان فرزند کا غم دل سے دور کر دیا۔ ابھی آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ جد امجد بھی رخصت ہو گئے اور آپکو اپنے نادار اور عیال دار فرزند ابو طالب کے سپرد فرما گئے۔ یہ مسلسل حوادث اور جاں گسل واقعات ہیں جو شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔ حضرت ابو طالب کو آپ کے ساتھ کچھ ایسی محبت تھی کہ اپنے فرزندوں اور اولاد کی بھی ان کو کوئی پرواہ نہ تھی۔ کمال ہمت و پامردی سے حضور انور کی پرداخت میں مشغول رہے۔ تجارت وغیرہ کے سلسلے میں کوئی سفر درپیش ہوتا تو اس حالت میں بھی حضور کو خود سے جدا نہ ہونے دیتے بلکہ ساتھ لے جاتے۔ بہرحال اس عہد جاہلیت میں جد امجد اور عم محترم کی یہ شفقت و پرداخت، اللہ سبحانہ کی عنایات اور الطاف نہیں تو اور کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ اسی کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ آپکے پروردگار نے کیا آپ کو بحالت یتیمی نہ پایا پھر آپ کو پناہ دی ایسی گودیوں میں جن کی نظیر نہیں مل سکتی خصوصاً اس جاہلیت کے دور میں جبکہ یتیموں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

شفیق چچا ابو طالب کی شفقت

حضرت ابو طالب کا بیان ہے کہ حضور انور سے طفولیت کے عالم میں ایسے امور عجیبہ ظہور پذیر ہوتے تھے جو اس ننھی سی عمر میں کسی بچے سے کبھی دیکھنے میں نہ آئے۔ چنانچہ ایک دن

انھوں نے اپنے بھائی حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ جب سے میں نے محمدؐ کو اپنی کفالت میں لیا ہے خود سے کبھی جدا نہیں کیا۔ ایک رات ان کو اپنے بستر پر سلاتے ہوئے یہ کہا کہ جان من! (گرمی سخت ہے) اگر تم اپنے کپڑے اتار کر میرے ساتھ آرام کرتے تو مناسب ہوتا۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سنتے ہی ان کے چہرے پر کراہت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ساتھ ہی میری توقیر کے خیال سے یوں کہا کہ چچا جان! اگر آپ میری طرف پیٹھ کر کے آرام کریں تو مناسب ہوگا تاکہ میرا بدن آپ دیکھنے نہ پائیں۔ بچے کی ان دونوں باتوں سے میں بہت متاثر ہوا اور ان کی طرف پیٹھ کر کے ہی سو رہا۔ ان کے سو جانے کے بعد میں نے ٹٹول کر دیکھا تو میرے اور ان کے درمیان نہایت ہی نرم و نازک مہین حجاب حائل ہے اور مشک کی خوشبو اس سے مہک رہی ہے گویا کہ اس کپڑے کو مشک میں بسایا گیا ہے۔ اسی حالت میں ان کو دیکھنا چاہا مگر ان کا بدن مجھے دکھائی نہ دیا۔ نیز بارہا ایسا ہوتا کہ میں بچے کو اپنے پاس نہ پاتا۔ بے چین ہو کر آواز دیتا تو جواب ملتا کہ چچا جان! میں یہاں ہوں۔ پھر میں ان کے پاس پہنچ جاتا۔ بڑی رات کو بسا اوقات مجھے ان کی عجیب عجیب باتیں سننے کا اتفاق ہوتا۔ ہم کھانا کھاتے تو بسم اللہ کہنا ہم کو معلوم نہ تھا۔ اور نہ فارغ ہونے پر کلمہ حمد کہنا جانتے تھے۔ مگر ان کو دیکھتا کہ

بسم اللہ الاحد کہہ کر کھانا شروع کرتے اور فارغ ہوتے تو الحمد للہ کہا کرتے لڑکپن ہی سے کوئی جھوٹ بات، یا ہنسی مذاق، یا جاہلیت کی کوئی حرکت دیکھنے سننے میں نہ آئی۔ دوسرے بچے کھیلتے رہتے ان کو کبھی ان کے ساتھ شریک رہتے ہوئے نہ دیکھا۔ مجھے اس بچے کی ایک ایک بات پر تعجب ہی رہا کرتا ہے۔" (روح المعانی)

یتیم کی دوسری تفسیر علامہ زمخشری لکھتے ہیں: ان یتیما من قولھم درۃ یتیمۃ والمعنی الم یجدک واحدا فی قریش عدیم النظیر فآواک۔ (کشاف) یہاں کلمۂ یتیم محاورۂ عرب درۃ یتیمۃ سے ماخوذ ہے (یعنی گوہر نایاب جس کا ثانی نہیں)۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ الم یجدک یتیما فآوی کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کے پروردگار نے کیا آپ کو قریش میں بے نظیر دیکھتا نہیں پایا پھر آپ کو (مناسب حال ٹھکانے میں) جگہ دی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: والاولی علیہ ان یقال الم یجدک واحدا عدیم النظیر فی الخلیقۃ لم یحو مثلک صدف الامکان فآواک الیہ وجعلک فی حق اصطفائہ" اس محاورے کے مدنظر یوں کہنا اولیٰ و انسب تھا کہ آپ کے پروردگار نے کیا آپ کو (نہ صرف قریش بلکہ) ساری کائنات میں یکتا و بے نظیر نہ پایا کہ آپ جیسا درّ یتیم صدف امکان میں بھی

کہیں جائے گیر نہ ہو سکا تھا پھر آپ کو اپنے ہاں جگہ دی اور آپ کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی کا مظہر بنایا۔

ووجدک ضالاً کی تفسیر وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ اور آپ کو خود رفتہ پایا پھر راہ دکھائی۔ حضرت حبرالامۃ ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

وجدک بین ضالین فاستنقذک من ضلالتھم ۔ (ابن مردویہ)

اور آپ کو پایا درمیان گمراہوں کے، پھر آپ کو ان کی گمراہیوں سے بچا کر ان میں سے الگ نکال لیا۔ کہ ان کی جہالت اور ضلالت کا کوئی اثر آپ پر نہ ہونے پایا بلکہ آپ کی ذات ستودہ صفات کو ان کا ہادی اور رہنما بنایا کہ آخر کار ساری قوم عرب جہالت اور ضلالت سے نکل کر راہ ہدایت پر گامزن ہو گئی اور تمام عالم کی معلم اور رہنما ثابت ہوئی۔ وللہ الحمد۔ اس اعتبار سے ضالاً قوم عرب کی صفت ہو گی نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ محاورۂ عرب ہے :۔ یقال رجل ضعیف اذا کان قومہ ضعیفا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں کمزور شخص ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کہ اس کی قوم ضعیف اور کمزور ہو۔ اور اگر ضالاً کو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت قرار دیا جائے تو آپ کی کم سنی کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ مقصود ہو گا۔

طفولیت کا ایک واقعہ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے:۔ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضلّ فی شعاب مکّۃ فی حال صباہ وکان عبد المطلب یطلبہ ویقول متعلّقا باستار الکعبۃ ؎

یارِبّ فاردد ولدی محمّدا ۔۔۔ ارددہ الیّ واصطنع عندی یدا

فوجدہ ابوجہل فردّہ الی عبد المطلب فمنّ اللہ علیہ حیث خلّصہ علی یدی عدوّہ فکان فی ذلک نظیر موسیٰ علیہ السلام حین التقط فرعون تابوتہ لیکون لہم عدوّا وحزنا۔ (روح البیان) حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ کم سنی میں مکہ کی گھاٹیوں میں راستہ بھول گئے۔ اور آپ کے جدامجد حضرت عبد المطلب آپ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ بالآخر کعبۃ اللہ شریف کے پردے پکڑ کر یہ دعائیہ شعر پڑھے جاتے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) اے میرے پروردگار! میرے فرزند محمدؐ کو میرے پاس جلد پہنچا دیجئے۔ اور مجھ پر (جہاں آپ کے بے شمار احسانات ہیں) یہ احسان عظیم بھی فرمائیے "۔ خدا کی قدرت کہ آپ کو ابوجہل نے پالیا اور آپ کو حضرت عبد المطلب کے پاس پہنچا دیا۔ یہاں اسی احسان عظیم کو منّت کے طور پر یاد دلایا جا رہا ہے کہ آپ کو آپ ہی کے ایک دشمن کے ہاتھوں اس پریشانی سے نجات دلائی۔ جیسا کہ موسیٰؑ کو فرعون جیسے کٹر دشمن کے ہاتھوں نجات

دلائی تھی جب کہ فرعون نے آپ کے تابوت کو دریائے نیل سے نکلوایا تھا تاکہ آئندہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی دشمن قرار پائے اور حضرت موسیٰ فرعون کے حق میں حزن وملال کا سبب ثابت ہوں۔" یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت دایہ حلیمہؓ نے مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد حضورؐ کو آپ کے گھر پہنچا دیا تھا۔

حضور کے سفر شام کا ایک واقعہ

اسی طرح ایک اور واقعہ پیش آیا جب کہ حضرت خدیجہؓ کا تجارتی قافلہ اپنے غلام میسرہ نامی کی قیادت میں ملک شام روانہ ہوا تھا حضورؐ کے شفیق چچا ابو طالبؓ بھی اس میں شریک تھے اور کمال شفقت ہی کی بناء پر حضور انورؐ کو باوجود کم سنی کے بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا کیونکہ ان کو حضور کی جدائی ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ تھی۔ چنانچہ قدوۃ التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں:۔ خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع عمہ ابی طالب فی قافلۃ میسرۃ غلام خدیجۃ فبینما ھو راکب ذات لیلۃ ظلماء ناقۃ جاء ابلیس فاخذ بزمام الناقۃ فعدل بہ عن الطریق فجاء جبرئیل فنفخ ابلیس نفخۃ وقع منھا الی الحبش وردہ الی القافلۃ۔ (مظہری) حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شفیق چچا ابو طالب کے ساتھ ایک تجارتی قافلہ میں شریک تھے جو ملکۃ التجار حضرت خدیجہ کے

غلام میسرہ کی سرکردگی میں (شام کی طرف) جا رہا تھا۔ اور حضور ایک اونٹنی پر سوار تھے۔ اسی اثناء میں اتفاق ایسا ہوا کہ رات کی سخت تاریکی میں ابلیس لعین آیا اور اونٹنی کی نکیل پکڑ کر سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی اور طرف لیجانا شروع کیا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور ابلیس پر ایک پھونک لگائی۔ پھر کیا تھا کہ ابلیس وہاں سے اڑ کر ملک حبش میں جا گرا اور حضور انور کو قافلہ میں پہنچا دیا۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کم سنی کے عالم میں بھی آپ کا پروردگار کردگار جب ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اب جبکہ آپ منصب نبوت ورسالت سے ممتاز ہیں آپ کو چھوڑ دے اور آپ سے ناراض ہو جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا

ضالاً کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے آیۂ کریمہ ووجدك ضالا فهدیٰ کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے:۔ وجدك ضالا لنفسك لا تدری من انت (مظہری) آپ کے پروردگار نے آپ کو آپ کی ذات ستودہ صفات ہی کے بارے میں بے خبر پایا آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حقیقت میں آپ کی کیا شان ہے؟ اور مدارج اوج وکمال میں آپ کی منزلت کیسی بلند ترین ہے کہ پوری کائنات میں کوئی بھی آپ کی معراج کمال اور علو مرتبت تک رسائی نہیں پا سکتا۔

صوفیہ کرام کا قول بعض صوفیائے کرام نے فرمایا:۔ معناہ وجدك

محبا عاشقا مغرطا فی المحبۃ والعشق یکنی باتصال لاستلزام السکر غالبا والسکران یغلط الطریق غالبا۔ آیہ کریمہ ووجدك ضالا کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو ہمارا احد درجہ محب عاشق پایا جو ہماری محبت و عشق میں مستغرق ہیں۔ بالفاظ دیگر ہمارا وصال آپ کو مطلوب ہے کیونکہ ایسی کیفیت عموماً بحالت بیخودی ہوتی ہے اور عام طور پر از خود رفتہ اکثر اپنے جادہ پر قایم نہیں رہ سکتا۔

فھدیٰ کی تفسیر فھدیٰ۔ ایسی نازک حالت میں بھی آپ کو آپکے پروردگار نے راہ ہدایت پر برقرار رکھا اور آپ کے قدم کو اس سے ہٹنے نہ دیا تو اب کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ کو رخصت کردے اور بیزار ہو جائے خدا کی پناہ۔ یا یہ کہ مکہ کی گھاٹیوں میں سرگشتہ ہونے کے بعد آپ کو اپنے جد امجد کے پاس پہنچا دیا۔ یا شام کے قافلہ سے دور جانے کے بعد اس سے ملا دیا۔ یا یہ کہ آپ کی شان کیا ہے خود آپ کو معلوم نہ تھی پھر اس کی معرفت عطا فرمائی۔ اور ظاہر ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس کو اپنی آپ معرفت حاصل ہوگئی اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کر لی۔ یا یہ معالم دین سے ناواقف تھے تو آپ کو پوری طرح واقف کرا دیا۔ یا یہ کہ وصال محبوب حقیقی کی راہ ڈھونڈھتے تھے اس سے آپ کو بہرہ ور کر دیا جیسا کہ ارشاد ہوا:۔

فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر سورہ نجم میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

غرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ مذکور الصدر واقعات حضورؐ کی طفولیت اور کم سنی کے تھے۔ جب آپؐ شباب کو پہنچے تو قریش کو دیکھا کہ گمراہی کی انتہائی پستی کو پہنچے ہوئے ہیں اور قعر مذلت میں گرے ہوئے، پتھروں کو پوجتے ہیں اور ان کو اپنے ہی ہاتھوں سے تراش کر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے اور ان کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ قتل، غارت گری، شراب نوشی، فاحشہ گری، جھوٹ، بہتان تراشی، ظلم و ایذا رسانی۔ غرض کوئی مذمت ایسی نہ تھی جس میں یہ ڈوبے ہوئے نہ تھے۔ پھر کمال یہ کہ اپنے خطبات اور اشعار میں اپنی ان برائیوں کو بھرے مجالس میں فخریہ پیش کرتے ہوئے بھی شرماتے نہ تھے۔ پھر لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے۔ عورتوں اور یتیموں کا ان کے باپ کے متروکہ میں کوئی حق نہ تھا۔ علاتی مائیں متروکہ کی طرح جوان بیٹوں میں تقسیم کر لی جاتی تھیں غرض عقائد، عبادات، اعمال، معاملات اور اخلاق کے لحاظ سے کوئی برائی ایسی نہ تھی جو قریش بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں موجود نہ تھی۔ ان کے اطراف جو ممالک اور اقوام تھیں ان کے حالات ان سے بھی زیادہ بگڑے ہوئے تھے ان

حالات اور واقعات کا مشاہدہ فرماتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے متنفر اور خود کو ان سے الگ رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ ان خرابیوں کو کس طرح دور کیا جائے اور کیوں کر ان کی اصلاح ہو؟ اسی فکر میں مستغرق رہ کر غارِ حرا میں آپ چلہ کشی فرماتے اور اسی دُھن میں آپ کے لیل و نہار گزرتے رہتے تھے۔ اسی مضمون کی طرف اس آیہ کریمہ میں اشارہ فرمایا جارہا ہے:۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ اور (آپ کے پروردگار نے) آپ کو از خود رفتہ پایا پھر رہنمائی فرمائی" از خود رفتہ ہونا اس اعتبار سے کہ ہدایت اور اصلاح کی کوئی تدبیر سوجھتی نہ تھی۔ اسی طرح سورۂ یوسف کے آغاز میں ارشاد ہوا:۔ وان کنت من قبلہ لمن الغافلین اگرچہ آپ اس نزولِ قرآن سے پہلے ناواقفوں میں تھے"۔ بہرحال ضآلًّا کے معنی یہاں ناواقف، متحیر، از خود رفتہ کے اسی طرح ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والدِ بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت کہا تھا:۔ ان ابانا لفی ضلال مبین ۔ بے شک ہمارے ابا جان کھلے طور پر یوسف کی محبت میں از خود رفتہ ہیں"۔ ایک وقت یوں خطاب کیا:۔ انک لفی ضلالک القدیم ۔ بے شک آپ وہی پرانی محبت میں گرفتار ہیں"۔ نیز زنانِ مصر نے زلیخا کے باب میں کہا تھا:۔ انا لنراھا فی ضلال مبین۔

یقیناً ہم عزیز مصر کی بی بی کو کھلے طور پر یوسفؑ کی گرویدہ خیال کرتی ہیں"

حضور کی نسبت علم ازلی میں فیصلہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے علم قدیم اور علم ازلی کے مطابق یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں اس قوم کی بلکہ جملہ اقوام عالم کی اصلاح اس طریق پر ہو کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام نامی روشن رہے۔ چنانچہ قرآن کریم کو نازل فرما کر اصلاح حالات کے جملہ طور طریقے سمجھا دیئے گئے۔ اور (۲۳) سال کی مختصر سی مدت میں پورا جزیرۃ العرب آپ کے قدموں پر نثار ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ پھر (۳۰) سال کی مدت خلافت راشدہ میں دین اسلام کو وہ قوت و استحکام بخشا گیا کہ اگر اس کے خلاف سارا عالم بھی اٹھ کھڑا ہو تو کسی کی ایک نہ چل سکے۔ فالحمد للہ علی احسانہ وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ۔ ورضی اللہ عنہم وارضاہم عنا۔ آمین۔

ووجدك عائلاً کی تفسیر وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى۔ اور پایا آپ کو حاجت مند پھر بے نیاز کر دیا" احتیاج اور تونگری بھی کئی طرح ہے۔ ایک باعتبار مال و دولت کے۔ جیسا کہ حضرت سفیان ثوریؒ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:۔ ووجدك فقيرا فاغنى وذكرا نها فى مصحف ابن مسعود ووجدك عديما۔ (ابن جریر) اور آپ کو آپ کے پروردگار نے حاجت مند

پایا پھر آپ کو بے نیاز کر دیا۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں (بطور تفسیر) یوں لکھا تھا کہ آپ کو نادار پایا" اس کی تائید حضرت سلیمان اعمش کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:۔ قال قراءۃ ابن مسعود ووجدک عدیما فاغنیٰ (ابن الانباری) حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہی یوں تھی کہ آپ کو نادار پایا پھر آپ کو بے نیاز کر دیا" وہ اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کے شریک تجارت ہونے کے بعد آپ نے ملک شام کا جو سفر اختیار فرمایا اس میں بڑی خیر و برکت رہی۔ آپ کو اور حضرت خدیجہ کو معقول منافع حاصل ہوئے پھر کمال امانت داری سے پائی پائی رتی رتی کا حساب جو آپ نے بتا دیا تو حضرت خدیجہؓ اس پر بہت خوش ہو گئیں۔ اور ان ہی صفات حسنہ سے متاثر ہو کر اپنا پیام دیا تو عقد میمنت عہد کے بعد ام المومنین سیدتنا خدیجہؓ نے اپنی تمام دولت آپ کے قدموں پر نثار فرما دی نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بہت مالدار تھے جس کا بیان سورت ما سبق کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکا ہے اور حضرت صدیقؓ نے اپنی تمام دولت خدمت اقدس میں پیش کر دی۔ ارشاد ہوا کہ ابوبکر! تم نے گھر میں کیا چھوڑا؟ تو عرض کیا:۔

ترکت اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے اپنے اہل و عیال کیلئے اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ رکھا ہے۔

فاغنیٰ کی تفسیر | حضرت مقاتل فرماتے ہیں :۔ اغنی قلبك فارضاك بما اعطاك من الرزق اللہ سبحانہ نے آپ کے قلب مبارک کو بے نیاز بنا دیا بے نیازی کی یہ صفت حسنہ جو آپ کو عطا ہوئی تو آپ کو ہر طرح کی سہولت حاصل ہوگئی۔" امام ادب حضرت فرار نے اسی تفسیر کو پسند کیا اور فرمایا :۔ لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غنیا بکثرۃ المال و العرض لکن الغنی غنی النفس۔ حضرت نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کثرت مال و متاع کے اعتبار سے غنی نہ تھے لیکن آپ کی غنا غناء ذاتی تھی" آپ کے قلب شریف کو وہ بے نیازی بخشی گئی تھی کہ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کی آپ کو حاجت نہ تھی۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے :۔ تونگری بدل است نہ بمال ۔ اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جب کہ آپ طائف کے سفر سے واپس ہو رہے تھے اور طائف والوں نے شریر لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تھا اور ان لونڈوں نے آپ پر پتھر برسانا شروع کر دیا جس سے آپ کے قدم مبارک لہولہان ہوگئے۔ نعلین شریف اتارنا چاہتے ہیں تو ان میں خون جم جانے کی وجہ سے وہ نکل نہیں سکتے تھے۔ اس موقع پر ملک الجبال نے رب العزت کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پیام پہنچایا کہ اگر آپ حکم دیتے ہیں تو طائف کی ان پہاڑیوں کو

آپس میں ٹکرا دوں جن میں یہ تمام کفار طائف پس کر ہلاک ہو جائیں۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو سونے کے پہاڑ بنا دیا جائے جس کو دیکھ کر مکہ کے کفار آپ کے آگے دم نہ مار سکیں۔ اس پر حضور رحمۃ للعالمین نے ارشاد فرمایا کہ اگر کفار طائف میری دعوت قبول نہیں کرتے ہیں تو مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد ضرور میری دعوت قبول کرے گی۔ اور اگر کفار مکہ میرے ظاہری فقر کی بنا پر مضحکہ اڑاتے ہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں میں تو یہی چاہتا ہوں کہ جس دن کچھ میسر ہو تو اس پر شکر الٰہی بجا لاؤں اور اگر کچھ نہ ملے تو صبر کروں۔ علامہ بوصیریؒ نے اس مضمون کو کیا خوب ادا فرمایا ہے

وراودته الجبال الشم عن ذهب ... عن نفسه فأراها أيما شمم

اور بلند بلند پہاڑوں نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ ہم آپ کے لئے زرِ خالص یعنی سونے کے پہاڑ ہو جاتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رفعت ذاتی اور علو ہمتی سے کمال استغنا کے جوہر دکھائے اور ان کی طرف التفات تک نہ فرمایا۔"

قریش کی ایک التجا اسی طرح اعیان قریش نے بھی ایک دفعہ باہم مشورہ کرکے آپ کے شفیق چچا ابوطالب سے التجا کی کہ آپ اپنے بھتیجے سے فرمائیں کہ اگر آپ چاہیں تو عرب کی نوجوان حسین ترین دوشیزہ کو آپ کے عقد نکاح میں دے دیں۔ اور اگر حکومت کی خواہش ہے تو تمام قبائل عرب آپ کی حکومت کو تسلیم کرلیں اور اگر دولت کی طلب ہے تو آپ کے لئے مال و دولت کے انبار لگادیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے بتوں کی نسبت کچھ نہ فرمائیں۔ اس کے جواب میں حضور اقدسؐ نے فرمایا۔ چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج کو لاکر رکھ دیں تب بھی میں دعوت الی اللہ سے باز نہ آؤں گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

93-9 فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ 93-10 وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝
93-11 وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ پس جو یتیم ہو اس کو نہ ڈانٹنا، اور جو
مانگتا ہو اس کو نہ جھڑکنا، اور جو احسان ہے آپ کے پروردگار کا، اس کو بیان کرتے رہنا"

فاما الیتیم کی تفسیر مطلب یہ کہ یتیمی کا دور، اے نبی کریم! آپ پر گزر چکا ہے۔ آپ کا کوئی ٹھکانا نہ تھا جاہلیت کے رسوم کے مطابق، جو اوپر بیان ہوئے۔ مگر آپ کے پروردگار رحیم و کریم نے آپ کے لئے بہترین ٹھکانا دیا جس سے بہتر اور کوئی

ٹھکانا اس دور میں متصور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا شکرانہ یہ ہے کہ آیندہ آپ کسی یتیم کو کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہ فرمائیں۔ امام نحو فراء و زجاج نے فلا تقھر کے بعد علیٰ ما لہ محذوف مانا ہے۔ یعنی یتیم کے مال پر دست درازی نہ کیجئے۔ جیسا کہ اُس عہد کے لوگوں کا عام دستور تھا اس اعتبار سے یہ حکم امۃ کے لئے ہوگا۔ چنانچہ ان ائمہ نے یہ بھی فرمایا:۔ نھی للامّۃ وان کان خطاباً لہ لشرفہ۔ دراصل یہ ممانعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امۃ مرحومہ کو فرمائی جارہی ہے اگرچہ آپ کے شرف و مجد کے مدنظر روئے سخن حضور انورؐ کی طرف ہے۔" کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ایسا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کو کسی یتیم کے مال پر دست درازی کرنے کا خیال بھی آیا ہوگا۔ یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ قھر کے معنی "غلبہ" کے ہیں۔

فلا تقھر کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فلا تقھر کی تفسیر میں فرمایا:۔ لا تحقرہ و ذکر ان فی مصحف عبد اللہ فلا تکھر۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی یتیم کو حقیر نہ جانئے آپ نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کے مصحف میں فلا تقھر کی جگہ فلا تکھر لکھا ہے۔ جس کے معنی حقیر جاننے کے ہیں۔" گویا یہ فلا تقھر کی تفسیر ہے۔ نیز مجاہد نے یہ بھی فرمایا:۔ فلا تظلم۔ (ابن ابی حاتم) یعنی یتیم پر ظلم نہ ہونے پائے۔" اس کی تائید حضرت قتادہ کی تفسیر سے ہوتی ہے جس میں

انھوں نے فرمایا :— لا تظلمہ ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی یتیم پر ظلم نہ ہونے دیجیے ۔" اور یہ بھی فرمایا :— کن للیتیم کاب رحیم (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی یتیم کے حق میں آپ وہ طریقہ اختیار فرمائیں جیسا کہ شفیق باپ کا طرز رہتا ہے ۔" حقیقت یہ ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں کہ آپ نے یتیموں کے باب میں جو ہدایات فرمائی ہیں وہ اسی کی آئینہ دار ہیں کہ شفیق باپ سے بھی زیادہ حسن سلوک یتیم کے ساتھ ہونا چاہیے ۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :— خیر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ وشر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یساء الیہ ۔ (بغوی، بخاری فی الادب، ابن ماجہ، ابونعیم) مسلمانوں کے گھروں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو ۔ اور مسلمانوں کا سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو ۔" حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید الانس والجان علیہ صلوات الرحمان نے ارشاد فرمایا :— من مسح علی رأس یتیم کان لہ بکل شعرۃ تمر علیھا نور یوم القیامۃ ۔ جس کسی نے

یتیم کے سر پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرا تو اس کے ہر ہر بال کے بدلے میں قیامت کے دن اس کو ایک ایک نور عطا ہوگا"۔ جس کی روشنی میں وہ سیدھا جنت میں جا داخل ہوگا۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ ان الیتیم اذا بکی اھتز لبکائہ عرش الرحمٰن فیقول اللّٰہ تعالیٰ للملائکتہ یاملائکتی من ابکی ھذا الیتیم الذی غیب ابوہ فی التراب فیقول الملائکۃ انت اعلم فیقول اللّٰہ تعالیٰ یاملائکتی انی اشھدکم انّ علیّ لمن اسکتہ و ارضاہ ان ارضیہ یوم القیامۃ۔ یقین جانو کہ جب یتیم روتا ہے تو اس کے رونے سے عرش الرحمٰن لرزنے لگتا ہے پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں سے ارشاد ہوتا ہے۔ اے میرے مقرب فرشتو! اس یتیم کو کس نے رلایا جس کا باپ مٹی میں چھپا دیا گیا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں (ہم کیا بتائیں کہ کس نے رلایا) آپ ہی بخوبی جانتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے مقرب فرشتو! میں تم سب کو گواہ کرتا ہوں کہ جو کوئی اس یتیم کو دلاسا دے اور اس کو خوش کردے قیامت کے دن اس کو خوشنود کرنا ہمارے ذمہ ہے"۔ ؎

الا تا نہ گرید کہ عرش عظیم بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم
خبردار رونے نہ پائے یتیم لرز جائے گا اس سے عرش عظیم

یتیم کے ساتھ حضرت عمرؓ کا سلوک

راوی کا بیان ہے: ۔ فکان عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ اذا رأی یتیما مسح رأسہ واعطاہ شیئا۔ روایت صدر کے بیان فرمانے کے بعد حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت میں یہ بات داخل ہوگئی تھی کہ آپ جس کسی یتیم کو دیکھ لیتے تو اس کے سر پر دست شفقت پھیرتے اور اس کو کچھ نہ کچھ دیتے۔ اور دیکر رخصت کرتے" اس کے علاوہ حدیث شریف انا وکافل الیتیم کھاتین۔ اسی سورت شریفہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اور بھی بہت احادیث شریفہ ہیں۔

طالب علم بھی یتیم ہے

بعض مفسرین کرام نے یتیم سے طالب علم بھی مراد لیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر ہے۔ ؎

لیس الیتیم الذی قد مات والدہ   انّ الیتیم یتیم العقل والحسب

یتیم صرف وہی نہیں ہے جس کا باپ مرگیا ہو۔ بلکہ وہ بھی یتیم ہے جو عقل وعلم اور ذریعہ معاش سے دور ہو" اس اعتبار سے طالب علم جو علم دین کی طلب میں نکلا ہو وہ بھی آیۂ کریمہ کے مفہوم میں داخل ہو گا۔ اس کی تحقیر و تذلیل بھی نہ ہونی چاہیے بلکہ علم کا مسئلہ قابل فہم طریقہ سے اس کو سمجھا دینا چاہیے۔

واما السائل کی تفسیر

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ رہا مانگنے والا اس کو

کبھی نہیں جھڑکنا۔ یہ حکم مبنی ہے وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى پر۔ یعنی اے نبی کریم! آپ پر ایک وقت ایسا آچکا ہے کہ آپ کے ہاں کچھ نہ تھا۔ پھر عنایات والطافِ الٰہی کی آپ پر وہ بارش ہوئی کہ آپ ہر طرح بے نیاز ہوگئے۔ تجارت میں نفع عظیم کی وجہ سے۔ یا ام المومنین حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال کی وجہ سے جنھوں نے اپنا تمام مال ومتاع آپ کے حوالہ فرمادیا تھا۔ یا حضرت صدیق اکبر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال کی بدولت جس کو انھوں نے آپ کے قدموں پر نثار کردیا تھا۔ یا غنا و بے نیازی جو آپ کے قلب اطہر میں ودیعت فرمادی گئی تھی جس کے بعد آپ کو قریش کی بتائی ہوئی پیشکش، یا ملک الجبال کی تقریر جس کے ذریعہ اطراف کے تمام پہاڑوں کو سونے کے پہاڑ بنادینے کی خوشخبری سنائی گئی تھی مگر آپ نے کمال استغنا سے اپنی بے نیازی کا اظہار فرمادیا تھا۔ اس کا اقتضا یہ ہے کہ جب کوئی نادار آپ کے پاس مانگنے کو آئے تو اس کو جھڑک دینا نہ چاہیے۔ تفضل علیہ بشیئ اور دّہ بقول جمیل۔ اگر کچھ موجود ہے تو اس سے تواضع کرو۔ اور بصورت ثانی اس کو نرمی سے جواب دیکر ٹال دو۔ یہاں بھی اہل مخاطب اس نبی کی امت مرحومہ ہوگی۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی توقع ہی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ سیرت شریفہ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہیں کہ سائل کو آپ نے اس کی توقع سے

بہت زیادہ مرحمت فرمایا ہے۔ اتنا زیادہ کہ اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے :۔

قدجاء اعرابی ان التمس الندیٰ اعطاہ شاء ضمۃ الجبلان

ایک اعرابی نے ایک وقت حاضر ہو کر کچھ دینے کے لئے معروضہ کیا تو آپ نے اس کو بھیڑ بکریوں کا اتنا بڑا گلہ دے ڈالا جس سے دو پہاڑیوں کے درمیان کا میدان پٹ گیا تھا۔" نیز ایسا بھی ہوا کہ کبھی آپ کے پاس کچھ نہ تھا تو سائل سے فرما دیا کہ تم کہیں سے مبادلہ لے لو۔ ہم اس کی ادائی کر دیں گے۔

شانِ نزول کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگور کا ایک خوشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں تحفۃً گزرانا۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ حضور نے وہ تحفہ سائل کو مرحمت فرمایا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو سائل سے خرید کر دوبارہ خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ پھر وہی سائل آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اس کو عنایت فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر اس کو خرید کر تیسری دفعہ حضور کے نذر کیا۔ پھر وہ سائل آیا۔ اس پر حضورؐ اقدس نے سائل سے فرمایا :۔ اسائل انت یا فلان ام تاجر۔ اے شخص ! تو سائل ہے یا تجارت پیشہ ہے ؟ آپ نے یہ استفسار بکمال ملاطفت' نرمی کے ساتھ فرمایا تھا۔ ناراض ہو کر

نہیں دریافت فرمایا۔ کہتے ہیں کہ آیۂ کریمہ و اما السائل فلا تنھر اسی موقع پر نازل ہوئی۔ (روح البیان) مشہور حدیث ہے :۔ للسائل حق ولو جاء علی فرس مانگنے والے کا بھی حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر آیا ہو۔" یہ اس بنا پر ہے کہ آج تم دینے کے قابل ہو تو اس پر شکر کرو اور سائل کو کچھ نہ کچھ دیدو۔ مبادا کہ کل کسی اور کے در پر جانا پڑے۔ ؎

نہ خواہندۂ بر درِ دیگراں بشکرانہ خواہندہ از درمراں

سائلین دارآخرت کے حمال ہیں

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔ السائل برید الآخرۃ یجیئ الی باب احدکم فیقول اتبعثون الی اھلیکم بشیئ۔ سوال کرنے والا دار آخرت کا مسافر ہے تم میں سے کسی کے دروازے آکر یہ کہتا ہے کہ (بھائیو!) اپنے اہل و عیال اور اپنے عزیز و اقارب کے پاس کیا کچھ بھیجنا چاہتے ہو؟" حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہ فرماتے تھے :۔ القوم السؤال یحملون زادنا الی الآخرۃ۔ مانگنے والے سائلین ہمارا دیا ہوا (سازوسامان) آخرت کو پہنچایا کرتے ہیں۔" یہ فقراء و مساکین گویا ہمارے حمال ہیں۔ ہم سے یہاں جو کچھ لیتے ہیں اس کو دار آخرت میں ہمارے لئے پہنچادیا کرتے ہیں۔ اب آپ کو اختیار ہے ان کے ہاتھ جو کچھ بھیجنا چاہیں بھیجدیا کریں۔ جو آج دیں گے وہاں کل لیں گے۔

جب صورت حال یہ ہے تو سائل کو ذلیل جاننا یا اس کو جھڑک دینا صحیح طریقہ کار نہ ہوگا۔ بلکہ سائل کی عزت کرنی چاہئے کہ وہ آپ کا دیا ہوا عطیہ دار آخرت میں آپ کے لئے پہنچا کر آپ پر احسان کر رہا ہے۔

سائل پر احسان نہ جتلاؤ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ فقیر کو آپ جو کچھ دیتے ہیں قبل اس کے کہ آپ کا عطیہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچے وہ اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے اور اللہ سبحانہ کے ہاتھ سے فقیر کو ملتا ہے اس لحاظ سے فقیر پر احسان نہ جتلانا چاہئے کیوں کہ فقیر کو جو کچھ ملا وہ منجانب اللہ ملا۔ آپ کے ہاتھ سے اس کو راست طور پر کچھ نہیں ملا۔ لہذا اس کو ذلیل وحقیر سمجھنا یا اس کو ڈانٹنا جھڑکنا بے محل ہے۔

سائل کی اہمیت حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لولا ان المساکین یکذبون ما افلح من ردھم۔ (طبرانی) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مساکین (کبھی) جھوٹ بھی بولتے ہیں ان کو بغیر کچھ دئے واپس کر دینے والا نجات نہ پاتا۔" سائل کے یہ احکام اس صورت میں ہیں جب کہ وہ لگ لپٹ کر اصرار نہ کرتا ہو لیکن اگر کوئی ایسا ہو کہ آپ اس کو ہر چند سمجھائے کہ بھائی اس وقت کچھ نہیں ہے جس سے تمہاری خدمت کی جائے مگر سائل کا

یہ حال ہے کہ کسی طرح پیچھا چھوڑتا ہی نہیں تو صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کو جھڑکنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

سائل سے مراد طالب علم

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں :۔ المراد بالسائل ھنا السائل عن العلم والدین لا سائل المال۔ (روح المعانی)

آیہ کریمہ واما السائل فلا تنھر سے مراد طالب مال نہیں بلکہ طالب علم ہے جو دین کا کوئی مسئلہ اور علم کا کوئی قاعدہ و اصول دریافت کرتا ہو۔ اور یہی قول حضرت حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ کا ہے۔ اس صورت میں واما السائل کا تعلق ووجدک ضالا فھدیٰ سے ہوگا۔ یعنی جب ایک وقت ایسا گزر چکا ہے کہ آپ احکام دین سے واقف نہ تھے اور اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ہدایت دی اور رہنمائی فرمائی تو آپ کو بھی چاہیئے کہ اگر کوئی طالب علم آپ سے دین کا مسئلہ پوچھنے کو آئے تو اس کو مسئلہ بتا دیا کیجئے۔ اس کو بے نیل و مرام واپس نہ کیجئے۔ عالم دین کا فریضہ ہی یہ ہے کہ اشاعت علم میں لگا رہے۔

عرض فقیر

فقیر عرض کرتا ہے کہ ارشاد باری واما السائل عام ہے خواہ وہ طالب مال ہو یا طالب علم یا مرید۔ جب وہ علم شریعت یا طریقت کا کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہو تو اس کی تشفی کر دینی چاہیے۔ اگر خود اس کو حل نہ کر سکے تو جاننے

والوں کی نشاندہی کر دیا کرے۔ وہ علمائے دین متین ہوں یا شیوخ طریقت۔ ابھی معلوم ہوا کہ پیسہ مانگنے والے کو چلا دیا جا سکتا بھی ہے اور بعض وقت زجر بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن طالب علم کو چلا دینا اہمیت رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ من سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام من نار۔ جب کسی سے علم کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ (اس کو جانتا ہوا بھی) اپنے علم کو چھپائے رکھے تو (روز قیامت) اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔" اسی وعید میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کے پاس احکام دین سے متعلق کوئی کتاب ہو اور کوئی اس کو مانگنے آئے تو مستعار دینے میں بخل سے کام نہ لے۔ البتہ کتاب کی واپسی کا معقول اہتمام کرے۔ کیونکہ فی زمانہ لوگ کتابیں لے جاتے ہیں پھر واپس نہیں کرتے۔ اس سے علم ضائع ہوتا ہے۔

واما بنعمۃ ربک کی تفسیر

وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ۔ اور جو احسان ہے آپ کے پروردگار کا اس کو بیان کیجیے۔" شان نزول کے سلسلہ میں اوپر عرض کیا گیا ہے کہ سلسلہ وحی چند روز تک منقطع رہا تھا جس پر کفار طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اس کے بعد جب یہ سورت شریفہ نازل ہوئی اور اس میں پروردگار کی نعم جلیلہ اور احسانات عظیمہ جو ابتداء سے آپ کے شامل حال رہے ہیں اور آئندہ جن مدارج عالیہ اور مناصب فاضلہ پر فائز ہونے کا جو وعدہ دیا گیا ہے

ان کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ان تمام نعمتوں کو ان کفار قریش سے بیان فرمائیے۔ تاکہ اللہ سبحانہ کے پاس آپ کی جو منزلت ہے ان کو معلوم ہو جائے۔ اس پر آپ نے کمال مسرت و شادمانی سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا جس سے آپ کے محبین و محبوبین خوش ہوں اور جن کے دلوں میں بغض و عناد اور حسد کی آگ لگی ہوئی ہو اس میں اور اضافہ ہو۔ اور حاسدین جل جل کر مریں۔ چنانچہ یہی سنت اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہیگی کہ اس سورت شریفہ سے لے کر قرآن کریم کے ختم ہونے تک جتنی سوتیں ہیں ان کے ختم پر یا آغاز پر مسلمان اللہ اکبر کہتے ہیں اور حضور اکرمؐ کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں کہ یہ بھی شکر نعمت کی ایک صورت ہے۔

نعمت کا بیان کرنا بھی شکر ہے

شکر نعمت کے باب میں احادیث شریفہ بکثرت وارد ہیں۔ چنانچہ حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بر سر منبر ارشاد فرمایا:۔ من لم یشکر القلیل لم یشکر الکثیر و من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ والتحدث بنعمۃ اللہ شکر و ترکھا کفر والجماعۃ رحمۃ۔ (عبداللہ بن احمد بیہقی)

جس نے تھوڑے کا شکر ادا نہ کیا وہ بہت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا اور جس نے

لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا وہ اللہ سبحانہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ نیز اللہ سبحانہ کی نعمتوں کو (جو اپنے شامل حال رہیں) صرف بیان کرنا بھی شکر ہے۔ اور نعمت کو بیان نہ کرنا ناشکری ہے۔ اور جماعت بھی اللہ سبحانہ کی رحمت و نعمت ہے۔" مطلب یہ کہ نعمت تھوڑی ہو یا بہت نعمت ہے پھر وہ لوگوں کے ذریعہ پہنچے یا کسی کے توسط کے بغیر اللہ سبحانہ کے پاس سے راست پہنچے وہ صرف اللہ سبحانہ کی دی ہوئی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔ اور تم کو جو نعمت بھی نصیب ہو بلا توسط یا بتوسط۔ وہ اللہ سبحانہ ہی کی طرف سے ہے۔" اور ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ ادائے شکر کی ایک صورت یہ ہے کہ کم از کم اس کو بیان کر دیا جائے۔ نعمت کا اعتراف بھی ایک طرح سے شکر ہے۔ نعمت سے متمتع ہونا اور اس کو بیان تک نہ کرنا' نعمت کو چھپانا ہے جو ناشکری میں داخل ہے اور ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ تم کسی کے ساتھ ہوتے ہو یا کوئی اور شخص تمہارے ساتھ ہوتا ہے تو ان دونوں کے ملنے سے جماعت ہو گئی۔ اور جماعت بھی اللہ سبحانہ کی رحمت و نعمت ہے۔ اس پر بھی شکر کرنا چاہیے تاکہ جماعت کی برکت حاصل ہو اور کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہو۔ اور علامہ بغوی کی روایت میں ہے:۔ والجماعۃ رحمۃ اللہ والفرقۃ عذاب اللہ اور

جماعت میں اللہ سبحانہ کی رحمت ہے اور علیحدگی پسندی میں اللہ کا عذاب ہے۔"

نعمت کا بیان کس سے کیا جائے

رہی یہ بات کہ نعمت الٰہی سے سرفراز ہونے کا تذکرہ کس سے کیا جائے؟ حضرت سیدنا امام حسن علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیۂ کریمہ واما بنعمۃ ربک فحدث کی تفسیر میں فرمایا:۔ اذا اصبت خیرا فحدث اخوانک۔ (ابن ابی حاتم) "جب تم کسی قسم کی بھلائی پاؤ تو اس کو اپنے بھائیوں سے بیان کرو۔" حضرت مقسم کہتے ہیں:۔ لقیت الحسن بن علی بن ابی طالب فصافحتہ فقال التقابل مصافحۃ المومن قلت اخبرنی عن قولہ واما بنعمۃ ربک فحدث قال الرجل المومن یعمل عملا صالحا فیخبر بہ اھل بیتہ۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے آپ سے مصافحہ کیا۔ فرمایا کہ دو مسلمانوں کا ایک دوسرے کے سامنے آجانا ہی مومن کا مصافحہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ واما بنعمۃ ربک فحدث کے معنی بتائیے فرمایا کہ بندۂ مومن جب کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کی اطلاع (اپنے گھر والوں کو دیدیتا ہے" یعنی گھر میں کسی عمل صالح کا کرنا، خود گھر والوں کو اس کی اطلاع دینا ہے۔

شکر کا اجر و ثواب

حضرت سنان بن سنیہ اپنے والد ماجد حضرت سنیہ رض سے

روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ــــــ الطاعم الشاکر له مثل اجر الصائم الصابر۔ (امام احمد، ابن ماجہ، دارمی نیز ترمذی عن ابی ہریرہؓ) کھاپی کر شکر کرنے والے کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا دن بھر روزہ رکھ کر بھوک پیاس کی تکلیف پر صبر کرنے والے کا ہے۔" اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من صنع الیه معروف فلیجز به فان لم یجد مایجزیه فلیثن علیه فانه اذا اثنی علیه فقد شکره وان کتمه فقد کفره ومن تحلی بمالم یعطه کان کلابس ثوبی زور۔ (بغوی، ابوداؤد) جس کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اس کو چاہیے کہ خود بھی اس کے ساتھ بھلائی کرکے اس کی جزا و مکافات کردے۔ اگر مکافات کے لئے اپنے ہاں کچھ نہ پائے تو اس کی شکرگزاری میں اس کی تعریف ہی کردے۔ کیونکہ جب وہ اس کی ثنا و صفت کرتا ہے تو وہ اس کا شکر ادا کر دیتا ہے اور جو اس کو چھپائے رکھے تو یقیناً اس کی ناسپاسی کی۔ اور جس کو کچھ نہیں دیا گیا اور اس نے خود کو آراستہ کرکے ایسا ظاہر کیا گویا کہ اس کو کسی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ نمائشی طور پر کوئی بے کمال شخص خود کو باکمال ظاہر کر رہا ہو۔"

تلبیس کی مذمت فی زماننا دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ اہل علم سے نہیں

مگر خود کو اہلِ علم کی صورت اور لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح کوئی مشائخ سے نہیں اور خود کو مشائخ کی صورت اور لباس میں ظاہر کرتے ہیں، یہ تلبیس ہے جس سے دوسروں کو دھوکہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اس وعید میں داخل ہیں۔ ان کو اس سے بچنا چاہئے اور جو لوگ ان کے حالِ حقیقت سے واقف ہیں ان کو چاہئے کہ خود کو ان سے بچائے رکھیں۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نشاید داد دست

کیا آپ نے دنیوی سلطنتوں میں مشاہدہ نہیں کیا کہ بعض دھوکہ دینے والے حکومت کے کسی عہدہ دار کی وردی پہن لیتے اور خود کو سرکاری عہدہ دار ظاہر کرکے دوسروں پر اثر ڈالتے اور ناجائز استحصال کرتے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ فعل مذموم ہے اسلئے حکومت ان کو گرفتار کرتی اور سزا دیتی ہے۔ یہی حال حکومتِ الٰہیہ کا سمجھ لیجئے کہ وہ اللہ سبحانہ کی گرفت اور سزا سے بچ نہ سکیں گے۔

خودستائی سے پرہیز کرنا چاہیے

حضرت ابوالاسود دؤلی اور زوفان کندی کہتے ہیں:۔
قلنا لعلیؓ حدثنا عن اصحابك فذکر مناقبهم قلنا فحدثنا عن نفسك قال مهلاً نهی الله عن التزکیة فقال له رجل فان الله یقول واما بنعمة ربك فحدث قال فانی احدث

بنعمة ربی کنت واللہ اذا سألت اعطیت واذا سکتُّ ابتدئت۔

(طبرانی) ہم نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے عرض کیا کہ ہم سے اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کے احوال بیان فرمائیے۔ اس پر آپ نے ان کے فضائل اور مناقب بیان فرمائے۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ کچھ اپنے احوال بھی بیان کیجئے۔ تو فرمایا اس کو چھوڑو۔ اللہ سبحانہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (جیسا کہ ارشاد باری ہے:—

فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ۔ اپنے آپ کو سراہا نہ کرو۔ اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو پرہیزگار ہے) یہ سنکر ایک شخص نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اپنے پروردگار کی نعمت کا بیان کیا کرو۔" آپ نے فرمایا کہ میں بھی اپنے پروردگار کی نعمت کا بیان کرتا رہتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں جب اپنے پروردگار تعالیٰ سے کسی چیز کی درخواست کرتا ہوں تو مجھے وہ چیز عطا فرمائی جاتی ہے۔ اور جب کسی چیز کی عام طور پر حاجت ہوتی ہے اور میں سکوت اختیار کرتا ہوں تو سب سے پہلے مجھی کو وہ چیز عنایت ہوتی ہے۔" اس روایت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خودستائی (یعنی اپنی آپ تعریف کرنا) اور خود پسندی سے دور رہکر نعمت کا بیان ہونا چاہئے جس کا مقصد محض شکر نعمت ہو۔[۱]

---

[۱] تحدیث نعمت کے سلسلہ میں بعض بزرگوں کے اقوال | بعض بزرگوں کی نسبت منقول ہے کہ کبھی

شکر کے اقسام اور ادائے شکر کے طریقے	فقہائے کرام فرماتے ہیں: یجب الشکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بزرگ نے فرمایا:۔ ما رأیت شیئا الا و رأیت اللہ معہ ۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اللہ سبحانہ کو اس کے ساتھ دیکھا" کسی نے یوں فرمایا:۔ ما رأیت شیئا الا و رأیت اللہ بعدہ ۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اس کے بعد ہی اللہ سبحانہ کو دیکھا" کوئی یوں گویا ہوئے:۔ ما رأیت شیئا الا و رأیت اللہ قبلہ ۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس سے پیشتر دیکھ لیا" کسی نے یہ فرمایا:۔ ما رأیت شیئا الا و رأیت اللہ فیہ ۔ میری نظر کسی چیز پر نہیں پڑی مگر میں نے اللہ سبحانہ کو اس میں دیکھ لیا" یہ ارشادات بھی اپنے اپنے احوال اور مقامات کے اعتبار سے ہیں۔ اور و اما بنعمۃ ربک فحدث کی تعمیل میں ہیں۔ اسی طرح حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہ کی طرف منسوب ہے:۔ ما فی جبتی سوی اللہ ۔ میرے جبّے میں اللہ اللہ کے سوا اور کچھ نہیں" یا حضرت قطب ربانی غوث الصمدانی سیدی الشیخ شیخ الکل سیدنا عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا یہ ارشاد کہ قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی للہ ۔ میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے" نیز حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ ؎

وکل ولی لا قدم و انّی   علی قدم النبی بدر الکمال

علی کل نعمۃ والشکر صرف النعمۃ فی رضاء المنعم فشکر نعمۃ المال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اولیاء اللہ میں سے ہر ولی ایک ایک نبی اللہ کے قدم پر ہیں اور ان کو ایک اتباع خاص حاصل ہے اور میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم اور کامل اتباع پر ہوں جو آسمان نبوت ورسالت کے بدر کامل ہیں"۔ یہ ارشادات بھی تحدیث نعمت ہی کی بنا پر ہیں گویا یہ بزرگوار اس وقت منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں کہ اپنے مرتبہ کمال کو بیان کردیں۔ ہمیں چاہئے کہ ان ارشادات کو تحدیث نعمت پر ہی محمول کریں جیسا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ انا سید ولد آدم ولا فخر۔ میں آدمؑ اور تمام بنی آدمؑ سب کا سردار ہوں۔ یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا ہوں" اسی قبیل اور سلسلہ کے اور بھی ارشادات عالیات ہیں جن میں ہر نعمت کے بیان کے بعد ولا فخر فرما کر آپ نے صراحت فرمادی کہ یہ قول فخر وافتخار پر مبنی نہیں بلکہ واما بنعمۃ ربک فحدث کی محض تعمیل ہے۔ تاکہ امت مرحومہ کو معلوم ہوجائے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین پر کیا فضیلت اور برتری بخشی ہے تاکہ آپ کی اتباع واقتدا کا جذبہ ترقی کرے اور فوز وفلاح دارین حاصل ہو۔

عوام کے لئے ایک تنبیہ | بہرحال تحدیث نعمت کے سلسلہ میں مذکور الصدر اقوال

صرفها بالاخلاص فی سبیل الحق و شکر نعمۃ البدن اداء الواجبات والاجتناب عن المعاصی و شکر نعمۃ العلم والعرفان التعلیم والارشاد (مظہری) ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔ اور شکر یہ ہے کہ نعمت کو منعم حقیقی کی رضا و خوشنودی میں صرف کیا جائے۔ لہٰذا مال کا شکر یہ ہے کہ اس کو راہ حق میں اخلاص کے ساتھ خرچ کیا جائے۔ اور بدن کا شکر یہ ہے کہ اس سے فرائض و واجبات کی ادائی میں کام لیا جائے اور گناہوں اور معاصی سے اس کو دور رکھا جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یا ایسی باتیں کہنے کا حق ان کاملین بزرگوں کو پہنچتا ہے جو نفس امارہ پر پوری طرح قابو رکھتے ہوں اور علم وعمل اور ریاضت نفس سے بہرہ وافر حاصل کیا ہو۔ پھر وہ ان باتوں کے کہنے پر مامور من اللہ ہوں۔ یہ کام ہر کس و ناکس کا نہیں ہے جو نہ علم صحیح رکھتا ہو اور نہ اعمال صالحہ سے اس کو واسطہ ہو اور نہ ریاضت نفس کیا چیز ہے اس سے واقفیت رکھتا ہو۔ با ایں ہمہ اگر کوئی ایسا کلام کرے تو اس کی یہ گفتگو محض لاف زنی اور انانیت ہوگی۔ اور بجائے تحدیث نعمت کے انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین کا مصداق ہوگی جو کہ ابلیس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کے حکم کے مقابلہ میں نہایت غرور اور تکبر کے ساتھ کہا تھا کہ میں آدم سے بدرجہا بہتر ہوں کہ آپ نے مجھ کو آگ جیسے اشرف و اعلیٰ عنصر سے پیدا کیا اور آدم کو سڑی گلی مٹی سے بنایا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اور علم وعرفان بھی بہت بڑی نعمت ہے ۔ اس کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اس علم کی تعلیم دی جائے اور طالبان معرفت کو عرفان کی راہ دکھائی جائے ۔" مطلب یہ کہ ظاہری نعمتوں کے بیان کے ساتھ باطنی نعمتوں کا بیان بھی بعض اوقات جائز قرار پاتا ہے ۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنے اساتذہ اور شیوخ کا ادب کرے ان کا حق پہچانے ۔ اور بھلائی کے ساتھ ان کا ذکر کیا کرے ۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتا رہے ۔ والدین کے باب میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :

اساتذہ وشیوخ کا ادب

ولا تقل لهما اُفٍّ ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل ربّ ارحمهما كما ربّياني صغيرا ۔ اپنے والدین کو اُف تک نہ کہنا ، اور نہ ان کو کبھی جھڑکنا ، اور ان سے عزت کا کلام کیا کرنا ، اور ان کے آگے ان پر رحم کھا کر اپنے تذلل کا بازو جھکائے رکھنا ، (ان کے سامنے اکڑ کر نہ چلنا) اور یہ دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ! میرے ماں باپ پر رحم فرمائے جیسا کہ انھوں نے میرے لڑکپن میں میری پرورش اور تربیت کی تھی ۔" نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

الآباء ثلاث من ولدك ومن زوّجك ابنته ، ومن علّمك ، وخير الآباء من علّمك (الادب المفرد للبخاری) انسان کے باپ تین اشخاص ہوتے ہیں ۔ ایک وہ

جس نے تم کو جنا (حقیقی باپ) دوسرا وہ جس نے اپنی دختر کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا (سسرا) اور تیسرا وہ جس نے تم کو علم پڑھایا۔ اور ان تینوں آباء میں بہترین باپ وہ ہے جس نے تم کو تعلیم دی ہے (استاذ اور شیخ)۔ ماں باپ نے لڑکپن میں تربیت کی تھی۔ سسرے نے جوانی میں تمہارے سکون راحت اور محبت و رحمت کے اسباب فراہم کئے اور استاذ و شیخ نے جبکہ تم بچے تھے یا جوان تھے یا بوڑھے ہو گئے تھے مگر علم و عرفان کے میدان میں بچے ہی تھے۔ تمہارے دین کی حفاظت کی اور تم کو اللہ کا بندہ بنایا۔ اور ماسوی اللہ کی غلامی سے نجات دلائی۔ لہذا نسبی باپ اور سببی باپ بھی باپ ہیں لیکن روحانی باپ کی شان ہی اور ہے۔ اللّٰھم اغفرلنا ولآبائنا ولامّھاتنا ولاصھارنا ولاساتذتنا ولشیوخنا وارحمھم آمین ثم آمین۔

حضور اکرمؐ کی ایک درخواست ربّ العزّت سے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ سألت ربّی مسئلة وددت انی لم اکن سألته فقلت قد کانت قبلی الانبیاء منھم من سخرت له الریح ومنھم من کان یحیی الموتی قال تعالیٰ یا محمد الم اجدك یتیما فآویتك الم اجدك ضالا فھدیتك الم اجدك عائلا فاغنیتك الم اشرح لك صدرك الم اضع عنك وزرك الم ارفع لك ذکرك قلت بلی یارب۔ (ابن ابی حاتم)

طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ ابونعیم، بیہقی، ابن مردویہ ابن عساکر) اللہ سبحانہ تعالیٰ سے میں نے ایک معروضہ کیا کاش! میں وہ معروضہ نہ کیا ہوتا میں نے عرض کیا کہ مجھ سے پہلے بھی انبیاء (علیہم السلام) ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی وہ تھے جن کے لئے آپ نے ہوا کو ان کے تابع فرمان بنادیا۔ اور کوئی وہ تھے جو مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ (وغیرہ وغیرہ)۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس پر ارشاد فرمایا:۔ محمدؐ! کیا ہم نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا؟ کیا ہم نے آپ کو خود رفتہ نہ پایا پھر آپ کو راہ دکھائی؟ کیا ہم نے آپ کو حاجتمند نہ پایا پھر آپ کو ہم نے بے نیاز کردیا؟ کیا ہم نے آپ کا سینہ نہ کھول دیا؟ کیا ہم نے آپ کا بوجھ نہ اتار دیا؟ کیا ہم نے آپ کا ذکر بلند نہ کیا؟ یہ سُن کر میں نے عرض کیا:۔ کیوں نہیں اے پروردگار! بے شک آپ نے مجھ پر یہ احسانات عظیمہ فرمائے اور اپنی نعمتوں سے مجھے سرفراز فرمایا۔

سورۂ والضحیٰ حضور پر اللہ سبحانہٗ کے احسانات کا مرقع

ٹھکانا دینا، ہدایت دینی اور بے نیاز کردینا یہ تین نعمتیں جن میں سے ہر ایک نعمت نعمت جلیلہ ہے ان کا بیان سطور بالا میں تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔ مابقی نعمتوں کا بیان سورت مابعد میں ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔ حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب سورت شریفہ والضحیٰ نازل ہوئی تو حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:۔ یمن علی ربی واھل ان یمن ربی۔ (ابن مردویہ دیلمی) اس سورت شریفہ میں میرے پروردگار نے مجھ پر اپنے احسانات عظیمہ کو جتایا (اور ایک ایک احسان کو گن تبایا ہے) اور اللہ بجا سزاوار ہے کہ اپنے احسانات جتائے" اور ایک ایک احسان کو گن بتائے۔

سورۂ والضحیٰ اولیائے کاملین کی سورتوں سے ہے

علامہ اسمٰعیل حقیؒ تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:۔ ھذہ السورۃ وسورۃ الانشراح درتان یتیمتان غالیتان لما فیھما من الحکم والمعارف ولذا کانتا ھما وسورۃ النصر من سور الکمل من الاولیاء۔ یہ سورۃ شریفہ والضحیٰ اور اس کے بعد والی سورت کریمہ یعنی سورہ انشراح یہ دونوں دو گوہر نایاب ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان میں معارف اور حکمتوں کے دریا بہائے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اور سورۂ نصر (اذا جاء نصر اللہ والفتح) اولیائے کاملین کی سورتوں سے یاد کئے جاتے ہیں" جو ہمیشہ ان بزرگوار کے پیش نظر اور ورد زبان رہتے ہیں۔

الحمد للہ کہ سورۂ ضحیٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سورۂ انشراح

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۸) آیات ہیں

ماقبل سے ربط اس سورۃ شریفہ کا ربط ماقبل سورت سے بالکل ظاہر ہے۔ یہ اس طرح کہ سورۂ والضحیٰ میں اللہ سبحانہ کے احسانات وعنایات کا بیان فرمایا گیا تھا جو ذات اقدس حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات وازکی التحیات پر مبذول ہیں۔ اس سورت شریفہ میں بھی بعض الطاف وعنایات کا بیان فرمایا جارہا ہے۔ گویا کہ یہ سورت شریفہ سورت ماقبل کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ صورۃً یعنی عبارت اور کلمات کے اعتبار سے چونکہ ہر ایک سورت کی ترتیب اور بندش جداگانہ ہے جس کے باعث ان کو دو علیحدہ علیحدہ سورتیں قرار دیا گیا ہے لیکن معنیً یعنی مفہوم اور مطلب کے لحاظ سے دونوں سورتیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں سمجھ میں آتی ہیں۔ اسی بنا پر بعض حضرات نے ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت قرار دیا چنانچہ حضرت طاؤسؒ اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے کہ یہ دونوں ملاکر ایک ہی سورت ہیں۔ نماز میں یہ حضرات ایک ہی رکعت میں

یہ دونوں سورتیں ملا کر پڑھتے۔ اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ مگر جمہور کے نزدیک یہ علیحدہ علیحدہ سورتیں ہیں اور یہی صحیح ہے کہ تواتر سے ثابت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۗ کیا نہیں کھول دیا ہم نے آپ کے لئے سینہ آپ کا' اور اتار دیا ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ' جو توڑ رہا تھا آپ کی پیٹھ' اور بلند کیا ہم نے آپ کے لئے ذکر آپ کا۔

شرح صدر کی تفسیر | اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ' کیا ہم نے آپ کی خاطر اور آپ کی سہولت کے لئے آپ کا سینہ کھول نہ دیا؟ سورت ماسبق میں تین نعمتوں کا بیان ہوا تھا۔ اب اسی سلسلہ میں مزید تین جلیل الشان نعمتوں کا بیان فرمایا جارہا ہے جو ذات اقدس حضور روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں۔ از آں جملہ پہلی نعمت جلیلہ یہ ہے۔ کیا ہم نے آپ کا سینہ مبارک کھول نہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک کھول دیا ولک الحمد۔

شرح صدر کے اقسام | یہ شرح صدر دو طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ ظاہری اور حسی طور پر

جس کو دیکھنے والوں نے دیکھا۔ دوسرا باطنی اور معنوی طریق پر۔ جس کا اندازہ صرف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی فرما سکتے ہیں دوسروں کو اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کتب احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ ظاہر اور محسوس طریق پر شرح صدر کئی دفعہ ہوا۔ کم سنی میں، پھر عالم شباب میں نزول وحی سے پہلے، نیز معراج شریف کے وقت۔

شرح صدر بچپن میں چنانچہ حضرت دایہ حلیمہ سعدیہ رض فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانۂ رضاعت میں جب ہمارے ہاں رونق افروز تھے تو ہمارے گھر میں ہر طرح کی خیر و برکت رہی۔ جب یہ مدت ختم ہونے لگی تو سن شریف ابھی دو سال کے قریب تھا مگر آپ کی نشو و نما بفضل الٰہی ایسی ترقی کرتی جا رہی تھی جو اس ننھی سی عمر کے بچوں کو نصیب نہ تھی۔ آپ اچھے خاصے چار چھ سال کے بچوں میں بھی نمایاں ممتاز نظر آتے تھے، یہ مدت ختم ہوئی تو آپ کو والدہ ماجدہ کے پاس پہنچا دینا ضروری ہوا لیکن ہماری تمنا یہ تھی کہ اور کچھ عرصہ تک یہیں چھوڑ دئے جاتے تاکہ جو خیر و برکت ہم آپ کی بدولت اپنے پاس پاتے تھے اس کا سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ میں نے قاعدہ کے مطابق مدت رضاعت کے ختم پر آپ کو والدہ رض ماجدہ کے ہاں پہنچا دیا، مگر ساتھ ہی عرض کیا:۔ لو ترکتیہ عندنا حتی یغلظ فانا نخشی علیہ وباء ملکۃ

اگر آپ ان کو ہمارے ہاں چندے اور ٹھہرا رکھتیں تا آنکہ ان میں اچھی توانائی آجاتی اور ان کے جوڑ بند قوی ہو جاتے تو زیادہ مناسب ہوتا ہم کو مکہ کے وبائی امراض اور ناموافق آب و ہوا کا ڈر لگا رہتا ہے۔" یہ سن کر مادر مہربان حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا رضامند ہو گئیں اور مدت رضاعت ختم ہو جانے کے باوجود اور چندے ہمارے پاس ہی حضور کو ٹھہرا رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ پھر کیا تھا کہ ہم آپ کو ہنسی خوشی اپنے گھر لائے۔ یہ یہاں آکر اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ باہر چلے جاتے جو ہمارے گھروں کے پیچھے بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس طرح دو تین مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ ایک دن حضور کا رضاعی بھائی باہر سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا:

ذاك اخي القرشي قد جاءه رجلان عليهما ثياب بيض فاضجعاه وشقا بطنه (اماں! اماں!) میرے ان قریشی بھائی کے پاس نہایت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے دو شخص آئے اور ان کو لٹا کر ان کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔" یہ سنتے ہی میں اور میرے شوہر دونوں دوڑے گئے۔ دیکھا کہ حضور اقدس کھڑے ہوئے ہیں مگر آپ کا رنگ اڑ گیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی میرے شوہر نے آپ کو گلے لگا لیا اور پوچھا: ای بني ما شانك۔ جان پدر! آپ پر کیا گزری؟ حضور نے بھی فرمایا:۔ جاءني رجلان عليهما ثياب بيض فاضجعاني فشقا بطني

ثمّ استخرجا منه شیئاً فطرحاه ثم ردّاه کما کان۔ میرے پاس دو سفید پوش اشخاص آئے پھر انھوں نے مجھے لٹا دیا پھر میرا پیٹ چاک کر ڈالا۔ پھر اس میں سے کچھ نکال کر پھینک دیا۔ پھر پیٹ کو اصلی حالت پر لا لیا"۔ حضرت حلیمہؓ فرماتی ہیں کہ ہم وہاں سے حضورِ اقدس کو گھر لائے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت حلیمہؓ سے ان کے شوہر نے کہا کہ ہم کو ان صاحبزادے کی نسبت ڈر ہو رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جن کی امانت ان کو پہنچا دی جائے۔ چنانچہ ہم نے آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچا دیا"۔

مسند ابی یعلیٰ، ابی نعیم، ابن عساکر سے شرح صدر کے ایک اور واقعہ کا بھی پتہ چلتا ہے جبکہ آپ حضرت حلیمہؓ ہی کے پاس تشریف فرما تھے۔ (روح المعانی)

شرح صدر بعد بلوغ اس کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن بلوغ کو پہنچے تو پھر ایک دفعہ شرح صدر ہوا۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ ما اوّل ما ابتدئت من امر النبوّة فاستوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالساً وقال لقد سألت یا اباهریرة انّی لفی صحراء ابن عشرین سنة واشهر اذا بکلام فوق رأسی واذا رجل یقول لرجل أهو هو فاستقبلانی بوجوه لم ارها لخلق قطّ وارواح لم اجدها من خلق قطّ وثیاب لم اجدها علی احد قطّ

فأقبلا الیّ یمشیان حتی اذا دنیا اخذ کل واحد منھما بعضدی لا اجد لاخذھما مسا فقال احدھما لصاحبہ افلق صدرہ فھوی احدھما الی صدری ففلقہ فیما اری بلادم ولا وجع فقال لہ اخرج الغل والحسد فاخرج شیئا کھیئۃ العلقۃ ثم نبذھا فقال لہ ادخل الرأفۃ والرحمۃ فاذا مثل الذی اخرج مثل الفضۃ ثم حزّ ابھام رجلی الیمنی وقال اغد واسلم فرجعت اغدو بھا رأفۃ علی الصغیر ورحمۃ علی الکبیر۔ (عبداللہ بن احمد) اے خدا کے پیارے رسول! نبوت کے سلسلہ میں سب سے پہلے آپ نے کیا چیز دیکھی؟ یہ سنتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا:۔ ابو ہریرہ! تم نے عجیب اہم سوال کیا۔ میں جنگل میں تھا میری عمر بیس سال سے چند مہینے زائد تھی۔ اتنے میں میرے سر کے اوپر سے کچھ باتوں کی آواز آنے لگی۔ ایسے میں ایک شخص دوسرے شخص سے کہہ رہا ہے۔ کیا یہ وہی ہیں؟ (اس نے کہا ہاں وہی ہیں) پھر وہ دونوں میری طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے چہرے ایسے تھے کہ میں نے ویسے چہرے کبھی نہیں دیکھے۔ ان سے خوشبو ایسی مہک رہی تھی کہ ویسی خوشبو سے کبھی مجھے سابقہ نہیں پڑا۔ اور ان کے کپڑے بھی ایسے تھے کہ ویسے کپڑے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ پھر وہ دونوں میری طرف چل کر آنے لگے۔

جب وہ نزدیک آگئے تو ان میں سے ہر ایک نے میرا بازو پکڑ لیا۔ لیکن ان کے پکڑنے کا کوئی اثر مجھے محسوس نہ ہوا۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ان کے سینے کو چیر دو۔ چنانچہ ایک نے میرے سینے کی طرف رخ کیا اور میرے دیکھتے دیکھتے اس کو چیر دیا۔ لیکن نہ کچھ خون تھا اور نہ کسی قسم کا درد۔ پھر اس نے کہا کہ خیانت اور حسد کا مادہ نکال دو (جہاں سے ان امراض کی راہ کھلتی ہے) چنانچہ اس نے ایک چیز بستہ خون کی طرح نکال کر پھینک دی۔ پھر اس سے کہا کہ مہربانی اور رحم کا مادّہ اس کی جگہ داخل کر دو۔ چنانچہ چاندی کی طرح ایک صاف وشفاف چیز داخل کی۔ پھر میرے داہنے پاؤں کے انگوٹھے کو حرکت دی اور کہا کہ سلامت باکرامت تشریف لے جائیے۔ چنانچہ میں واپس ہوا تو اس وقت سے ہمیشہ چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں پر رحم کا خیال دامنگیر رہا۔"

اسی طرح ایک روایت علامہ ابن حجر مکیؒ نے شرح ہمزیہ میں نقل فرمائی ہے۔ اس میں سن شریف بجائے بیس سال چند مہینے کے دس سال مذکور ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ بھی قبل بلوغ پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

شرح صدر بوقت نزول وحی	نیز شرح صدر چالیس سال کی عمر شریف میں

نزول وحی کی ابتدا کے موقع پر پیش آیا۔ جس کو حافظ حدیث ابونعیم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:۔ ان جبریل ومیکائیل علیہما السلام شقا صدرہ وغسلاہ ثم قال اقرأ باسم ربك الآیات (ابونعیم ابوداؤد طیالسی، حرث) جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام نے آپ کا سینہ مبارک شق کیا اور اس کو دھویا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا:۔ اقرأ باسم ربك۔ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو" یعنی سورۂ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیات پڑھائیں"

شرح صدر بوقت اسراء و معراج

ان تمام واقعات کے بعد اور ایک واقعہ شرح صدر کا پیش آیا جس کی روایات تواتر کے ساتھ موجود ہیں

چنانچہ حضرت انس بن مالک بن صعصعہؓ نے حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا:۔ بینا انا عند البیت بین النائم والیقظان فاتیت بطست من ذھب فیھا ماء زمزم فشرح صدری الی کذا وکذا قال قتادۃ قلت یعنی لانس ما تعنی قال الی اسفل بطنی قال فاستخرج قلبی فغسل بماء زمزم ثم اعید مکانہ ثم حشی ایمانا وحکمۃ ثم اتی بدابۃ دون البغل وفوق الحمار البراق فانطلقت مع جبریل علیہ السلام (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی) میں بیت اللہ شریف کے پاس، خواب اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔ اتنے میں میرے پاس ایک سنہری طشت لایا گیا جس میں آب زمزم بھرا ہوا تھا۔ پھر میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھول دیا گیا۔ راوی حدیث حضرت قتادہ نے اپنے شیخ حضرت انسؓ سے پوچھا کہ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو فرمایا کہ (سینہ کے پاس سے) پیٹ کے نچلے حصہ تک کھول دیا۔ پھر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میرے دل کو (سینہ کے اندر سے)

باہر نکالا اور اس کو آب زمزم سے دھو ڈالا' پھر دل کو اس کی اصلی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر اس میں ایمان اور حکمت بھر دی۔ (جس سے عالم غیب و شہادت کی تمام چیزیں روشن ہوگئیں) پھر براق نامی ایک سواری لائی گئی جس کا قد خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ پھر میں (اس پر سوار ہوکر) جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوا'' اس کے بعد جو جو واقعات پیش آئے ان کا بیان سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے قلم فیض رقم سے ہوچکا ہے اور کچھ سورۂ نجم کی تفسیر میں گزر چکا ہے اس کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔

شرح صدر باطنی ومعنوی شرح صدر کی دوسری قسم جو باطنی ومعنوی ہے جس کی کیفیت کا اندازہ دوسرے لوگ نہیں کرسکتے اس کی نسبت مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔ شرحنا لك صدرك حتّٰی اتّسع فی صدرك من العلوم الحقّة والمعارف الدينيّة المبصرة بنور الله تعالٰی ما لا سبيل اليها لعقل العقلاء واجمع فيه التوجّه الی الله تعالٰی والحضور التام مع التوجّه الی الخلق لاجل الدعوة فی مرتبة النزول فليس لك فی حالة النزول انقطاعا عن الله تعالٰی فی الحقيقة حتّٰی تغتم به۔ (مظہری) ہم نے آپ کا سینۂ مبارک اس طرح کھول دیا ہے کہ سارے علوم حقہ

اور معارف دینیہ اس میں سمادئے گئے جو محض نور الٰہی سے منکشف ہوتے ہیں اور عقلاء کی عقل وہاں تک رسائی نہیں پاسکتی۔ اور اس میں توجہ الی اللہ اور حضور تام کے ساتھ، توجہ الی الخلق کی گنجایش بھی رکھی گئی تاکہ دعوت الی اللہ کا سلسلہ بھی مرتبۂ نزول میں جاری رہے۔ اور تنزل کے درجہ میں بھی انقطاع عن اللہ کی صورت پیدا نہ ہو تاکہ انقطاع عن اللہ کا غم آپ کو نہ ہونے پائے۔"

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:۔ الم نفسح صدرك حتى حوى عالمى الغيب والشهادت وجمع بين ملكتى الاستفادة والافادة فماصدك الملابستة بالعلائق الجسمانية عن اقتباس انوار الملكات الروحانية وماعاقك التعلق بمصالح الخلق عن الاستغراق فى شئون الحق۔ (روح المعانی) کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہ دیا تا آنکہ سینہ مبارک عالم غیب وشہادت ہر دو کا گنجینہ قرار پا یا۔ اور استفادہ وافادہ کی دونوں استعدادیں بیک وقت آپ میں جمع ہوگئیں۔ اس کے بعد آپ علائق جسمانیہ میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں تو بھی یہ حالت ملکات روحانیہ کے انوار حاصل کرنے میں سد راہ نہیں ہوسکتی۔ اور مصالح خلق میں لگے رہنے پر بھی، شیون حق کے استغراق سے بھی یہ چیز آپ کو

روک نہیں سکتی "۔

ووضعنا عنك وزرك کی تفسیر

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ اور اتار لیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ جو آپ کی پیٹھ توڑ رہا تھا "۔ یعنی نبوت و رسالت کی ذمہ داریاں جن کے تصور سے آپ کی پیٹھ جھکی جا رہی یا کمر ہمت ٹوٹ رہی تھی، شرح صدر کے ذریعہ وہ تمام بوجھ اتار لیا اور سینۂ مبارک میں وہ فراخ حوصلگی اور وسعت پیدا کر دی گئی کہ بار نبوت و رسالت کا تحمل آپ کے لئے آسان ہو گیا اور آپ میں وہ ہمت و استقلال پیدا کر دیا گیا کہ جملہ مخالفین اور دشمنوں کے اصلاح حال کے لئے آپ یکہ و تنہا آمادہ ہو گئے چنانچہ آپ کے ذریعہ علی رؤس الاشہاد اعلان کرایا گیا:۔ قل یاایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا۔ آپ فرما دیجئے (اے پیارے رسول! کہ) اے لوگو! میں یقیناً تم سب کی طرف، اللہ سبحانہ کے پاس سے بھیجا ہوا رسول ہوں "۔ نیز ہدایت و معرفت، اور علم و حکمت کے خزائن، بلکہ عالم غیب و شہادت کے گنجینے، سینۂ مبارک میں سما دئے گئے۔ پھر علائق جسمانیہ آپ کو انوار و اسرار روحانیہ کے قبول کرنے سے مانع نہ ہو سکے۔ اور علوم لدنیہ، حکم الٰہیہ، معارف ربانیہ، اور حقائق رحمانیہ، سینۂ پاک میں جلوہ نما ہو گئے۔

شرح صدر حضرت موسیٰ کا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو اس بھاری ذمہ داری کا احساس فرماکر حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا:۔ قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحك كثيرا ونذكرك كثيرا انك كنت بنا بصیرا۔ کہا موسیٰ نے۔ اے پروردگار میرے میرا سینہ کشادہ کردیجئے اور میرا کام میرے لئے آسان بنا دیجئے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے۔ تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے گھرانے سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیجئے نیز ان کے ذریعہ میری ہمت چست کردیجئے۔ اور ان کو میرے کام میں شریک ٹھہرائیے۔ تاکہ ہم دونوں آپ کی پاکی زیادہ بیان کریں اور آپ کی یاد بکثرت کرتے رہیں۔ یقیناً آپ ہم کو خوب دیکھتے رہینگے۔" ان تمام درخواستوں کے پیش ہونے پر ارشاد باری تعالیٰ ہوا:۔ قال قد اوتیت سئولك یا موسیٰ۔ فرمان الٰہی ہوا کہ موسیٰ! تمھاری جملہ درخواستیں قبول و منظور کرلی گئیں۔"

حضرت موسیٰ اور حضور اکرم کے مراتب

غرضیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک

فرعون سے سابقہ پڑ رہا تھا تو آپ نے سب سے پہلے شرح صدر کی درخواست فرمائی تھی۔ پھر اس کے ساتھ اور بھی درخواستیں تھیں جو سب کی سب منظور فرمالی گئیں۔ چنانچہ آپ کا شرح صدر فرمایا گیا جو صرف باطنی ومعنوی تھا جس کا جاننے والا موسیٰ اور رب موسیٰ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اور سرور دو جہاں علیہ صلوات الرحمان کو دنیا بھر کے فرعونوں اور ہامانوں، نمرودوں اور شدادوں سے سابقہ ہونے والا تھا۔ بایں ہمہ آپ کو کوئی درخواست پیش کرنے کی نوبت نہ آنے پائی اور فضل الٰہی سے بغیر کسی درخواست کے آپ کا شرح صدر ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ نہ صرف باطنی ومعنوی بلکہ حسی اور ظاہری طور پر بھی فرمایا گیا جس کے دیکھنے والے اور مشاہدہ کرنے والے، بچے، بڑے، زن ومرد سبھی تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ فکنت اری اثر المخیط فی صدرہ۔ (مسلم شریف) میں (سینہ کو شق کرکے اس کو) ٹانکے دینے کے نشانات آپ کے سینۂ مبارک میں نمایاں طور پر دیکھتا رہتا تھا۔" یہیں سے فرق مراتب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ورفعنا لك ذكرك کی تفسیر

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ "اور آپ کی رفعت شان کے لئے آپ کا ذکر ذکور بلند کیا۔" حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا:۔ اتانی جبریل فقال ان ربك يقول تدری کیف رفعت ذکرك قلت الله اعلم قال اذا ذکرت ذکرت معی۔ (ابویعلیٰ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، ابن مردویہ، ابونعیم) میرے پاس جبرئیل آئے اور کہنے لگے کہ آپ کے پروردگار کا ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ ہم نے آپ کا ذکر کس درجہ بلند کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ سبحانہ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ انھوں نے کہا یوں ارشاد باری ہو رہا ہے کہ جب میرا ذکر ہوتا ہے تو میرے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ہوا کریگا۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔۔۔ الا تری ان الله لا یذکر فی موضع الا ذکر معه نبیه۔ (ابن عساکر) کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جس جگہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر لطیف ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف بھی ہوا کرتا ہے۔" ؎

تکبیر میں کلموں میں نمازوں میں اذاں میں ہے نام سے اللہ کے ملا نام محمدؐ

حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ رفع الله ذکره فی الدنیا والآخرة فلیس خطیب ولا متشهد ولا صاحب صلاة الا ینادی اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، بیہقی) اللہ سبحانہ نے حضور اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جمیل دنیا

اور آخرت میں بلند فرمایا ہے۔ چنانچہ کوئی خطیب، یا گواہی دینے والا، یا نماز پڑھنے والا، ایسا نہیں جو (اپنے خطبے اور شہادت اور نماز میں) یہ منادی کرتا ہو کہ:— "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سبحانہ کے مبعوث کئے ہوئے رسول ہیں۔" حضرت ضحاکؒ آیہ کریمہ ورفعنالك ذكرك کی تفسیر میں فرماتے ہیں:— ارشاد باری ہے:— اذا ذكرتُ ذكرتَ معي- ولا تجوز خطبة ولا نكاح الا بذكرك معي- (عبد بن حمید) جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ بھی میرے ساتھ ساتھ ذکر کئے جائیں گے۔ نہ کوئی خطبہ جائز ہو سکتا ہے اور نہ کوئی نکاح منعقد ہو سکتا ہے مگر اسی صورت میں کہ میرے ساتھ آپ کا ذکر مبارک بھی ہوا کرے۔" حضرت محمد بن کعبؒ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے جس سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر شریف منبروں پر، مناروں پر، محافل میں، مجالس میں، علی الاعلان جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ وللہ الحمد۔

حضور انور کی مناجات اور اس کا جواب

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اعلیٰ و ارفع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:——

لما فرغت من امر السموات والارض قلت یا رب انه لم یکن نبی قبلی الا وقد کرمته اتخذت ابراهیم خلیلا و موسی کلیما وسخرت لداؤد الجبال ولسلیمان الریح والشیاطین واحییت لعیسی الموتی فما جعلت لی قال اولیس قد اعطیتک افضل من ذلک کله ان لا اذکر الا ذکرت معی وجعلت صدور امتک اناجیل یقرؤن القرآن ظاهرا ولم اعطها امة واعطیتک کنزا من کنوز عرشی لاحول ولا قوة الا باللہ۔ (ابونعیم) میں جب آسمانوں اور زمین (کی سیر) سے (معراج میں) فارغ ہوا تو معروضہ کیا کہ اے پروردگار من! مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے نہیں ہوئے جن کی کچھ نہ کچھ تکریم و توقیر فرمائی گئی۔ چنانچہ ابراہیم کو خلیل اور موسیٰ کو کلیم بنایا۔ اور پہاڑوں کو داؤد کا تابع فرمایا۔ اور ہوا اور شیاطین کو سلیمان کا تابع قرار دیا۔ اور عیسیٰ کی خاطر مُردوں کو زندہ کیا۔ پھر میرے مالک میرے لئے آپ نے کیا تجویز فرمائی؟ اس پر ارشادِ الٰہی ہوا۔ کیا ہم نے آپ کو ان سب سے افضل و اعلیٰ چیز نہیں دی؟ وہ یہ ہے کہ جہاں ہمارا ذکر آیا ساتھ ہی آپ کا ذکر بھی آتا رہے گا۔ اور آپ کی امت کے سینوں کو کتاب اللہ کا گنجینہ اور خزینہ بنایا جو قرآن کریم کو (بن دیکھے) زبانی پڑھتے رہیں اور یہ فضیلت

ہم نے کسی امت کو نہ بخشی۔ نیز ہم نے اپنے عرش اعظم کے خزانوں سے ایک زبردست خزانہ بخش دیا ہے۔ وہ خزانہ یہ ہے :۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ یعنی نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے باز رکھنے کی قوت اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ یہ جملہ دیکھنے اور لکھنے یا پڑھنے کی حد تک تو بہت ہی مختصر ہے کہ ایک سانس میں پڑھ لیا جا سکتا اور ایک گردش قلم میں لکھ لیا جا سکتا اور ایک نظر میں اس کو اول سے آخر تک دیکھ لیا جا سکتا ہے مگر اس میں معانی و مطالب اور اسرار و حقائق کی اتنی وسعت و گنجائش ہے کہ تمام عالمین اس میں سما سکتے ہیں۔ اس کو ایک دفعہ پڑھنے کی فضیلت احادیث شریفہ میں یہ آئی ہے :۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ شجرۃ فی الجنۃ کہ اس کے ایک بار صرف پڑھ لینے سے ارض جنت میں ایک درخت پیدا ہو جاتا ہے جس کا سایہ، خوشبو اور مہک اور اس کا ثمرہ ابدالآباد تک قائم و دائم رہتا ہے کیونکہ نیکی کے کرنے کی طاقت اور برائی سے باز رہنے کی قوت کو اللہ سبحانہ ہی کی توفیق اور اس کی حفاظت کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے اور اس سے ایسا تصور پیدا ہوتا ہے کہ انسان میں انانیت اور خودستائی کا شیطانی وسوسہ تک آنے نہیں پاتا۔

امت مرحومہ کا سینہ کتاب اللہ کا گنجینہ	پھر حضور انور کی امت مرحومہ کے

سینہ کو کلام الٰہی اور کتاب اللہ کا خزینہ اور گنجینہ بنا دینا، یہ ایسی فضیلت ہے
کہ امم سابقہ میں سے کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ امم سابقہ کا حال یہ تھا کہ ان کے زمانے
کی کتاب الٰہی کا کوئی حافظ نہیں ہوتا تھا۔ صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی اس کے
حافظ ہوتے تھے۔ اور امۃ مرحومہ کا یہ حال ہے کہ بچہ بچہ، عورت، مرد، جوان، بوڑھے
ہر صنف میں حفاظ قرآن مجید مل سکتے ہیں بلکہ نابینا مسلمانوں میں بھی حفاظ
کلام مجید بکثرت موجود ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔ اس میں یہ بتانا منظور ہے
کہ ہم نے نہ صرف آپ کا شرح صدر کیا بلکہ امۃ مرحومہ کے سینوں کو بھی کھول دیا
افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ۔ بھلا اللہ سبحانہٗ
نے جس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیا تو (اس کا کیا پوچھنا، وہ تو) اس کے
پروردگار کے پاس سے آئی ہوئی روشنی اور نور پر قائم ہے۔" جو کام کرتا ہے
اس کی روشنی میں کرتا ہے پھر اس کے ثمرات کیا ہوں گے اس کا اندازہ کیجئے۔
یہ بھی ارشاد ہوا:۔ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہٗ للاسلام
پس جس کسی شخص کی نسبت ارادۂ الٰہی ہوتا ہے کہ اس کو راہ راست دکھائے
(اور اس پر چلائے) تو قبول اسلام کے لئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ اور وہ
خوشی خوشی دین اسلام اور اس کی ہدایات کو قبول کر لیتا ہے۔ اب اس کی

منتہائے تمنا یہ ہوتی ہے کہ اسی دینِ حق پر مدۃ العمر قائم رہے۔ اسی کے لئے زندہ رہے۔ اور اسی پر مرے اور فردائے قیامت اسی پر زندہ ہوکر دوبارہ اٹھے۔ یہ اعتقاد جہاں پختہ ہوا۔ مراحل زندگی کا سارا بوجھ اس کے سر سے اُتر گیا جس کے تصور سے اس کی پشت خمیدہ ہو رہی تھی اور کمر ٹوٹ رہی تھی۔ پھر ایسے بندۂ مومن کی شان عالی کیا پوچھتے ہو۔ ہر جگہ اس کا ذکر اور ہر وقت اسی کا چرچا ہے۔ یہ فضیلت اور منقبت حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع سے ہر مسلمان کو حاصل ہو سکتی ہے۔

حضور کا رفع ذکر درود شریف کے ذریعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفع ذکر کی ایک صورت درود شریف ہے۔ ارشاد باری ہے :- ان اللہ وملائکتہ یصلّون علی النبیّ یاآیھا الذین آمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً۔ یقین جانو کہ اللہ سبحانہٗ اور اس کے تمام فرشتے (جہاں جہاں، جس جس کام پر مامور و متعین ہیں ہر لحظہ اور ہر آن) نبی اکریم علیہ التحیۃ والتسلیم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم سب بھی آپ پر درود و سلام بھیجا کرو۔" اللھم صل وسلم وزد وبارک علیہ وعلی آلہ۔ پھر آپ کے طفیل میں آپ کی امۃ مرحومہ پر یہ کرم فرمایا گیا :-

ھوالذی یصلی علیکم وملا ئکتہ ۔ وہی خدا ہے جو (اے ایمان والو!) رحمت بھیجتا رہتا ہے تم پر اور اس کے تمام فرشتے بھی" جو زمین و آسمان عرش اعظم اور ملاء اعلیٰ ہر جگہ مامور و متعین ہیں ۔ پھر تمام ایمان والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ سب آپ پر ہمیشہ درود و سلام بھیجتے ہیں ۔ نیز آپ کا ذکر شریف اگلی تمام کتابوں اور صحیفوں میں فرمایا گیا اور انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کا عہد لیا گیا ۔ اگر آپ کا زمانہ پائیں جس کو میثاق النبیین کہتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول قرب قیامت میں اسی پر مبنی ہے ۔ پھر قرآن کریم میں آپ کو القاب شریفہ سے یاد فرمایا گیا ۔ مثلاً یایھا المزمل، یایھا المدثر، یایھا النبی، یایھا الرسول وغیرہ ۔ بخلاف انبیائے سابقین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے کہ ان کو ان کے ناموں سے یاد کیا گیا ۔ مثلاً یا آدم، یا نوح، یا ابراھیم، یاموسیٰ، یاداؤد، یا عیسیٰ وغیرہ ۔ اس سے آپ کے رفع ذکر کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ فرما لیا جائے ۔

اطاعت رسولؐ اطاعۃ اللہ پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اللہ سبحانہٗ کی اطاعت کے ساتھ اطاعت رسولؐ کا بھی حکم ہوا : اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول

اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی بھی اطاعت کیا کرو۔ بلکہ اس سے ترقی کرکے یہ بتا دیا گیا:۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی" پھر اطاعت و اتباع رسول کو اللہ سبحانہ کی محبت کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ ارشاد ہے:۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (اے نبی کریم!) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سبحانہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ سبحانہ تم کو اپنا محبوب بنائے گا" یہ مضمون بہت وسیع ہے۔ یہاں اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۗ "پس بیشک 94-5 94-6
دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے"

آیۂ کریمہ کی تفسیر جب (اے نبی کریم!) آپ کے مدارج و مراتب اتنے بلند کئے گئے ہیں کہ آپ کو کافۃ للناس کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا۔ تمام جن و انس کا رسول بنایا گیا۔ خاتم النبیین کے لقب سے ممتاز کیا گیا کہ آپ کے بعد پھر کوئی نبی نہ آئیں گے۔ قیامت تک آپ ہی کا حکم جاری رہے گا آپ کی کتاب کے بعد اور کوئی کتاب اتاری نہ جائے گی۔ آپ کی شریعت، تمام

شرائع اور ادیان کی ناسخ ہوگی تو ظاہر ہے کہ اس کی اشاعت و تبلیغ میں دشواریاں ہوں گی کیونکہ ع جن کے رتبے ہیں سوا ان پہ سوا مشکل ہے۔ ان صبر آزما مشکلات اور دشواریوں سے گزرنا ہوگا۔ اور تن من دھن کی بازی لگانی ہوگی۔ اور ہمارا وعدہ ہے کہ ہر تنگی کے ساتھ فراخی اور ہر دشواری کے ساتھ سہولت اور آسانی پیدا کی جائے گی۔ تا آنکہ تمام مشکلات اور دشواریوں پر آپ کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اور دنیا بھر کی سختیوں کے بادل چھٹ کر رہ جائیں گے۔ قدم قدم پر فتح و نصرت آپ کے قدم چومتی رہے گی اور آپ ہی کا بول بالا ہوگا۔

شانِ نزول حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ فرماتے ہیں:۔ بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن ثلاث مائۃ او یزیدون علینا ابو عبیدۃ بن الجراح لیس معنا من الحمولۃ الا ما نرکب فزودنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جرابا من تمر فقال بعضنا لبعض قد علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم این تریدون وقد علمتم ما معکم من الزاد فلو رجعتم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألتموہ ان یزودکم فرجعنا الیہ فقال انی قد عرفت الذی جئتم لہ ولو کان عندی غیر الذی زودتکم لزودتکموہ فانصرفنا ونزلت

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا فارسل نبی اللہ الی بعضنا فدعاہ فقال ابشروا فان اللہ قد اوحی الیّ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا ولن یغلب عسر یسرین۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول انس وجان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو (جہاد کے لئے) روانہ فرمایا' اس وقت ہم تین سو سے زیادہ ہی تھے۔ ابو عبیدہ بن الجراح ہمارے سردار تھے۔ ہمارے پاس ہماری سواریوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں کے دو تھیلے زادِ راہ کے طور پر ہمارے ساتھ فرمادیئے۔ (یہ قلیل مقدار دیکھ کر) بعض لوگ آپس میں یہ کہنے لگے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہے کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ اور تم کو بھی معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کس قدر زادِ راہ ہے؟ (مناسب ہوتا کہ) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کرکے مزید زادِ راہ کی درخواست کرتے۔ چنانچہ ہم نے آپ سے رجوع کیا۔ (ہم کو واپس آتے ہوئے دیکھتے ہی) حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم جس مقصد کے لئے آ رہے ہو ہم نے اس کو خوب پہچان لیا۔ جو زادِ راہ تمہارے لئے مہیا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا ہمارے ہاں اور کچھ ہوتا تو ضرور ہم تمہارے ساتھ کر دیتے۔ (یہ جواب سن کر) ہم واپس چلے گئے۔ ادھر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:۔ فان مع العسر یسرا ان

مع العسر یسرا۔ یقین جانو کہ تنگی کے ساتھ فراخی ہے (پھر) یقین مانو کہ تنگی کے ساتھ اور ایک فراخی ہے۔" اس کے نزول کے ساتھ ہی حضور اکرم نے ہم میں سے ایک صاحب کے پاس ایک شخص کو بھیج کر یہ پیام دیا کہ تم سب خوش ہو جاؤ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے میرے پاس یہ وحی بھیجی ہے کہ یقیناً تنگی کے ساتھ فراخی ہے بے شک تنگی کے ساتھ اور ایک فراخی ہے۔" (جب ہر ایک تنگی کے ساتھ دو دو فراخیاں ہیں تو) ایک تنگی' دو فراخیوں پر ہرگز غالب نہیں ہو سکتی۔"

طلبہ علوم عربیہ سے خطاب

ایک ایک عُسر (دشواری اور تنگی) کے ساتھ دو دو یُسر (دو سہولتیں اور دو فراخیاں) جو حدیث بالا میں ارشاد ہوئی ہیں وہ عربیت کے اس قاعدے پر مبنی ہیں :۔ النکرۃ المعادۃ ظاھرھا التغایر۔ ایک ہی کلمہ نکرہ جب دو دفعہ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے بظاہر وہی ایک چیز مراد نہیں ہوا کرتی جو پہلے بیان کی جا چکی ہے بلکہ اسی نوع کی دوسری چیز مراد ہوتی ہے جو پہلی چیز کے سوا ہو۔ اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر آیہ کریمہ فان مع العسر یسرا ان العسر یسرا پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کلمۂ عسر دو دفعہ ارشاد ہوا ہے مگر اس پر علامت تعریف الف ولام ہے

اس لئے کلمۂ عسر دو دفعہ مذکور ہونے کے باوجود ایک ہی عُسر مراد ہوگا۔ بخلاف
کلمۂ یُسر کے کہ یہ بھی دو دفعہ مذکور ہے مگر اس پر الف ولام نہیں ہے بلکہ یہ کلمہ
نکرہ لایا گیا اور بحالت نکرہ ہی اس کا اعادہ کیا گیا ہے اس لئے پہلے یُسر سے
ایک سہولت اور دُوسرے یُسر سے دوسری سہولت مراد ہوگی۔ اسی لئے حدیث
شریف میں ارشاد ہوا :۔ لن یغلب عسر یسرین ۔ ایک تنگی دو فراخیوں پر
ہرگز غالب نہیں ہوسکتی "

لن یغلب عسر یسرین کے معنیٰ

رہی یہ بات کہ ایک تنگی کے ساتھ دو فراخیاں
اور ایک مشکل کے ساتھ دو سہولتیں کیونکر حاصل ہوتی
ہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ایک سہولت وہ جو اس دشواری کے بعد دنیا
میں حاصل ہوئی اور دوسری وہ جو اس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ گویا دنیا کی
ہر ایک تکلیف دو راحتوں کا پیش خیمہ ہے ۔ ایک راحت دنیوی اور دوسری
راحت اخروی ۔ مگر تکلیف پر صبر کرنا شرط ہے۔ اور مومن کا شیوہ یہی ہے ۔
اور دنیوی تکالیف کی نسبت مومن کا عقیدہ ہی یہ ہے :۔ ما اصاب من
مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یومن باللہ یھد قلبہ ۔ نہیں پہنچتی کوئی
مصیبت مگر اللہ کے حکم و اجازت سے ۔ اور جو اللہ پر یقین رکھے تو اللہ اسکے

دل میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔" پھر جہاں یہ عقیدہ مستحکم ہوا تو مومن ہر مصیبت کو اللہ سبحانہ کی بھیجی ہوئی سمجھتا جائے گا۔ اور بجائے شکایت کے صبر کریگا۔ بلکہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی بنا پر اس کو مصیبت نہیں بلکہ نعمت جان کر خوشی خوشی اس کا استقبال کرے گا اور کہے گا ع ہرچہ از دوست می رسد نیکوست۔ کسی نے کیا خوب کہا: ؎

برجانم از تو ہر چہ رسد جای منت است گر ناوک جفاست وگر خنجر ستم

غزوۂ سیف البحر کا واقعہ غزوۂ سیف البحر کا واقعہ بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے جس کے امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ ہی تھے۔ اور لشکر کی تعداد بھی اتنی ہی تھی جتنی کہ حضرت جابرؓ کی روایت بالا میں تین سو یا اس سے زیادہ بتلائی گئی ہے اور ممکن ہے کہ حضرت جابرؓ نے اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہو۔ الغرض غزوۂ سیف البحر میں زاد راہ ختم ہوگیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک ایک کھجور لے کر چند صحابہ اس کو صرف چوس لیتے تھے پھر اس کو دوسرے کے حوالے کر دیتے۔ دوسرے صاحب اس کو چوس کر تیسرے کے حوالے کرتے۔ خدا کی قدرت کہ ایک دن کیا دیکھتے ہیں کہ ایک زبردست مچھلی جس کو عنبر کہتے ہیں سمندر نے اس کو ساحل پر پھینک دیا۔ وہ مچھلی کیا تھی ایک پہاڑ تھا۔ پھر کیا تھا کہ

صحابہ کرام اس پر ٹوٹ پڑے۔ اور ٹکڑے کر کر کے کئی دن تک کھاتے رہے اور اس کی چربی بدن پر ملتے رہے جس سے جسمانی حالت سابق کی طرح لوٹ آئی۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے اس کا سکھایا ہوا گوشت ساتھ رکھ لیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک دن مچھلی کی دو پسلیوں کو ملا کر کمان کی طرح کھڑا کرنے پھر سب سے اونچے اونٹ پر ایک اونچے آدمی کو بٹھا کر اس کمان میں سے گزرنے کا حکم دیا تو شتر سوار اس کے نیچے سے بآسانی گزر گیا۔ اس سے مچھلی کی جسامت کا اندازہ کر لیا جائے جس کو تین سو سے زیادہ آدمیوں کا لشکر کئی دن تک کھاتا رہا اور کچھ حصہ سکھا کر مدینۂ منورہ لایا گیا جس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کو ساتھ لیکر تناول فرمایا۔ یہ ہے فان مع العسر یسراً کی تفسیر کہ یقیناً تنگی کے ساتھ فراخی ہے" جو دنیا میں دکھائی گئی۔ آیندہ ان مع العسر یسراً کی تفسیر جو آخرت میں ان مجاہدین اسلام کو دکھائی جائے گی اور راہ خدا میں بھوک کی شدت اِن مردانِ خدا کو جو درپیش ہوئی تھی اس کا اجر جزیل جو دار آخرت میں ملے گا وہ علیحدہ محفوظ ہے۔

عسر و یسر ساتھ ہیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قاعدا ببقیع الغرقد فنزل الی حائط

فقال یامعشر من حضر و اللہ لو کانت العسر جاءت تدخل الجحر لجاءت الیسر حتی تخرجھا۔ (ابن النجار) حضرت رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع غرقد کے مقام پر تشریف فرما تھے پھر ایک باغ کی طرف رُخ فرما کر کہا اے جماعت حاضرین! فرض کرو کہ اگر تنگی اور دشواری کی صورت' اس پتھر میں گھس جانے کے لئے آئے تو خدا کی قسم ہے کہ فراخی کی صورت بھی اس کے ساتھ ساتھ اس پتھر میں داخل ہوگی اور اس تنگی کی صورت کو اس پتھر سے باہر نکال پھینک دے گی۔" اس مضمون کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حسن بصریؒ اور دیگر اصحاب سے بھی مروی ہیں جن کو طبرانی' ابن مردویہ' عبدالرزاق' سعید بن منصور' عبد بن حمید' ابن ابی الدنیا' ابن المنذر' بیہقی' ابن ابی حاتم' ابن جریر' حاکم وغیرہ نے اپنی کتب احادیث شریفہ میں نقل کیا ہے۔ نیز حضرت حسن بصریؒ سے یہ بھی مروی ہے:۔ خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوما فرحا مسرورا وھو یضحك ویقول لن یغلب عسر یسرین ان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا۔ (عبدالرزاق' ابن جریر' حاکم' بیہقی) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن فرحاں و شاداں تبسم کناں برآمد ہوئے اور فرمانے لگے کہ ایک دشواری' کبھی بھی دو

سہولتوں پر غالب نہیں آسکتی۔ پھر یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی کہ ہر دشواری کے ساتھ سہولت ہے اور ہر مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔ گویا مشکلات ہی گوناگوں سہولتوں کا پیش خیمہ ہیں۔ جب یہ بات کسی کے ذہن نشین ہو جائے تو کوئی مشکل ہو اور کتنی ہی کٹھن ہو آسان دکھائی دے گی بلکہ اس سے مسرت ہوگی۔

صبر واستقامت ضروری ہے

ان آیات کریمہ کا منشا یہ ہوا کہ انسان کو خلافت الٰہی کا فریضہ انجام دینے کے سلسلے میں کچھ دشواریاں اور مشکلات کا ضرور سامنا ہوگا۔ اور قدم قدم پر کوئی نہ کوئی رکاوٹ یقیناً درپیش ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مشکل اور دشواری اس کام کی اہمیت اور وسعت کی مناسبت سے پیش آئے گی جس کے سرانجام کا تہیہ کیا گیا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ ایسے موقع پر صبر و استقلال ہمت و استقامت سے کام لے۔ گھبرائے نہیں اور نہ پریشان ہو کر واویلا کرتا پھرے بلکہ ثابت قدم رہے پھر دیکھے کہ کامیابی قریب ہی ہے 'قریب ہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ہے۔ اسی مضمون کو کسی نے کیا خوب بیان کیا ہے: ؎

مرد باید کہ ہراساں نہ شود — مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ پھر آپ جب فارغ ہوں تو محنت کیجئے اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگائیے۔"

حرف آخر اس تمام تقریر کے بعد حرف آخر کے طور پر یہ ہدایت ہو رہی ہے کہ ہر انسان کے ذمہ کچھ فرائض اور ذمہ داریاں ہیں اور یہ فرائض اور ذمہ داریاں ہر انسان کی منزلت اور مرتبت کی مناسبت سے ہیں۔ مثلاً عوام کے حق میں نماز، روزہ اور جہاد، اور خواص کے لئے تعلیم و ارشاد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اہم ترین فرض تبلیغ احکام اور ہدایت عوام تھا جس میں لگے رہنے سے آپ کو رو بہ خلق رہنا پڑتا تھا۔ گو یہ فرض بھی اس اعتبار سے کہ اللہ سبحانہٗ کی طرف سے عاید ہوا ہے۔ رو بہ خالق رہنے کی ایک صورت ہے مگر بالواسطہ۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ جب اس سے فارغ ہوں تو ہمہ تن اپنے رب سے دل لگائیے کہ یہ صورت بلاواسطہ رو بہ خالق ہونے کی ہے۔ رہے عوام ان میں سے ہر شخص جب تک ادائے فرض میں لگا رہے تو اس کی نظر اور توجہ اس فریضہ کی طرف لگی رہتی ہے کہ ٹھیک طریقہ پر فرض ادا ہو رہا ہے یا نہیں۔ پھر جب اپنے فرض کی ادائگی سے سبکدوشی حاصل ہو تو فرض کی طرف سے توجہ کو ہٹا کر

اپنے رب سے دل لگائے جس نے وہ فرض ہمارے ذمہ گردانا ہے اگر فریضہ کما حقہ انجام پائے تو اس پر شکر کرے اور پروردگار عالم سے عرض کرے کہ یہ جو کچھ بھی ہوا آپ ہی کی توفیق و عنایت سے ہو سکا۔ ورنہ ہم کہاں اور یہ فریضہ اہم کہاں :ـ

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا　　ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ بھی ہوا، ہوا کرم سے تیرے　　جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا

اور اگر ادائے فرض میں کچھ کوتاہی رہی تو اس کی تلافی کی سعی کرے اور اگر تلافی کی کوئی صورت نہ ہو تو اللہ پاک کی جناب میں معافی مانگے۔ توبہ و انابت، استغفار و ندامت سے کام لے۔ تاکہ مزید سہولتوں کا موجب ہو۔ اس مضمون کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے :ـ

فاذا فرغت کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :ـ اذا فرغت من الصلاۃ فانصب فی الدعاء واسأل اللّٰہ وارغب الیہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں مشغول ہو جائیں اور اللہ سبحانہ ہی سے درخواست کریں اور اسی کی طرف راغب ہوں۔" اس مضمون کو دوسری روایت میں آپ نے یوں

واضح کیا:۔ قال اللہ لرسولہ اذا فرغت من صلاتک و تشھدت فانصب الیٰ ربّک واسأله حاجتک۔ (ابن مردویہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اپنے رسول پاک سے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ جب اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں اور تشہد بھی ختم کر لیں (جس میں حق سبحانہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی عبدیت و رسالت کی گواہی شامل ہے) تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جایئے اور اپنی حاجت' (اللہ کے آگے) پیش کیجئے''۔ یہی مضمون حضرت ابن مسعود' ضحاک' مجاہد' قتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات سے بھی ثابت ہے کہ اداۓ نماز کے بعد دُعا میں مشغول ہونا چاہئے۔ البتہ فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہاں دُعا سے کونسی دعا مراد ہے؟ آیا وہ دعائے ماثورہ جو تشہد و درود ابراہیم کے بعد' سلام سے پہلے نمازوں کے ختم کے موقع پر پڑھی جاتی ہے؟ یا وہ دعا جو سلام کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر مانگی جاتی ہے؟ بعض اصحاب نے دعائے ماثورہ مراد لی ہے اور بعض نمازوں کے بعد کی دعا کے قائل ہیں۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں طریقے مروی ہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اسلم طریقہ یہ ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے یعنی دعائے ماثورہ بھی پڑھی جایا کرے اور ختم نماز کے بعد تسبیحات سے

فارغ ہوکر بھی دعا کی جائے۔ احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ نمازوں کے بعد دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اور کیوں مستجاب نہ ہوگی جب کہ رب العزت جل جلالہٗ و عم نوالہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا حکم فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب احکم الحاکمین کے حکم کی تعمیل میں درخواست پیش کی جارہی ہے، بلکہ بعض دعاؤں کا مضمون اور نمونہ، نیز پیش کرنے کا وقت، مقام، طریقہ وغیرہ سب کچھ بتا دیا گیا ہے اور ان تمام امور کے پیش نظر دعا کی جارہی ہے تو ان شاء اللہ وہ ضرور بالضرور مستجاب ہوکر رہیگی۔

الحمد للہ کہ سورۂ انشراح کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

95 SOURAH TEEN Verses 8

سورۂ تین

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اس میں آٹھ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ربط اور سورت ماقبل سے اس کی مناسبت اس طرح ہے کہ ماقبل سورت کریمہ میں حضور سید الانس والجان و اکرم خلق الرحمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات خاصہ اور آپ پر اللہ سبحانہ کے جو مخصوص عنایات و الطاف ہیں ان کا بیان فرمایا گیا تھا۔ اب اس سورت شریفہ میں حضور اکرم الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات عالیہ کے بیان کے ساتھ یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے مدارج عالیہ کیا ہیں ؟ نیز جو ایمان و عمل صالح سے دور ہیں وہ کس ورطۂ تنزل میں پڑے رہیں گے ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر کی جو امن والا ہے بے شک ہم نے بنایا انسان کو بہتر سے بہتر انداز ے پر۔"

والتین کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، حسن بصری، ابراہیم نخعی، عطاء، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ علیہم اجمعین جو ائمہ تفسیر ہیں سب کے سب اس امر پر متفق ہیں: — تینکم الذی تاکلون وزیتونکم الذی تعصرون منه الزیت۔ (مظہری) تین یعنی انجیر سے یہاں وہی انجیر مراد ہے جس کو تم سب لوگ کھاتے ہیں۔ اور زیتون سے یہی زیتون کے پھل مراد ہیں جس کو نچوڑ کر روغن زیتون نکالتے ہیں۔" اس میوے اور اس پھل کی قسم دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے فوائد و منافع اور افعال و خواص بے شمار ہیں۔

انجیر کے فوائد و منافع انجیر خوش ذائقہ اور لطیف غذا ہے جو بہت جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی حصہ مغز ہو یا پوست و تخم پھینکنے کے قابل نہیں بلکہ کھانے کے قابل ہے اور کھایا جاتا ہے وہ جنتی میووں کے مشابہ ہے کہ وہاں کے میوے بھی پورے پورے کھالینے کے قابل ہوں گے

خواہ پوست ہو یا مغز، انکارس ہو یا گٹھلی، بلکہ حدیث شریف میں یہ صراحت آئی ہے کہ جنتی میووں میں گٹھلی نہ ہوگی۔ نیز انجیر میوہ ہے جو تفکہ کے طور پر کھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ انجیر دوا بھی ہے جو مختلف بیماریوں میں بطور علاج استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں ہے:۔ اھدی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طبق من تین فاکل منہ وقال لاصحابہ کلوا۔ فلو قلت ان فاکھۃ نزلت من الجنّۃ لقلت ھذہ لان فاکھۃ الجنۃ بلا عجم فکلوہ فانہ یقطع البواسیر و ینفع من النقرس۔ (رواہ ابوذر) حضور اطہر صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں انجیر کا ایک طبق لایا گیا تو آپ نے اس کو تناول فرمایا اور اپنے اصحاب کبارؓ سے فرمایا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ اگر میں یوں کہوں کہ جنت سے ایک بہترین میوہ اُتر آیا ہے تو میں ضرور یہ کہتا کہ وہ جنتی میوہ یہی ہے۔ کیونکہ جنت کے میووں میں گٹھلی نہیں ہوتی۔ لہذا اس کو کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو دفع کرتا ہے اور نقرس کے لئے بھی مفید ہے۔" کتب طب سے پتہ چلتا ہے کہ انجیر وجع مفاصل اور دفع اورام کے لئے بھی مفید ہے۔

انجیر غذا بھی ہے اور میوہ اور دوا بھی	انجیر کا غذا ہونا بالکل کھلی ہوئی بات ہے

کیوں کہ جن ممالک میں اس کے درختوں کی کثرت ہے اور تمام جنگل اس سے بھرے پڑے ہوتے ہیں تو وہاں کے باشندے انجیروں ہی سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں اور انجیر ہی ان کی عام غذا ہوتی ہے۔ انجیر کو نہار کھانا صحت کے لئے بہت ہی مفید بتایا گیا ہے۔ دوسرے ممالک جہاں ان کی ایسی بہتات نہیں اس کو میوے کے طور پر کھاتے اور اس خوش ذائقہ لطیف اور خوشگوار میوے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مریض اس کو مخصوص امراض میں بطور دوا و علاج استعمال کرتے ہیں۔ طب کی کتابوں میں اس کے منافع اور فوائد بے شمار بتلائے گئے ہیں۔ طب نبویؐ سے بواسیر اور نقرس کے لئے اس کا مفید ہونا ابھی ابھی معلوم ہوا۔ سدّے معدہ میں ہوں یا رگوں اور شرائین وغیرہ میں انجیر کے استعمال سے کھل جاتے ہیں۔ جگر کو تقویت دیتا، طحال کے ورم کو دفع کرتا ہے۔ خفقان۔ کھانسی۔ درد سینہ اور گردوں کے لئے بہت مفید ہے۔ حضرت سیدنا علی موسیٰ رضا علی جدہ و علیہ السلام فرماتے ہیں: — انّہ یذیل نکھۃ الفم ویطول الشعر وھو امان من الفالج، انجیر سے منہ کی بدبو دفع ہوتی بال بڑھتے ہیں اور اس کے کھانے سے فالج جیسا موذی اور مہلک مرض لاحق ہونے نہیں پاتا۔ غرض اس کے فوائد و منافع بکثرت ہیں۔ انجیر کے بارے میں کہا گیا ہے:—

یا ا شبہ شجرتہ بمؤثر علی نفسہ و بکریم یفعل ولا یقول ۔ انجیر
ئت کی مثال، ایسے شخص کی سی ہے جو اپنی جان پر کھیل کر دوسروں پر ایثار
ر نفع پہنچاتا ہے اور اس کی مثال ایسے سخی کی ہے جو اپنی سخاوت کے نمونے
ت دکھاتا رہتا ہے مگر کبھی زبان سے کچھ نہیں کہتا۔"

زیتون کے فوائد و منافع یہی حال زیتون کا ہے کہ اس کے منافع اور فوائد کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ نانخورش (سالن) بھی ہے اور میوہ بھی اور دوا بھی۔ اس کی چکنی حد درجہ ہاضم، مقوی ہے۔ اس کے استعمال سے رنگ صاف ہوتا، اخلاط کی صفائی ہوتی، سُدے کھلتے، جراثیم دفع ہوتے، پیشاب صاف آتا، کنکری جو مثانے یا گردوں میں پیدا ہوتی ہے وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر نکل جاتی ہے۔ چھائیاں اور دھبے دفع ہوتے، بینائی کی قوت بڑھتی ہے۔ اس کی فضیلت اور کیا ہوگی کہ مساجد کی روشنی اسی کے تیل سے کی جاتی رہی ہے۔

قرآن کریم میں اس کی تعریف یوں وارد ہوئی ہے۔ شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ۔ زیتون کا نہایت ہی بابرکت درخت۔" دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ وشجرۃ تخرج من طور سیناء تنبت بالدھن وصبغ للاکلین ۔ اور وہ درخت (بھی اللہ سبحانہ نے پیدا کیا ہے) جو طور سینا (کے مبارک مقام) سے نمودار ہوتا ہے

روغن اُگاتا ہے اور (روٹی) کھانے والوں کے لئے سالن کا کام دیتا ہے۔"
بدن پر اس کی مالش کی جاتی ہے تو میل کچیل صاف ہوتا۔ رنگ نکھرتا، درد
اور بدن میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال انجیر اور زیتون جن کے فوائد
ہیں ان کی قسم دی جا رہی اور ان کو گواہ ٹھہرایا جا رہا ہے۔ آگے آنے والے د
یہ تفسیر اس اعتبار سے ہے کہ تین اور زیتون سے حقیقۃً انجیر اور زیتون ہی
مراد لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ حسن بصری وغیرہم سے مروی ہے۔

دوسری تفسیر | بعض مفسرین کرام نے انجیر و زیتون بکثرت پیدا ہونے والے مقامات مراد لئے ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ لما نزلت سورۃ التین علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرح بھا فرحا شدیدا حتی تبین لنا شدۃ فرحہ فسألنا ابن عباسؓ عن تفسیرھا فقال التاین بلاد الشام والزیتون بلاد فلسطین وطور سینین الذی کلم اللہ موسی علیہ وھذا البلد الامین مکۃ۔ (خطیب بغدادی، ابن عساکر) جب حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین پر سورۂ تین (جو مکہ مکرمہ میں) نازل ہوا تھا (آپ کے پاس پڑھا گیا) تو آپ اس سے بہت ہی خوش ہوئے اتنا کہ کمال مسرت کے آثار ہم پر بھی نمایاں ہوئے۔ پھر (ایک عرصہ بعد) ہم نے اس کی تفسیر ابن عباسؓ سے دریافت کی۔ انھوں نے کہا کہ تین (انجیر) سے بلاد شام (دمشق، بیت المقدس وغیرہ) مراد ہیں (جہاں انجیر کے درختوں کی کثرت ہے وہاں کے تمام پہاڑ بھی ان درختوں سے پٹے ہوئے ہیں) اور زیتون سے بلاد فلسطین (شرق اردن وغیرہ) مراد ہیں (جہاں زیتون کے درختوں کی کثرت ہے) اور طور سینین (وہی پہاڑ ہے جس پر سے) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی ہوئی۔ اور اس امن والے شہر سے مکہ مکرمہ مراد ہے،

ان مقامات اور ان پہاڑوں کی قسم اس اعتبار سے کہ یہ متبرک مقامات
جلیل القدر انبیائے کرام و رسل عظام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی پیدائش
کے مقامات ہیں جہاں وحی الٰہی نازل ہوتی رہی ۔ حضرت قتادہ والتین والزیتون
کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ التین الجبل الذی علیہ دمشق والزیتون
الذی علیہ بیت المقدس وطور سینین قال جبل بالشام مبارک
حسن ذو شجر وھذا البلد الامین قال مکۃ ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید،
ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن عساکر) **تین** سے وہ پہاڑ مراد ہے جس پر شہر دمشق
آباد ہے اور **زیتون** وہ پہاڑ ہے جس پر بیت المقدس واقع ہے اور
طور سینین ملک شام کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو بڑی برکت والا اور
نہایت حسین و خوب صورت ہے (جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی اور
شرف مکالمت حاصل ہوا) اور اس امن والے شہر سے مکہ مکرمہ مراد ہے "زادہا اللہ
تعالیٰ شرفاً وتعظیماً ۔ جہاں حضور سرور دو جہاں علیہ صلوات الرحمان کی ولادت
باسعادت عمل میں آئی ۔ اور حضرت ابو حبیب حارث بن محمد فرماتے ہیں :۔
اربعۃ جبال مقدسۃ بین یدی اللہ تعالیٰ طور زیتا وطور سینا
وطور تینا وطور تیما وھو قول اللہ والتین والزیتون وطور

سینین وھذا البلد الامین فاما طور زیتا فبیت المقدس واما طور سینا فالطور واما طور تینا فدمشق واما طور تیما فمکۃ۔ (سعید بن منصور) چار پہاڑ ہیں جو اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت مقدس ہیں۔ طور زیتا، طور سینا، طور تینا، اور طور تیما، ارشاد باری تعالیٰ والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین میں ان ہی چار مقدس پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں سے طور زیتا بیت المقدس ہے اور طور سینا وہی پہاڑ ہے جو کوہِ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اور طور تینا دمشق ہے رہا طور تیما، اس سے مکۂ مکرمہ مراد ہے۔" اس سلسلہ میں اور بھی اقوال اور روایات ہیں۔

احسن تقویم کی تفسیر

غرض ان چار چیزوں یا چار مقدس پہاڑوں کی قسم سے موثق و مؤکد کر کے اور ان کو گواہ ٹھہرا کر ارشاد ہو رہا ہے:۔ لَقَدۡ خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ فِيٓ أَحۡسَنِ تَقۡوِيمٖ۔ بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین انداز سے، بہتر سے بہتر قامت اور اچھی سے اچھی صورت میں۔" کہ اس سے بہتر کوئی اندازہ، کوئی قامت اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ جس میں ہر کمال کی استعداد اور ہر نوع کی صلاحیت اس درجہ ودیعت ہے کہ ہجدہ ہزار مخلوقات میں سے کوئی مخلوق بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سارا عالم اس کے آگے قاصر اور عاجز ہے۔

کائنات پر انسان کی برتری	کائنات پر نظر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ جمادات ہیں یا نباتات' حیوانات ہیں یا انسان اشرف المخلوقات'

ان میں سے جو جمادات ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ ایک حال پر ایک جگہ رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں حرکت نام کو نہیں ہے۔ نباتات بھی اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے اگرچہ وہ ہوا کے جھونکوں سے ہلتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ان کی یہ حرکت ارادی نہیں۔ حیوانات متحرک بالارادہ ہیں اور حس بھی رکھتے ہیں لیکن پیدائشی طور پر ان کے سر یا تو جھکے ہوئے ہیں جیسے اپنے پاؤں پر چلنے والے جانور' یا ایسے جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ مگر انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو حساس بھی ہے اور متحرک بالارادہ بھی۔ اس کے علاوہ صفت نطق و گویائی کی بدولت سب سے ممتاز ہے اللہ سبحانہ نے اس کو راست قامت بنایا ہے۔ انسان کی یہ سربلندی اس کے علو مرتبت کی دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ وان من شیئ الا یسبح بحمدہ کی بموجب کہ کائنات کی ہر کوئی چیز' اللہ سبحانہ تسبیح اور حمد میں لگی ہوئی ہے" اگر یوں کہا جائے کہ جمادات حالت قعود میں ہیں اور نباتات قیام میں۔ اسی طرح وہ حیوانات جو زمین پر چلتے ہیں رکوع میں ہیں اور رینگنے والے جانور سر بسجود ہیں تو یہ دعوی اس حد تک تسلیم ہے۔ لیکن انسان کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ

راست قامت ہونے کے اعتبار سے قیام میں ہے اور زمین پر بیٹھا رہنے کے اعتبار سے قعود میں ہے۔ پھر وہ رکوع بھی کرسکتا ہے اور سجود بھی۔ لہذا انسان تمام اصناف کائنات اور ان کی عبادات کا جامع ہے۔ اور اسی سے اس کی فضیلت جملہ کائنات پر ثابت ہے۔

انسان کی قوت اور تدبیر حیوانات میں سے بعض زمین پر چلتے ہیں۔ بعض ہوا میں اڑتے ہیں۔ بعض زمین پر رینگتے ہیں۔ بعض زیر زمین اپنا مسکن بنائے ہوئے ہیں۔ جو جانور پانی میں رہتے ہیں وہ پانی پر تیرتے اور اس میں غوطہ لگاتے ہیں۔ انسان بھی زمین پر چلتا' ہوا میں اڑتا' زیر زمین تہ خانے بناتا پانی پر تیرتا اور اس میں غوطہ لگاتا ہے۔ انسان نہ صرف ان تمام کمالات کا جامع بلکہ جملہ حیوانات پر گوئے سبقت لے جاتا ہے۔ زمین پر چلنا ہو' یا ہوا میں اڑنا' زیر زمین اپنا مسکن بنانا ہو یا پانی پر تیرنا اور اس میں غوطہ لگانا' یہ تمام امور ایسے ہیں کہ کوئی حیوان بھی انسان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کتنے جانوروں پر سواری کرتا' اور کتنوں سے اپنے کام لیتا' ان کا دودھ پیتا' گوشت کھاتا' اور اپنی غذا بناتا ہے۔ کتنوں کا شکار کرتا اور ان کو قید و بند میں لاتا ہے۔ شیر کی قوت اور لومڑی کی حیلہ جوئی اور بہانہ سازی' انسان کے آگے ہیچ ہے' نہ صرف یہی بلکہ بڑے بڑے

پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرتا، درختوں کو چیرتا، سمندروں کا رُخ بدل دیتا ہے۔ بروبحر فضائے بسیط بلکہ افلاک پر بھی اس کی حکومت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اب کوشش ہورہی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ چاند، زہرہ، مشتری و مریخ تک رسائی حاصل کرے۔ قدرت کا ایک ایک راز اس پر کھلتا جارہا ہے اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کائنات کی ایک ایک چیز کی تحقیق و تجسس میں لگا ہوا ہے۔ یہی استعداد اور اسی نوع کی بے شمار صلاحیتیں ہیں جن کے مدنظر ارشاد باری ہو رہا ہے:۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ بے شک ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر اور اچھے سے اچھے اور حسین سے حسین اندازے، قامت، اور صورت پر بنایا ہے۔"

انسان کا احسن تقویم میں ہونا رُوحانی اعتبار سے

یہاں تک تو انسان کی مادی ترقیوں کا مختصر سا بیان تھا لیکن انسان کی جودتِ عقل اور جولانگاہِ فکر جو کائنات کی ظاہری تحقیق اور باطنی تدقیق کا ٹھیکہ لی ہوئی اور اس کا خود کو ذمہ دار بنائی ہوئی ہے اس کے قطع نظر بھی انسان میں وہ ملکاتِ فاضلہ اور استعداداتِ کاملہ ہیں کہ اس کی نظر عالم غیب و شہادت کا نگم ہے اور افادہ و استفادہ کی بے پناہ قوت اپنے اندر رکھتی ہے جو طبعیات و عنصریات سے گزر کر عالم ملکوت پر اپنی برتری جتاتے ہوئے عالم لاہوت کی سیر کرتی ہے اور الٰہیات کے

متن کی شرح کرتی اور عجائبات الٰہیہ کی دریافت کرتی اور ما کان وما یکون کے پردے اٹھاتی ہے۔ اور وہ وہ کام کرتی یا ان کی خبر دیتی ہے جو ساکنین ملکوت کے بس کی بھی بات نہیں۔ انسان کی ان ہی صلاحیتوں اور استعداد کے پیش نظر یہ قطعہ کہا گیا ہے جو حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے۔ ؎

دواؤك فيك ولا تشعر　　وداءك فيك وما تبصر
وتزعم انك جرم صغير　　وفيك انطوى العالم الاكبر

اے انسان! تیری تمام درماندگیوں کا علاج تجھی میں ودیعت ہے لیکن تجھکو اس کا شعور نہیں اور تیرے سارے امراض اور کوتاہیاں بھی تجھی میں ہیں لیکن یہ نکتہ تیری نظر سے اوجھل ہے تو اس خیال خام میں پھنسا ہوا ہے کہ کائنات کے مقابلہ میں تیری حیثیت ایک جرم صغیر اور جرثومۂ حقیر سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ یہ تمام عالم اکبر تجھی میں سمایا ہوا ہے"

صفت کمال انسان سے مختص ہونا اسکی برتری کا ثبوت

علم حیوانات کے ماہرین کہتے ہیں کہ ہاتھی میں جس قدر اعضاء وجوارح موجود ہیں وہ تمام کے تمام مچھر میں بھی موجود ہیں بااین ہمہ مچھر کو قدرت نے دو پر بھی دئے ہیں جن سے ہاتھی محروم ہے۔

یہیں سے سمجھ لیجئے کہ کائنات کے ساتھ انسان کی کیا نسبت ہے؟ خلاصہ یہ کہ اللہ سبحانہ نے تمام مخلوقات کے مقابلہ میں صفت کمال انسان اور صرف انسان کے حصے میں ودیعت رکھی ہے خواہ کوئی کمال نہ ہو۔ تنزل سے ترقی کی سمت، یا ترقی سے تنزل کی جانب۔ بہرحال کمال بجائے خود من حیث ھو کمال ایک صفت حسنہ ہے جو انسان کی ذات کے ساتھ مختص ہے مخلوقات میں سے کوئی مخلوق اس کی ہمسر نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے ارشاد ہو رہا ہے:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم "بے شک ہم نے انسان کو بہترین انداز پر پیدا کیا ہے کہ اس سے بہتر کوئی انداز نہیں ہو سکتا" اس کے ساتھ ہی ہم کو اللہ سبحانہ کی نسبت یہ ماننا پڑے گا: فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ "پس اللہ سبحانہ کی ذات بڑی بابرکت ہے جو احسن الخالقین ہے" یوں تو صفت خلق و تخلیق، اللہ سبحانہ کی ذات کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ مدعیان باطل کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ جس خدا نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا وہی مستحق ہے اس امر کا کہ اس کو احسن الخالقین کہا جائے۔

انسان کے احسن تقویم میں ہونے کا ایک اور ثبوت

انسان کا احسن تقویم میں ہونا یوں بھی ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ کے صفات سبعہ جن پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہیں:۔ حیات، علم، سمع، بصر، کلام، ارادہ اور قدرت، حق سبحانہ

تعالیٰ نے ان ساتوں صفات کاملہ کا مظہر اور نمونہ انسان کو بنایا ہے اور یہ ساتوں صفات انسان کی ذات میں ودیعت رکھی ہیں۔ ان میں سے انسان کی ایک ایک صفت اللہ سبحانہ تعالیٰ کی صفات سبعہ کاملہ کی یاد دہی کرتی رہتی ہے۔ پھر انسان کو دیگر صفات الٰہیہ کی بابتہ حکم دیا گیا: تخلقوا باخلاق اللہ۔ کوشش کرو کہ اللہ سبحانہ کے اخلاق، خود میں پیدا و نمایاں ہوں" رحم، عفو، کرم، وغیرہ سبھی صفات حسنہ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ ظلم سے روکا گیا، ضرورت پر انتقام کی اجازت دی گئی مگر اسی حد تک کہ جتنی بدسلوکی کسی نے کسی کے ساتھ کی ہو۔ اس حد سے تجاوز کو منع کیا گیا۔ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ بدسلوکی کی مقدار اور حد کی دریافت مشکل نظر آئے تو معافی دیدینے ہی کی ترغیب دی گئی۔ انسان کو جب خلیفۃ الرحمٰن بنایا گیا اور ملائکہ کرام کو اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بتا دیا گیا کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ اللہ سبحانہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے" تو انسان کے احسن تقویم پر ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

ایک مسئلہ طلاق پر قرآن سے استدلال

قاضی یحییٰ بن اکثم کا ایک فیصلہ اہل علم کے نزدیک مشہور ہے کہ ان کے زمانہ کے بادشاہ نے چاندنی رات میں اپنی بی بی سے مخاطب ہو کر کہا: ان لم تکونی احسن من القمر فانت کذا۔

اگر تم خود کو چاند سے زیادہ خوب صورت ثابت نہ کر دگی تو تم کو طلاق ہے۔" اس پر تمام علماء نے طلاق کا فتویٰ دیا۔ جب یہ فتویٰ قاضی صاحب موصوف کے پاس پیش ہوا تو انھوں نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اپنے اساتذہ کا بھی خلاف کیا تو جواب دیا کہ جس کا علم ہم سب سے زیادہ ہے اس نے ایسا فتویٰ دیا ہے:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو بیشک بہتر سے بہتر صورت پر پیدا کیا ہے۔" اس کے خلاف میں کیسے فیصلہ صادر کر سکتا ہوں۔"

احسن تقویم کی دوسری تفسیر حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ قال شباب وشدتہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ارشاد باری تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اچھی صورت، معتدل خلقت پر بنایا (پھر اس کو) بھرپور جوانی دی، اور ہر طرح کی قوت بخشی۔" کہ اس پر جتنی بھی ذمہ داریاں عاید کی جائیں ان کے انجام دینے سے جی نہیں چراتا۔ خواہ ان کا تعلق تہذیب نفس سے ہو یا تدبیر منزل سے یا سیاست مدن سے۔ ہر کام میں دل کھول کر حصہ لیتا اور ہر فرض کو کما ینبغی ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ ہر کام کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتا اور

گزرے ہوئے لوگوں پر بھی سبقت لیجاتا ہے۔ اس اعتبار سے موجودات عالم پر نظر ڈالو تو انسانی ایجادات و اختراعات کی ایک نئی دنیا ہی بسی ہوئی نظر آتی ہے کہ ہر میدان خواہ وہ علم و معرفت کا ہو یا عمل و اختراع کا۔ اپنے اندر بڑی وسعت اور گنجایش رکھتا ہے۔ گزرے ہوئے لوگوں کی تاریخ پڑھو۔ اور موجودہ دور کے واقعات کا مشاہدہ کرو تو پتہ چلتا ہے کہ ہر دور میں اس وقت کے حالات اور اقتضا کے مطابق اہم تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس وقت بھی ہو رہی ہیں اور آئندہ بھی ایسی تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ زمانہ ایک حال پر قائم نہیں ہے ہر لحظہ اور ہر آن نت نئی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ ایک سے ایک بہتر اور ایک سے ایک مفید تر۔ بہرحال جب مخلوقات میں صفت کمال انسان کی ذات میں ودیعت رکھی گئی ہے تو اس کا ظہور کس طرح ہو رہا ہے؟ اس کی نسبت ارشاد ہے:—

95-5 ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا 95-6
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ پھر پھینک دیا
اس کو نیچوں سے نیچے۔ مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے‘ ان کے لئے ہے
ثواب بے انتہا“

اسفل سافلین کی تفسیر

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں: — ثم رددناہ

اسفل سافلین قال یرد الی ارذل العمر (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)
ارشاد باری تعالیٰ ثم رددناہ اسفل سافلین سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اسکی
جوانی اور قوت کے دور کے بعد پھینک دیا نیچوں سے نیچے۔ یعنی نکمی عمر کی طرف ڈھکیل
دیا جس کے باعث وہ یا تو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر رہا تھا۔ اور ترقی کے
مدارج طے کرتا جاتا تھا۔ اب نکمی عمر کی منزل میں جا پہنچا تو اس کی یہ حالت ہوگئی کہ
پست سے پست تر مقام میں جاگرا۔ اس حالت میں نہ وہ کیف جوانی ہے اور نہ
وہ قوت و جولانی۔ درماندگی کی ایسی پست اور نکمی منزل میں اتر آیا ہے کہ اس سے
پست تر کوئی منزل نظر نہیں آتی۔ اب وہ حیوانات سے بھی گرا ہوا ہے اور نباتات
و جمادات سے بھی گیا گزرا ہے کہ کوئی بھی اس کو خاطر میں تک نہیں لاتا۔

اجر غیر ممنون کی تفسیر اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے اچھے تو
ان کے لئے ہے ثواب جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے" حضرت حبر الامۃ ابن عباسؓ
فرماتے ہیں:۔ فایما رجل کان یعمل عملا صالحا وھو قوی شاب فعجز
عنہ جری لہ اجر ذلک العمل حتی یموت۔ چنانچہ جو کوئی مومن کسی اچھے
کام میں لگا ہوا تھا جب کہ وہ قوی اور جوان تھا اب وہ ارذل العمر کو پہنچکر اس سے

عاجز رہ گیا ہو تو اس کے اس عمل صالح کا ثواب اس کے اعمال نامہ میں لکھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ اس کا آخری وقت آجائے جس میں اس کی موت مقدر ہے۔" یہ فضیلت صرف مومنین صالحین کے لئے ہے۔

بیر مومن پر اللہ کا فضل حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں مزید صراحت یہ ہے:۔ اذا بلغ المؤمن ارذل العمر وکان یعمل فی شبابہ عملا صالحا کتب اللہ لہ من الاجر مثل ما کان یعمل فی صحتہ وشبابہ ولم یضرہ ما عمل فی کبرہ ولم یکتب علیہ الخطایا التی یعمل بعد ما یبلغ ارذل العمر (سعید بن منصور، ابن جریر، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) بندۂ مومن جب نکمی عمر کو پہنچ جاتا ہے اور وہ اپنی جوانی میں جو کچھ اعمال صالحہ کیا کرتا تھا تو اللہ سبحانہ روزانہ وہ تمام اعمال صالحہ جو اپنی تندرستی اور جوانی میں کیا کرتا تھا (اور اب بڑھاپے کی وجہ سے ان اعمال صالحہ کی بجا آوری سے عاجز اور قاصر رہ گیا ہے) اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے بڑھاپے میں اس سے کوئی برا کام سرزد ہو یا ارذل العمر کو پہنچ جانے کے بعد اس سے غلطیاں سرزد ہوں تو ان کو نہیں لکھا جاتا۔" یہ اسی صورت میں ہے جب کہ اس کے حواس قائم نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کی مثال ایک مجنون کی سی ہے جو شرعاً مرفوع القلم ہے، یا وہ نابالغ

کم عمر بچے کی طرح ہے جو شریعت کی پابندی سے آزاد ہے۔ لڑکپن کے زمانہ کی غلطی غلطی نہیں اور اس زمانہ کا گناہ نہیں۔ مجنون کا حال بھی یہی ہے۔

بیمار اور مسافر پر اللہ کا فضل حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اذا کان العبد علی طریقۃ من الخیر فمرض اوسافر کتب اللہ لہ مثل ما کان یعمل ثم قرأ لھم اجر غیر ممنون۔ (ابن مردویہ) جب بندہ (اپنی تندرستی میں یا وطن میں مقیم رہنے کے زمانے میں) بھلائی کی راہ پر قائم تھا (یعنی کچھ کارہائے خیر کیا کرتا تھا) پھر وہ بیمار ہوگیا یا سفر پر روانہ ہوا (اب اس حالت میں وہ کارہائے خیر اس سے چھوٹ گئے یا خلل پذیر ہوئے) تو اللہ سبحانہ (اس کے دوبارہ تندرست ہونے تک یا مسافر کے اپنے وطن کو واپس آنے تک) اتنے ہی اعمال صالحہ اس کے اعمال نامہ میں لکھوا تے رہتے ہیں جنکو وہ صحت واقامت کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔" گویا انسان کے ارذل العمر کو پہنچنے سے پہلے بھی مرض یا سفر کی وجہ سے اس کی کوتاہی سے درگزر کرکے پورا پورا اجر اس کے اعمال نامے میں لکھے جانے کا حکم فرماتے ہیں۔ یہ اللہ سبحانہ کا فضل ہے جو مومن صالح کے حال پر ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ۔ حضرت امام بخاری نے بھی اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے۔

آفت زدہ اور مبتلا پر اللہ کا فضل

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے :—

اذا ابتلیت عبدا من عبادی مؤمنا فحمدنی علی ما ابتلیتہ فانہ یقوم من مضجعہ کیوم ولدتہ امہ من الخطایا ویقول الرب عز وجل انی انا قیدتہ وابتلیتہ فاجروا لہ ما کنتم تجرون لہ قبل ذلک وھو صحیح۔ (طبرانی) (اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندۂ مومن کو کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ میری اس ابتلاء و آزمائش پر میری حمد کرتا ہے تو وہ جب اپنی خوابگاہ سے اٹھتا ہے تو ایسی حالت میں اٹھتا ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت گناہوں سے پاک صاف تھا۔ اور پروردگار عز وجل کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کو میں نے ہی اپنی قید میں مقید کیا ہے اور اپنے ابتلا میں مبتلا کیا ہے لہٰذا (اے فرشتو!) اس کے اعمال صالحہ کو لکھنا جاری رکھو جو اس کی تندرستی کے زمانے میں لکھا کرتے تھے۔"

کراماً کاتبین کو اللہ کا حکم

حضرت مکحول تابعی سے روایت ہے کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے :— اذا مرض العبد یقال لصاحب الیمین اکتب لہ احسن ما کان یعمل فانی اعلم بہ وانا قیدتہ

(ابن عساکر) جب بندہ بیمار ہوجاتا ہے تو بائیں جانب جو فرشتہ (انسان کی بداعمالیوں کو لکھنے کے لئے) مامور و متعین ہے اس سے (اللہ سبحانہ کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ اس بندے سے اپنا قلم روک لے (یعنی اس کی برائیاں لکھنا موقوف کردے) اور داہنی جانب کے فرشتے سے (جو انسان کی نیکیاں لکھنے پر مامور ہے) کہا جاتا ہے کہ اس بندے کے بہترین اعمال جن کو وہ (صحت و تندرستی کے زمانے میں) کیا کرتا تھا لکھتا رہ کیونکہ میں اس (کی نیت اور ارادے) سے خوب واقف ہوں (کہ اگر وہ تندرست رہتا تو اپنی عادت کے موافق نیک کام کرتا رہتا) اور میں نے ہی اس کو (بیماری میں مبتلا کرکے اپنی) قید میں رکھا ہے کہ وہ بیماری کی حالت میں چل پھر نہیں سکتا اور اپنے مشاغل حسنہ جاری رکھنے پر قادر نہیں۔

قرآن داں اور قرآن خواں نکمی عُمر کو نہیں پہنچتے

حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

من قرأ القرآن لم یرد الی ارذل العمر و ذلک قوله ثم رددناه اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات قال الا الذین قرأوا القرآن۔ (حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) جس کسی شخص نے قرآن کریم پڑھ لیا ہے وہ نکمی عمر کو نہیں پہنچنے پائے گا۔ اس کا ثبوت اللہ سبحانہ کے ارشاد ثم رددناه اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات میں ہے۔

موجود ہے کہ پھر ہم نے انسان کو نیچوں سے نیچے پھینک دیا مگر جو لوگ ایمان لائے
اور اچھے کام کیے (وہ نیچوں سے نیچے نہیں پھینکے جائیں گے یہ ایمان لانے والے
اور اچھے کام کرنے والے) وہی لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کریم پڑھ لیا ہے" کیونکہ
اعمال صالحہ کی بنیاد علم صحیح ہے۔ اور جس کا عمل قرآن کریم کے احکام پر مبنی ہو
اس کا عمل عمل صالح ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن
کریم کے جاننے والے یا تلاوت کرنے والے عمر دراز نہیں پاتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ
ان کی عمریں کتنی ہی دراز ہوں وہ اس نکمی حالت پر نہیں پہنچائے جاتے کہ وہ اپنی
حاجات ضروریہ کی تکمیل میں دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہو جائیں بلکہ وقت
آخر تک اپنے کام آپ کر سکتے رہتے ہیں جس طرح کوئی صحیح و تندرست آدمی
اپنا کام آپ انجام دے سکتا ہے۔

مضمون صدر کی تائید اس کی تائید حضرت عکرمہ کے اس قول سے بھی ہوتی
ہے جس میں وہ کہتے ہیں:۔ کان یقال من قرأ القرآن لم یرد الی ارذل
العمر ثم قرأ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل
سافلین الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات قال لا یکون حتی
لا یعلم من بعد علم شیئا۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) یوں کہا جاتا تھا یعنی یہ بات

عام طور پر مشہور تھی کہ جو کوئی شخص قرآن کریم پڑھ لیتا ہے وہ نکمّی عمر کو نہیں پہنچ سکتا
پھر انھوں نے یہ آیات کریمہ اس کے ثبوت میں پڑھیں (جن کا ترجمہ یہ ہے کہ) بیشک
ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے پھر ہم نے اس کو نیچوں سے نیچے
ڈال دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے " یہ اس سے مستثنیٰ ہیں
یہ لوگ اسفل سافلین میں نہیں ڈالے جائیں گے یعنی نکمّی عمر کو نہیں پہنچنے پائیں گے
تاکہ ان پر اللہ سبحانہ کا یہ قول صادق نہ آئے لا یعلم بعد علم شیئا۔ یعنی
سب کچھ جان لینے کے بعد کچھ بھی نہ جاننے والے قرار پائیں " کیونکہ انسان جب
نکمّی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو ذہول ہونا شروع ہوتا ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ
وہ سب کچھ جانتا تھا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ اس کو کسی چیز کی خبر نہیں قرآن
پڑھے ہوئے شخص پر ایسی حالت اور کیفیت طاری نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کریم کی
برکت ہے۔

قرآن کریم کا علم پائدار ہے حضرت عکرمہ نے دوسرے موقع پر فرمایا: ثم
رددناہ اسفل سافلین قال الھرم لم یجعل فیہ قوۃ ما کان لکی
لا یعلم بعد علم شیئا قال ولا ینزل تلک المنزلۃ احد قرأ القرآن
وذلک قولہ الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات قال ھم اصحاب القرآن

(عبد بن حمید ابن ابی حاتم) اسفل سافلین سے کھوسٹ بڑھاپا مراد ہے جس میں سابقہ قوت برقرار نہیں رہتی ایسا بڑھاپا اس لئے دیا جاتا ہے کہ سب کچھ جاننے کے بعد وہ کچھ نہ جانتا ہو پھر فرمایا کہ جو کوئی قرآن کریم پڑھ چکا ہو وہ ایسی نکمی حالت میں نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ اللہ سبحانہ نے ایمان لانے والوں اور اچھے کام کرنے والوں کو اس سے مستثنےٰ فرمادیا ہے۔ اس کی تفسیر میں انھوں نے کہا کہ وہ اہل قرآن ہیں جو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔" ان پر ایسا کھوسٹ بڑھاپا نہیں ڈالا جائے گا کہ لڑکپن اور جوانی میں یا ایسی حالت کو پہنچنے سے پیشتر ہی انھوں نے قرآن کریم کا علم حاصل کیا تھا تو ایسا علم ان سے کبھی سلب نہ ہوگا نہ اس میں کمی ہوگی۔

تفسیر صدر کی بنیاد روایات صدر میں اسفل سافلین کی تفسیر ارذل العمر سے جو کی گئی ہے وہ ارشاد باری تعالیٰ ومنکم من یرد الی ارذل العمر پہ مبنی ہے کہ (اے لوگو!) تم میں بعض وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچائے جاتے ہیں" چنانچہ حضرت عکرمہ، ضحاک، ابراہیم نخعی اور قتادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے: — المراد بذلک ردہ الی الھرم وضعف القوی الظاھرۃ والباطنۃ۔ اسفل سافلین سے انسان کا بڑھاپے تک پہنچا دیا جانا اور اس کے قوائے ظاہری و باطنی کا ضعیف سے ضعیف تر ہو جانا مراد ہے" اور دوسری جگہ

ارشاد باری ہے :۔ ومن نعمّرہ ننکّسہ فی الخلق ۔ اور ہم جس کو عمر دراز وطویل دیتے ہیں تو اس کو پیدائش میں جھکا دیتے ہیں ؂ یعنی پیدائش کے وقت وہ جیسا ضعیف و ناتوان تھا اور ہر کام میں دوسروں کی مدد کا محتاج تھا۔ انسان کے بڑھاپے میں بھی اس کی وہی حالت سابقہ عود کر آتی ہے کہ ہر امر میں وہ دوسروں کا دست نگر ہو جاتا ہے ۔ جوانی کی طاقت اور اس کی تازگی اور رونق سب کچھ دور ہو جاتی ہے ۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؂

فردّ شعورھنّ السود بیضا و ردّ وجوھھنّ البیض سودا

ان کے سیاہ بال سفید ہو گئے اور انکے بارونق گورے گورے چہرے سیاہ پڑ گئے ؂

بال اور چہرے پر ہی کیا منحصر ہے انسان کی قامت کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ اس کی پیٹھ جو سیدھی تھی بڑھاپے میں خمیدہ ہو جاتی ہے ' جلد پر جُھریاں پڑ جاتی ہیں ' سماعت و بصارت جواب دے دیتی ہے ' اور اسی طرح اس کے تمام قوائے ظاہری و باطنی متاثر ہو جاتے ہیں ۔ قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں ' آواز پست ہو جاتی ہے ' طاقت سلب ہو جاتی اور ہر چیز میں ضعف و ناتوانی دکھائی دیتا ہے ' حواس مختل ' دماغ معطل ' فکر کی رسائی مفقود ' نسیان غالب ' طبیعت میں تلوّن آجاتا ہے ؂

مرا ہم چنیں چہرہ گلفام بود — بلورینم از خوبی اندام بود
دو رستہ درم در دہن داشت جائے — چو دیوارے از خشت سیمیں بپائے
کنونم نگہ کن بہ وقت سخن — بیفتادہ یک یک چو سور کہن
مرا ہم چنیں جعد شبرنگ بود — قبا در بر از نازکی تنگ بود
دریں غایتم رشد باید کفن — کہ مویم چو پنبہ است و دوکم بدن
(سعدی علیہ الرحمہ)

اس حالت میں اگر کوئی اس کو دیکھے تو حیرت میں رہ جاتا ہے کہ آج اس کی کیا حالت ہو گئی؟ یہی انسان پہلے کیا تھا؟ غرض یہ تفسیر انسان کے اعضا و جوارح' اور قوائے ظاہری و باطنی کے تغیر کے اعتبار سے تھی جو صحیح ہے۔

اسفل سافلین کی دوسری تفسیر

بعض مفسرین کرام نے اسفل سافلین کی تفسیر میں فرمایا ہے:۔ والمعنی ثم جعلناہ من اھل النار الذین ھم اقبح من کل قبیح واسفل من کل سافل خلقا وترکیبا لعدم جریہ علی موجب ما خلقناہ علیہ من الصفات۔ (روح المعانی)

اس اعتبار سے آیۂ کریمہ ثم رددناہ اسفل سافلین کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو احسن تقویم میں پیدا کرنے کے بعد ہم نے اس کو اہل نار (دوزخیوں) میں سے قرار دیا جو کہ ہر قبیح سے قبیح تر اور ہر نچلے درجہ والے سے اسفل تر ہے کیونکہ جن

ملکات فاضلہ اور استعدادات عالیہ کیا تھا انسان کو پیدا کیا تھا اس کی روش اور اس کا چال چلن اس کے خلاف رہا۔ اگر وہ اپنی فطری استعداد اور صلاحیتوں سے کام لیتا تو مآل بخیر ہو کر وہ کمال حاصل کرتا کہ فرشتوں پر بھی سبقت لے جاتا۔ مگر اس کا میلان بجائے خیر کے ہمیشہ شر کی طرف رہا شر کا مقام نیچا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی فطری استعداد اور صلاحیتوں کو بگاڑ لے کر اسفل سافلین میں جا پہنچا جہاں تک شیطان کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ارشاد باری عز اسمہ ہے :-

کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٓ منک انی اخاف اللہ رب العالمین ۔ اس کی مثال شیطان کی سی ہے جبکہ اس نے انسان سے کہا تھا کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر اور منکر ہو چکا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالمین کا رب ہے " شیطان بھی کسی نہ کسی مرتبہ میں خدا کا خوف ظاہر کرتا ہے اور جھوٹ موٹ سنانے دکھانے کے لئے ہی سہی مارے خوف کے لرزنے لگتا ہے مگر خدا کا منکر کسی حالت میں بھی اللہ سے نہیں ڈرتا۔ پھر اس کا مقام کہاں ہوگا سمجھ لیجئے اسی لئے دوسری جگہ اس مضمون کی وضاحت یوں فرمائی گئی :- ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خالدین فیھا اولئک ھم شر البریۃ۔

یقیناً وہ لوگ جو منکر ہوئے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے اور مشرکین میں سے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ بدترین مخلوقات ہیں۔"

تفسیر ثانی کے متعلق سلف صالحین کے اقوال

اسفل سافلین کی یہ دوسری تفسیر بھی سلف صالحین سے مروی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

ھذا الکافر من الشباب الی الکبر ومن الکبر الی النار (طبری) یہ اسفل سافلین میں جانے والا کافر (خدا کا منکر) ہے جو جوانی سے بڑھاپے کی طرف اور بڑھاپے سے دوزخ کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔" اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:۔ ثم رددناہ اسفل سافلین قال فی نار جھنم۔ (عبد بن حمید) اسفل سافلین سے جہنم کی آگ مراد ہے جس میں کفار دھکیل دئے جائیں گے۔" اور حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں:۔ فی النار فی شر صورۃ۔ (عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم) یعنی کفار دوزخ میں پھینک دئے جائیں گے بدترین صورت میں (متبدل ہو کر)۔" اگرچہ وہ دنیا میں کیسے ہی حسین خوبصورت ہوں۔ حضرت قتادہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ الغرض ان دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ پہلی تفسیر ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے اور دوسری باطنی سیرت کے اعتبار سے۔ اور ہر ایک تفسیر بجائے خود صحیح ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ

انسان صورت کے اعتبار سے بھی تمام مخلوقات سے بہترین صورت کا حامل ہے اور سیرت کے لحاظ سے بھی اس کو کمال حاصل ہے اگر نیک ہوا تو فرشتہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور اگر بد رہا تو شیطان بھی اس کا مدمقابل قرار نہیں پاسکتا۔ اگرچہ یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں لیکن اس سے انسان کے اقتدار اور استعداد کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

غیر ممنون کی تفسیر اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ مگر جو ایمان لائے (اور ہماری باتوں پر) یقین کیا اور شائستہ کام کرتے رہے تو ان کے لئے ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔" یعنی جو لوگ اپنی فطرت سلیمہ پر قائم رہے اور خداداد صلاحیت اور استعداد سے شائستہ کام لیا۔ شائستہ کام یہی کہ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کا حکم دیا انکی بجا آوری میں لگے رہے اور جن امور سے منع فرمایا ان سے باز رہے تو ان کو اوامر کے بجالانے اور منہیات سے باز رہنے کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ ملتا رہیگا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ حضرت سیدنا ابن عباسؓ نے غیر ممنون کی تفسیر میں فرمایا: ـــــ غیر منقوص۔ (سعید بن منصورؒ ابن جریرؒ عبد بن حمیدؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن مردویہؒ) یعنی ان کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ پورا پورا ثواب ملتا رہیگا۔" حضرت

عکرمہ فرماتے ہیں :۔ یوفیہ اللہ اجرہ وعملہ فلا یواخذہ اذا رد الی ارذل العمر (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ اس کا ثواب پورا پورا دیگا اور اس کے عمل کو بھی جاری رکھیگا۔ پھر اگر وہ نکمی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے کسی قسم کا مواخذہ بھی نہیں فرمائے گا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہ کیا؟ اس لئے کہ ارذل العمر کو پہنچ جانے کے بعد نہ ان کے حواس ہی قائم ہیں اور نہ اچھے برے کی تمیز ہی باقی رہتی ہے۔ ایسے سن رسیدہ لوگوں سے سوال ہی کیا؟ ہاں جب تک ہوش و حواس قائم تھے اور عقل ٹھکانے تھی شانستہ کاموں میں حکم الٰہی کے بموجب لگے ہوئے تھے۔ حضرت مجاہد غیر ممنون کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ غیر محسوب۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی ان کو بے حساب ثواب ملتا رہیگا" کہ اس کا اندازہ کرنا بھی کسی سے ممکن نہوگا یہ اس بنا پر کہ بندے نے اللہ سبحانہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ راہِ خدا میں دے دیا تھا اور تن من دھن کی بازی لگادی تھی تو اس کی جزا بھی یہی ہوسکتی ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ بھی اپنا سب کچھ اس فانی فی اللہ، باقی باللہ، بندے کے لئے وقف فرمادے۔ اب حساب و کتاب کا کیا ذکر؟

غیر ممنون کی دوسری تفسیر	حضرت عکرمہ سے غَیْرُ مَمْنُوْنٍ کی دوسری

تفسیر بھی مروی ہے :۔ من رد منهم الی ارذل العمر جری له من الاجر
مثل ما کان یعمل فی صحته و شبابه فذلك الاجر غیر ممنون
قال ولا یمن به علیهم۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ایمان
والوں اور شائستہ کاموں میں لگے رہنے والوں میں سے جو لوگ نکمی عمر کو پہنچ جاتے
ہیں تو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کا اجرا اسی مطابق ان کے اعمال ناموں
میں لکھے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے جیسا کہ وہ اپنی صحت و تندرستی اور
قوت و شباب کے عالم میں جاری رکھے ہوئے تھے لہٰذا یہ اجر کبھی ختم نہ ہوگا
مدت العمر جاری رہیگا۔ پھر فرمایا :۔ ولا یمن به علیهم۔ اور اس اجرائے
سلسلہ ثواب کا کوئی احسان ان پر نہ دھرا جائے گا اور نہ ان پر منت رکھی
جائے گی۔ یہ مومنین صالحین کا انتہائی اعزاز ہے کہ ہر طرح کے احسان کے باوجود
ان پر منت نہ رکھی جائے۔ اس سے اللہ سبحانہ کی قدر افزائی کا اندازہ کیا
جا سکتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کو مومنین صالحین کے ساتھ کیسی محبت ہے۔
یحبهم ویحبونه۔ اللہ سبحانہ کو ان سے محبت ہے اور انکو اللہ سبحانہ تعالیٰ سے

95-7 فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ۝ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ 95-8

الْحَاكِمِينَ ۝ تو (اے انسان) یہ سب معلوم ہونے کے بعد کیا چیز باعث ہے ع ۸ ۲

تجھے انصاف کے جھٹلانے پر؟ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم؟ ؎

فما یکذبک کی تفسیر تقریر بالا سے جب معلوم ہو چکا کہ انسان جو احسن تقویم میں پیدا ہوا۔ اور اس کو اکتساب خیر و شر کی کامل استعداد و صلاحیت دی گئی تو اس کو اختیار حاصل ہے کہ آئندہ زندگی کا رُخ جس طرف چاہے پھیر لے۔ غور کرے کہ خیر و شر کی دو راہیں جو اس کے آگے کھلی ہوئی ہیں ان میں سے کس کو اختیار کرے؟ اگر شر کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کی انتہا اسفل سافلین (نار جہنم) پر ہے۔ کیا یہ راہ ایسی مخلوق کیلئے جو احسن تقویم پر ہو موزونیت و مناسبت رکھتی ہے؟ جو احسن الخالقین کی ناراضی اور غضب کی جگہ ہے اور جہاں طرح طرح کے آلام و مصائب ہیں جو کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ یا راہ خیر اس کے مناسب حال ہے جس کا ثمرہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے جس کی قدر دانی اور ثواب کی کوئی انتہا نہیں اور با ایں ہمہ اس پر کسی نوع کی منت نہیں رکھی جائے گی اور نہ کبھی احسان جتایا جائیگا؟ بہرحال اللہ سبحانہ کے پاس ہر کام کی جزا اور مکافات ہے۔ کوئی عمل بے نتیجہ یا رائیگاں نہیں۔ انسان کا ہر ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کے نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ہے۔ اور اسی کے مطابق سزا و جزا مرتب ہوگی۔

انسان سے ایک سوال جب ہر کام کی جزا مسلم ہے اس لئے سوال ہو رہا ہے:۔

فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۔ تو اے انسان! کیا چیز باعث ہو رہی ہے جو ان تمام امور کے معلوم ہونے کے بعد بھی تو اللہ سبحانہ کے انصاف کی تکذیب کر رہا ہے۔ نہ دین یعنی جزا کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ یوم الدین یعنی روز جزا کا قائل ہوتا ہے۔ آخر دنیا میں بھی جہاں تو رہتا بستا تھا حکومتیں قائم تھیں اور حکام مقرر تھے اور ہر حکومت کا ایک قانون تھا۔ اگر رعایا اس قانون کی پابندی کرے تو حکومت کی طرف سے ان کا اعزاز بڑھایا جاتا اور ایسے لوگوں کی قدر افزائی کی جاتی تھی۔ ان کو ہر قسم کی سہولتیں دی جاتی تھیں۔ اور جو لوگ ایسے ہوں جو قانون کی خلاف ورزی پر اُتر آتے تو ان کو گرفتار کیا جاتا۔ ان پر مقدمہ چلایا جاتا اور ہر جرم کی مناسبت سے ان کو سزا دی جاتی تھی۔ اور جو لوگ ایسے ہوں کہ نہ وہ حکومت کو تسلیم کرتے اور نہ اس کے قانون کو مانتے تو ان کو باغی قرار دیکر عبرت ناک سزائیں دیجاتی تھیں۔ یہ حالات اور واقعات دُنیا کی حکومتوں اور حکام کے تھے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا تو سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ جو تمام کائنات کا خالق یکتا ہے اور جس کی حکومت کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے کوئی چیز اس کے حکم سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اس نے بھی ایک قانون بنایا ہے جو اس کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ ان میں بھی مطیع و فرمانبردار بندوں کے لئے ہر طرح کے اعزاز و اکرام اور بدکاروں اور منکروں کیلئے طرح طرح کے مصائب و آلام بتلا دئیے گئے ہیں۔

پھر مزید کرم یہ کہ اللہ کی کتابوں کو سمجھانے اور ان پر عمل کرکے بتانے کے لئے اپنے مقدس ومنتخب برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا جو دنیا میں رونق افروز ہوکر اللہ سبحانہ کی کتابیں پڑھ پڑھ کر سناتے رہے۔ رسلا مبشرین ومنذرین۔ رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا جو سب کے سب نیکوکاروں کو جنت کی خوشخبری سناتے رہے اور بدکاروں اور منکروں کو نار دوزخ سے ڈراتے گئے۔ پھر سب سے آخر حضور خاتم النبیاین سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو مبعوث فرمایا کہ آپکے بعد پھر کوئی نبی یا رسول نہ آئینگے۔ اور آپ پر اپنی مقدس کتاب قرآن کریم نازل کی جس کے بعد پھر کوئی کتاب نازل نہ ہوگی۔ اسی کتاب مقدس کا حکم تا قیام قیامت جاری رہیگا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت بھی آخر تک قائم وبرقرار رہیگی فما یکذّبک بعد بالدین تو پھر کیا چیز باعث ہو رہی ہے کہ انسان کو جزائے اعمال اور روز جزا کا منکر بنا رہی ہے؟ اور انسان اعمال کی جزا اور یوم الجزا کی تکذیب کررہا ہے؟

فما یکذّبک میں ایک نکتہ یہاں فما یکذّبک ارشاد ہورہا ہے فمن یکذّبک ارشاد نہیں ہوا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ کلمۂ من موصولہ ذوی العقول کیساتھ مختص ہے۔ اس کے یہاں استعمال نہ کئے جانے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی عقلمند تو جزا اور روز جزا کا انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جزائے اعمال کو عقل سلیم تسلیم

کرتی ہے باایںہمہ کچھ لوگ اس کے منکر ہیں تو ان کا یہ انکار اقتضائے عقل کے مطابق تو نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کلمہ من کی جگہ فَمَا یُکَذِّبُكَ ارشاد ہوا کیونکہ کلمہ مَا غیر ذوی العقول پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے مطلب یہ ہوا کہ عقل انسانی تو جزائے اعمال کی تکذیب نہیں کرسکتی۔ پھر اور کیا چیز ایسی ہے جو جزائے اعمال کی تکذیب کرتی ہو اور واقعہ یہ ہے کہ ذوی العقول سے ہٹ کر غیر ذوی العقول میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو جزائے اعمال کو جھٹلاتی ہو پس ایسی حالت میں دین یعنی جزا کو جھٹلانا ہر اعتبار سے غلط ہے۔

الیس اللہ باحکم الحاکمین کی تفسیر الیس اللہ باحکم الحاکمین۔ جبکہ تمام حکام اپنے قانون کی پابندی پر انعام واکرام سے کام لیتے ہیں اور خلاف ورزی اور ان کا ارکا پر سزا دیتے ہیں تو اللہ سبحانہ جس کی حکومت اور بادشاہت کو کبھی زوال نہیں اور جس کی حکومت و بادشاہت ساری کائنات ارضی وسماوی سب پر جاری وساری ہے وہ تمام حاکموں کا حاکم اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ نہیں ہے؟ ضرور وہ سب کا حاکم اور یقیناً سب کا بادشاہ ہے۔ کوئی ذرہ اس کی حکومت اور بادشاہت سے باہر نہیں ہے اور نہ ہوسکتا۔

فما یکذبك کا مخاطب انسان ہے عن منصور قال قلت لمجاهد فما یکذبك بعد بالدین..... عنی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال معاذ اللہ انما عنی بہ الانسان۔ (فریابی عبد بن حمید ابن جریر ابن ابی حاتم) منصور کہتے ہیں کہ میں نے (امام تفسیر) حضرت مجاہد سے دریافت کیا کہ فمایکذبک میں کاف خطاب سے کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: "خدا کی پناہ یہاں خطاب صرف انسان سے ہے" ذات اقدس مراد نہیں۔ اس لئے ہم نے ترجمہ میں اسکی صراحت کر دی ہے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔

الیس اللہ کا جواب حضرت قتادہ ارشاد باری تعالیٰ الیس اللہ باحکم الحاکمین کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول بلی وانا علی ذلک من الشاھدین۔ (عبد بن حمید) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیس اللہ باحکم الحاکمین کے جواب میں جس میں یہ سوال ہو رہا ہے کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بزرگ و برتر حاکم نہیں ہے؟ فرمایا کرتے تھے۔ "کیوں نہیں بے شک آپ سب سے بزرگ و برتر حاکم ہیں۔ اور میں بھی اسکی گواہی دینے والوں سے ہوں" حضرت خلیل ابو صالح رضؓ فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی علی ھذہ الآیۃ الیس اللہ باحکم الحاکمین یقول سبحانک فبلی۔ (عبد حمید) حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تلاوت فرماتے ہوئے) جب آیۂ کریمہ الیس اللہ باحکم الحاکمین پر پہنچتے تو فرماتے:۔ سبحانک فبلی آپ کی

ذات پاک ہے۔ کیوں نہیں آپ بالضرور سب حاکموں سے ارفع و اعلیٰ حاکم ہیں"۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ من قرأ والتین والزیتون فقرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین فلیقل بلی وانا علی ذلک من الشاھدین۔ (ترمذی ابن مردویہ) جو کوئی شخص سورۂ والتین والزیتون کی تلاوت کرتے ہوئے الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو اس کو یہ بھی کہنا چاہئے:۔ بلی وانا علی ذلک من الشاھدین حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:۔ اذا قرأت والتین والزیتون فقرأت الیس اللہ باحکم الحاکمین فقل بلی (ابن مردویہ) جب تم والتین والزیتون پڑھتے ہوئے الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھو تو بلیٰ کہو"۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:۔ انہ کان اذا قرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین قال سبحانک اللھم فبلی۔ (ابن جریر ابن المنذر) وہ جب الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھتے تو کہتے:۔ سبحانک اللھم فبلی۔ یعنی اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے۔ پھر کیوں نہیں بیشک آپ احکم الحاکمین ہیں"۔ یہ حکم عندالاحناف نوافل میں اور خارج نماز تلاوت کیلئے ہے۔ دیگر ائمہ کے پاس فرض نمازوں میں بھی یہ جواب دیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ تین کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنہ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

96   ALAQ   Verses 19

سُورۂ علق

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اِس میں انیس آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا ربط اور مناسبت اس طرح ہے
کہ ماقبل سورت میں ارشاد ہوا تھا:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن
تقویم۔ بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا" اور اس
سورت شریفہ میں ارشاد ہو رہا ہے:۔ خلق الانسان من علق۔ اسی
خدا نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا" تخلیق انسان کا بیان پہلی سورت
میں بھی ہوا تھا۔ یہاں بھی اس کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ
ہر چیز کی چار علتیں ہوتی ہیں جن کو" علل اربعہ" کہتے ہیں۔ علت فاعلی،
کہ یہ چیز کس نے بنائی؟ علت صوری کہ اس کو کون سی صورت دی؟ علت
مادی کہ کس چیز سے بنائی؟ اور علت غائی کہ کس لئے بنائی؟ علت غائی
کا بیان وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں گزر چکا ہے

جس میں اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ میں نے جن و انس کو محض میری عبادت کے لئے پیدا کیا ہے" اور علت صوری کا بیان لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم میں گزرا تھا کہ بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا" اب یہاں علت مادّی کا بیان فرمایا جا رہا ہے :- خلق الانسان من علق۔ اللہ نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا" رہی علت فاعلی کہ انسان کو کس نے پیدا کیا؟ مذکورہ تینوں آیات کریمہ میں موجود ہے : خلقتُ۔ میں نے پیدا کیا" خلقنا۔ ہم نے پیدا کیا" خلق۔ اسی خدا نے پیدا کیا" اس طرح تخلیق انسان کے پورے علل اربعہ بیان ہو چکے۔

دوسرا ربط دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورت ماقبل میں انسان کے دو گروہ کفار منکرین اور مومنین صالحین کا بیان، ان کا باہمی فرق، اور دار آخرت میں ہر ایک کا مقام اور احوال، اجمالاً مذکور ہوا تھا۔ اب اس سورت شریفہ میں ان کا بیان کسی قدر تفصیل کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے۔ گویا یہ سورت شریفہ سورت ماقبل کی شرح اور اس کا تکملہ ہے۔ اجمال اور تفصیل میں جو مناسبت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔

قرآن کریم کی آیات جو سب سے پہلے نازل ہوئیں مفسرین کرام بلکہ تمام صحابہؓ

وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ ترتیبِ قرآن کریم جو لوحِ محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے اس کے لحاظ سے سورۂ علق کا مقام والتین والزیتون کے بعد ہے لیکن نزول کے اعتبار سے سورۂ علق کی ابتدائی آیات کریمہ مالم یعلم تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ چنانچہ ام المومنین سیّدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ اوّل ما نزل من القرآن اقرأ باسم ربّك الذی خلق (ابن جریر، حاکم بروایت صحیح، ابن مردویہ، بیہقی بروایت صحیحہ) سب سے پہلے جو قرآن کریم نازل ہوا وہ اقرأ باسم ربّك الذی خلق تھا۔" حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ کانت اقرأ باسم ربّك اوّل سورۃ انزلت علی محمد۔ (ابن ابی شیبہ، ابن الضریس، ابن الانباری، طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، ابونعیم) سب سے پہلی سورت شریفہ جو حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ اقرأ باسم ربّك (کی سورت) تھی۔" اسی وجہ سے اس سورت شریفہ کو سورۂ اقرأ بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ اوّل ما نزل من القرآن بمکّة اقرأ باسم ربّك الذی خلق۔ (ابن مردویہ من طرق) مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے قرآن کریم کا جو حصّہ نازل ہوا وہ اقرأ باسم ربّك الذی خلق تھا۔" حضرت محمد بن عباد

مخزومی متعدد علماء سے روایت کرتے ہیں: ۔ کان اوّل ما انزل اللہ علی نبیّہ اقرأ باسم ربّك الی مالم یعلم فقالوا ھذہ صدرھا الذی انزل یوم حراء ثم انزل اللہ آخرھا بعد ذلك ما شاء اللہ ۔ (بیہقی)

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم و افخم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے جو نازل فرمایا وہ اقرأ باسم ربّك سے مالم یعلم تک تھا۔ تمام علماء کرام نے یہی فرمایا کہ اس سورت شریفہ کا بس اسی قدر حصہ وہ تھا جو واقعہ حراء کے دن نازل فرمایا گیا پھر اس کا باقی حصہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کے بعد جب اللہ سبحانہ کو منظور ہوا نازل فرمایا۔"

نبوت کا آغاز رؤیا صالحہ سے

حرا کا واقعہ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس طرح بیان فرماتی ہیں: ۔ اوّل مابدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لایریٰ رؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح ثم حبّب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنّث فیہ وھو التعبّد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اھلہ ویتزوّد لذلك ثمّ یرجع الی خدیجۃ حتی جاءہ الحقّ وھو فی غار حراء۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی نبوت و رسالت کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ (جب آپ کی عمر شریف کے چالیس سال ربیع الاول میں تکمیل کو پہنچے تو) آپ کو خواب میں "رویائے صالحہ" (اچھے اچھے اور سچے سچے خواب) دکھائی دینے لگے چنانچہ (رات کو) خواب میں جو کچھ ملاحظہ فرماتے (صبح کو) روز روشن کی طرح کھلے اور واضح واقعات نمودار ہوتے۔ پھر خلوت گزینی آپ کا محبوب مشغلہ بن گئی چنانچہ آپ غار حرا میں (جو مکہ معظمہ سے کچھ ہی دور واقع ہے) خلوت گزیں ہونے لگے۔ وہاں تشریف لے جا کر اس میں کئی کئی راتوں تک مشغول عبادت رہا کرتے (دنوں دنوں) گھر کا رخ بھی نہ فرماتے۔ ہاں اس مدت کے لئے کچھ توشہ ساتھ ہوتا پھر (جب وہ ختم ہو جاتا تو) ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا عنا کے پاس لوٹ آتے۔ پھر اسی قدر توشہ ساتھ لے جاتے۔ (آپ کا یہی سلسلہ چھ مہینے تک جاری رہا۔ رمضان شریف کی ۲۷ تاریخ تھی) اور آپ غار حرا ہی میں رونق افروز تھے کہ آپ کے ہاں حق (کا پیام بلکہ حق ہی) آ پہنچا" یعنی حقیقۃً نبوت سے سرفراز ہوئے۔

جبرئیل سے ملاقات اور آیات اقراء کی تلقین	فجاءہ الملک فقال اقرأ قلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد

ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثالثۃ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم۔ اتنے میں آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا (یعنی جبرئیل علیہ السلام) اور کہا کہ پڑھو حضور انور فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں پڑھتا نہیں ہوں۔ (کیونکہ اب تک آپ کو کسی نے کچھ بھی پڑھایا نہ تھا) حضور فرماتے ہیں یہ سنتے ہی بس اس (فرشتہ) نے مجھے پکڑ کر ایسا دبایا کہ حد درجہ مشقت محسوس ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا کہ پڑھو۔ پھر میں نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ بس اس نے مجھے پکڑا اور دوبارہ بھی ایسا دبایا کہ میں بڑی محنت میں پڑ گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا کہ پڑھو۔ میں نے یہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (یعنی نہ صرف میں بلکہ میرے ملک کے لوگ عام طور پر پڑھنے والے نہیں ہیں) یا ما انا بقارئ کے یہ معنی کہ آخر پڑھوں تو کیا پڑھوں؟) اس پر اس نے پھر مجھے پکڑ لیا اور تیسری دفعہ بھی ایسا دبایا کہ میں نے بڑی محنت و مشقت پائی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا (یوں پڑھئے):—

اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (ان آیات کریمہ کا ترجمہ اور مطلب ضمن تفسیر آگے آرہا ہے)۔

غار حرا سے واپسی اور حضرت خدیجہؓ کا دلاسا

فرجع بها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فوادہ فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد فقال زملونی زملونی فزملوہ حتی ذهب عنه الروع فقال لخدیجۃ واخبرها الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت خدیجۃ کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق پھر آپ ان آیات کریمہ (کا تحفہ) لئے ہوئے (غار حرا سے کاشانۂ مبارک کی طرف) لوٹ آئے ایسی حالت میں کہ آپ کا قلب مبارک دھڑک رہا تھا۔ سیدھے حضرت ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا مجھے چادر اڑھادو مجھ پر لحاف ڈال دو۔ چنانچہ حسبِ تعمیل کی گئی۔ تاآنکہ (آپ کو پوری طرح سکون حاصل ہوا اور) خوف وہراس کی کیفیت جاتی رہی۔ حضورِ اکرم نے اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو سارا واقعہ (غار حرا کا) کا سنایا اور فرمانے لگے کہ مجھے تو جان کے

لالے پڑ گئے تھے۔ (اور ایسا معلوم ہوا کہ میری جان پر ہی آ پڑی ہے) یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے دلاسا دیا۔ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کبھی ایسا معاملہ نہیں فرمائے گا۔ ماشاء اللہ سے آپ تو (اہل قرابت سے) صلہ رحمی فرماتے ہیں اور (دوسروں کی خاطر) خود پر ہر طرح کی مشقت برداشت کیا کرتے ہیں نادار وں کو ذریعہ معاش سے لگا دیتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کی مہمان نوازی فرماتے ہیں۔ اور آفت زدہ ستم رسیدہ لوگوں کی حقیقی امداد و اعانت فرماتے رہتے ہیں " یعنی جن کا شعار یہ ہو کیونکر ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ اچانک ان کے ساتھ ایسا سلوک فرمائے کہ لوگوں میں چرچا ہونے لگے کہ فلاں کا دفعۃً انتقال ہو گیا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

حضورؐ کو حضرت خدیجہؓ کا ورقہ کے پاس لے جانا

فانطلقت بہ خدیجۃؓ حتی اتت ورقۃ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی ابن عم خدیجۃؓ وکان امرأ تنصر فی الجاھلیۃ وکان یکتب الکتاب العبرانی فیکتب من الانجیل بالعبرانیۃ ما شاء اللہ ان یکتب وکان شیخا کبیرا قد عمی فقالت لہ خدیجۃ یا ابن عم اسمع من ابن اخیک۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے ہاں لائیں جو

حضرت خدیجہؓ کے ابن عم تھے ۔ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں (اس دور کے ناشائستہ حالات سے بیزار ہوکر) نصرانی دین اختیار کر چکے تھے اور عبرانی زبان میں کتابیں لکھا کرتے تھے۔ اور انجیل مقدس کے حوالوں سے عبرانی زبان میں وہ مضامین لکھا کرتے تھے جو اللہ سبحانہ کو منظور ہوتے ۔ وہ اس وقت تک بہت بوڑھے ہو چکے تھے جس کے باعث ان کی بینائی بھی جا چکی تھی ۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے فرمایا ۔ اے میرے عمزاد برادر! آپ اپنے بھتیجے کا واقعہ سن لیجئے " عرب کا دستور تھا کہ محبت سے ہم عمروں کو بھائی اور کم عمر لوگوں کو بھتیجا کہتے تھے ۔ یہاں حقیقی بھتیجے مراد نہیں ۔

حضور اکرم اور ورقہ بن نوفل کا مکالمہ

فقال له ورقة يا ابن اخى ماذا ترى فاخبره رسول الله صلى الله عليه وسلم خبر ما رأى فقال له ورقة هذا الناموس الذى انزل الله على موسى يا ليتنى اكون فيها جذعا يا ليتنى اكون فيها اذ يخرجك قومك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم او مخرجى هم قال نعم لم يات رجل قط بمثل ما جئت به الا عودى وان يدركنى يومك انصرك نصرا موزرا ثم لم ينشب ورقة ان توفى وفتر الوحى ۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورقہ نے

دریافت کیا۔ بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا؟ حضور نے اپنے چشم دید واقعہ کو بیان فرمایا۔ یہ سنتے ہی آپ سے ورقہ نے کہا یہ (فرشتہ تو) وہی ناموس اکبر (واقف اسرار الٰہی) ہے جس کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بھی اتارا تھا۔ (یعنی یہ وہی جبرئیل علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی وحی لایا کرتے تھے) کاش! میں اس زمانہ میں تنومند ہوتا اور اے کاش! میں ان دنوں میں کم از کم زندہ ہی رہتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو وطن سے بے وطن کرتی۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا یہ لوگ مجھکو جلاوطن بھی کریں گے؟ انھوں نے کہا ہاں ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ جیسی وحی آپ لا رہے ہیں آپ سے پیشتر بھی جن جن پر ایسی گزری ان کے ساتھ ایسی ہی عداوت اور دشمنی کی گئی ہے۔ اور اگر مجھ کو آپ کا وہ مبارک دن دیکھنا نصیب ہو تو میں بالضرور آپ کے شایان شان مدد کروں گا۔ پھر کچھ ہی دن گزرنے پائے تھے کہ ورقہ نے وفات پائی۔ اور وحی کا سلسلہ موقوف رہا" فقیر عرض کرتا ہے کہ سورۂ والضحیٰ میں فترت وحی کا جو بیان گزر چکا ہے غالباً اس میں اسی زمانۂ التواء وحی کی طرف ایما فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ورقہ بن نوفل کی وفات تفسیر روح البیان میں ہے: وتوفی ورقۃ فی ھذہ الفترۃ ودفن بالحجون وقد آمن بہ علیہ السلام وصدقہ

قبل الدعوة التی ھی الرسالة ولذا قال علیه الصلاۃ والسلام لقد رأیتہ فی الجنّة وعلیه ثیاب الحریر۔ اسی زمانہ فترت وحی میں ورقہ بن نوفل نے وفات پائی اور (مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان میں جس کو) حجون کہتے ہیں دفن کئے گئے۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاچکے تھے اور دعوت اسلام سے پیشتر ہی جو لوازم رسالت سے ہے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کر چکے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی نسبت فرمایا کہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا کہ وہ لباس حریر پہنے ہوئے ہیں" جو جنتیوں کا مخصوص لباس ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

سورۂ مدثر کا نزول و اجرائے سلسلۂ وحی

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فترت وحی کے سلسلۂ بیان میں فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ بینا انا امشی اذ سمعت صوتا من السماء فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی بحراء جالس علی کرسی بین السماء والارض فرعبت منه فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ یا ایھا المدثر قم فانذر وربك فکبر وثیابك فطھر والرجز فاھجر فحمی الوحی وتتابع۔ (عبدالرزاق' امام احمد' عبد بن حمید' بخاری' مسلم' ابن جریر' ابن الانباری)

ابن مردویہ، بیہقی) میں ایک دن چل رہا تھا اسی اثناء میں آسمان کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے اپنی نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حراء میں میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین کی درمیانی فضا میں کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ پھر میں اس سے مرعوب ہو گیا اور وہیں سے واپس ہوا اور (گھر آ کر) کہنے لگا:۔ زملونی زملونی مجھ پر چادر اڑھا دو' لحاف ڈال دو" پھر اللہ سبحانہٗ نے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔ اے لحاف اوڑھنے والے! اٹھو اور (لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے) ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی کبریائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور سستی کو پاس نہ آنے دو" پھر اس کے بعد متواتر وحی آنے لگی" اس طرح نزول وحی کا سلسلہ تین سال کے بعد جاری ہو گیا۔

واقعہ حرا کی تفصیل ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ نے یہ بھی فرمایا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکف ھو وخدیجۃ شھرا فوافق ذلک رمضان فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسمع السلام علیکم قالت فظننت انہ فجأۃ الجن فقال ابشروا فان السلام خیر ثم رأی یوما آخر جابریل علی الشمس لہ جناح بالمشرق

وجناح بالمغرب قال فهبت منه فانطلق یرید اهله فاذا هو بجبریل بینه وبین الباب قال فکلمنی حتی انست منه ثم وعدنی موعدا فجئت لموعده واحتبس علی جبریل ۔ حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مہینے کے لئے اعتکاف کیا وہ مہینہ اتفاق سے رمضان شریف میں ختم ہوا ۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم اعتکاف پر باہر برآمد ہوئے تو السلام علیکم کی آواز سُنی ۔ حضرت خدیجہ کو گمان ہوا کہ یہ کسی جن کی آواز ہے ۔ حضور نے فرمایا کہ خوش ہوجاؤ کیونکہ سلام خیر کا پیغام ہے ۔ بعد کو حضرت جبرئیل اپنی اصل شکل میں حضور اکرم کے سامنے آئے تب معلوم ہوگیا کہ السلام علیکم کہنے والے حضرت جبرئیلؑ تھے ۔ اسی سلسلہ میں تفصیلی شق صدر مبارک وغیرہ کا ذکر بھی منقول ہے ۔ پھر جبرئیل نے مجھ سے کہا :- اقرأ باسم ربک الذی خلق ۔ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے ۔" حالانکہ اب تک میں نے کوئی کتاب بھی پڑھی نہ تھی ۔ پھر مجھے سورۃ اقرأ کی ابتدائی آیات مالم یعلم تک پڑھا دیں ۔ حضور انور فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے میں کسی پڑھائی ہوئی چیز کو بھولنے نہ پایا ۔"

راستہ میں شجر و حجر کا سلام کرنا

حضورؐ فرماتے ہیں پھر میں نے اپنے مکان کا رُخ کیا تو راستہ میں کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ تھا جس نے اس طرح نہ پکارا ہو۔ السلام علیک یا رسول اللہ! یعنی ہر ایک پتھر اور ہر ایک درخت مجھے سلام کر رہا تھا کہ خدا کے اے پیارے رسول! آپ پر سلام ہو۔" تا آنکہ میں خدیجہؓ کے پاس آیا انھوں نے بھی مجھ سے اس طرح خطاب کیا: السلام علیک یا رسول اللہ! خدا کے اے پیارے رسول! آپ کو اللہ سلامت بکرامت رکھے۔" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آغاز بعثت شریف کے یہ چند حالات تھے جو مختصراً عرض کیے گئے۔ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　96-1 96-2

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔"

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ　96-3
مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝　96-4
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ پڑھیے نام سے اپنے رب کے جس نے
پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے اور آپ کا رب بے حد
کرم والا ہے، جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھایا انسان کو وہ سب کچھ

جو وہ نہ جانتا تھا۔"

اِقْرَأْ کی تفسیر یعنی حضور سیدنا نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفداہ ابی وامی کو بارگاہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ سے سب سے پہلی دفعہ یوں مخاطب فرمایا جا رہا ہے کہ اِقْرَأْ (پڑھو)" سرزمین عرب اور اس کا صدر مقام اور مرکز "مکہ" جہاں حضور انور کی ولادت باسعادت عمل میں آئی تھی۔ بچپن اور جوانی کا زمانہ گزر چکا تھا اور چالیس سال کی عمر شریف ہو چکی تھی۔ متاہلانہ زندگی کا آغاز ہو کر بھی پندرہ سال کا عرصہ گزر گیا تھا اور آپ صاحب اولاد بھی ہو چکے تھے۔ اس پوری مدت میں پڑھنے لکھنے کا کبھی بھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ ملک میں جاہلیت کا صدیوں سے دور دورہ تھا اس ماحول میں پڑھنے لکھنے کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔ پڑھنے کا نام سنتے ہی جو حیرانی ہو سکتی تھی آپ کو سخت حیرانی دامنگیر تھی۔ اس دشوار مرحلہ کو یوں آسان فرمایا جا رہا ہے کہ باسم ربک۔ اپنے پروردگار کے نام سے" اور تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہو وہ کیسا ہی مشکل ہو اگر اس کو پروردگار کے نام سے شروع کیا جائے منظور رب ہو تو وہ مشکل سے مشکل تر کام آسان ہو جائے گا اور پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ اس حقیقت کو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

بعد میں صاف وصریح طور پر بیان فرمادیا: ـــ کل امر ذی بال لم یبدأ فیه ببسم اللّٰه فهو ابتر۔ ہر وہ کام جس سے تعلق خاطر ہو اس کو بسم اللّٰہ سے شروع نہ کیا جائے تو وہ ناقص اور ادھورا ہی رہجاتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نام میں ہی ایسی برکت ہے کہ اس کے لینے سے تمام رکاوٹیں دور ہوتیں اور اس کام کے سارے اسباب فراہم ہوتے اور اس کو کرنے کا شوق اور اس سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ اس کام کو آسان بنا دیتا ہے جس کے نام میں یہ برکت ہے تو اس کی ذات کیسی بابرکت ہوگی سُبحان اللہ العظیم۔

باسمِ ربّکَ کی تفسیر یہاں خطاب فرمایا گیا: ـــ اِقرأ باسمِ ربّکَ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے" اور یوں خطاب نہ ہوا: ـــ اِقرأ بسمِ اللّٰہ۔ اللہ کا نام لے کر پڑھئے" اس میں یہ حکمت ہے کہ اللّٰہ اسم ذات ہے جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ اقرأ کا پہلا حکم دیا جانا ہی موجب حیرت تھا اگر یہاں اللہ اسم ذات مذکور ہوتا تو حیرت در حیرت کا موجب ہوتا۔ اس لئے بجائے اسم ذات کے صفت بیان ہوئی تاکہ صفت سے موصوف کی شناخت و معرفت بسہولت حاصل ہو۔ پھر صفات باری بھی بکثرت تھے از اں جملہ صفت ربوبیت کا انتخاب فرمایا گیا جو سارے عالم میں اظہر من الشمس ہے

اور اسی کائنات میں ہر دم و ہر لحظہ جاری و ساری ہے۔ ربوبیت میں بھی بڑی وسعت تھی اس لئے تمام کائنات سے قطع نظر کرکے اور باسمِ ربِّ العالمین کہنے کی جگہ مخاطب کی ذات کے ساتھ اس کی اضافت کی گئی اور ارشاد ہوا:۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے۔" کیونکہ تمامی علوم میں انسان کو اپنی ذات کا علم علم حضوری ہے جو سب سے پہلے حاصل ہوتا ہے استاذ محترم حضرت علامہ مولانا حافظ محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نہیں جانتے تھے جہاں میں کسی کو مگر ایک اپنے کو ہم پہلے پہلے

الَّذِي خَلَقَ کی تفسیر

پھر مزید معرفت کے لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔

اَلَّذِی خَلَقَ۔ جس نے (تمام کائنات کو) پیدا کیا۔ یعنی پڑھئے نام لیکر اپنے پروردگار کا جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا" عدم سے وجود میں لایا۔ اور نہ صرف وجود بخشا بلکہ ہر ہر ذرۂ کائنات کی پرورش اور تربیت فرماتا جارہا ہے۔ اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق درجہ کمال پر پہنچا رہا ہے۔ اسی طرح آپ کو بھی اے حبیب کریم! آپ کی استعداد تام اور جوہر ما لا کلام کے مطابق علم اولین و آخرین بلکہ غیب و شہادت کے اسرار و انوار سے مالا مال فرمائے گا۔

چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ربانی ہوا:۔ وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔ اور سکھا دیا آپ کو (اللہ سبحانہ نے) وہ سب کچھ جس کو آپ نہ جانتے تھے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا ہی فضل ہے " نیز خود آپ نے اس کا اظہار (بطور تحدیث نعمت کے، نہ کہ بطور عجب و افتخار کے فرمایا:۔ اوتيت علم الاولين والآخرين۔ مجھے اگلوں اور پچھلوں کے سارے علوم سے سرافراز فرمایا گیا ہے " احادیث شریفہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آپ نے آفرینش عالم سے پہلے کے اسرار امت کے آگے کھول دیئے۔ اور قیامت اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام احوال سنا دیئے۔ نیز اس دوران میں جو جو اہم واقعات درپیش ہوئے یا ہونے والے ہیں ان سے پوری طرح باخبر فرما دیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

من علق کی تفسیر خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ پیدا کیا انسان کو منجمد خون سے " جنین جب تک منجمد خون کی صورت میں رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کسی قسم کی حس یا حرکت تک نہیں ہوتی۔ شعور اور علم کا کیا ذکر؟ لیکن اسی منجمد خون (علقہ) کی پرورش اور تربیت کچھ اس طرح فرمائی جاتی ہے کہ وہ علقہ سے مضغہ اور مضغہ میں ہڈیاں بنتی ' ان پر گوشت چڑھا جاتا اور اعضا

تراشے جاتے، پھر ان میں روح پھونکی جاتی ہے تو جنین حرکت کرنے لگ جاتا ہے اب اس کی ماں کی زندگی جنین کی حرکت پر منحصر ہو جاتی ہے۔ اگر وہ باقاعدہ حرکت کرتا رہے تو ماں کی بھی خیر ہے ورنہ اس بیچاری کی زندگی ہی خطرے میں ہے۔ پھر اس کشمکش سے اس کو نجات دے کر جنین کو باہر لایا جاتا ہے تو اس کے متعلقین میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی اور ہر طرف سے تہنیت و مبارک باد کے پیام آنے لگتے ہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمائی جاتی بلکہ نومولود کی زندگی کا یہاں سے دوسرا دور شروع ہوتا ہے جو پہلے دور سے بالکل مختلف رہتا ہے پھر رضاعت و طفولیت وغیرہ کے ادوار ختم کر کے آگے ترقی کی راہ میں گامزن ہوتا ہے تو اس پر علوم و فنون کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور وہ اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق، تحصیل علوم و فنون کے لئے شبانہ روز محنت و ریاضت کرتا اور درجۂ کمال حاصل کر لیتا ہے۔

فعل خلق کی وجہ تخصیص افعال الٰہیہ بے شمار ہیں از انجملہ فعل خلق کا بیان تاکید کے ساتھ یہاں اس لئے فرمایا گیا کہ یہ وحی اولین ہے اوائل الامر ایسی کوئی چیز نہیں بیان کی جانی چاہیے جس سے مخاطب اور سامع کو اختلاف ہو بلکہ اس کے نزدیک معروف و مسلم ہو۔ مشرکین عرب نے اپنے زعم میں رب واحد

جگہ سینکڑوں ارباب بنا رکھے تھے اور قدرت کے بہت سارے کام ان کے تفویض کر رکھے تھے۔ کوئی قحط لانے والا رب تھا اور کوئی آندھی لانے والا، کوئی روزی دینے والا، تو کوئی بیماری لانے والا، چنانچہ آج تک ہندوستان وغیرہ میں جہاں مشرکین رہتے بستے ہیں ان خود ساختہ فرضی دیو اور دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہے لیکن فعل خلق یعنی پیدائش اور آفرینش کے بارے میں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔ ولئن سالتھم من خلق السماوات والارض لیقولن اللہ۔ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو بالضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا" اس لئے یہاں فعل خلق کا ذکر فرمایا گیا تاکہ کسی کو اختلاف نہ رہے کہ اللہ جس نے تمام کائنات پیدا کی ہے یہ اسی کا کلام ہے اور اسی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔

ربک الاکرم کی تفسیر اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "پڑھئے در حالیکہ آپ کا رب بیحد کرم والا ہے جس نے سکھایا قلم سے، سکھایا انسان کو وہ سب کچھ جس کی اس کو ضرورت تھی جس کو وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا" انسان پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان میں

کوئی کسان ہے جو زمین میں ایک دانہ ڈالتا ہے تو اس سے ایک پودا برآمد ہوتا ہے آگے چل کر اس سے سات خوشے نکلتے اور ہر خوشے میں سو سو دانے ہوتے ہیں گویا وہ ایک دانہ دیتا اور سات سو دانے لیتا ہے۔ یہ رب کریم کی کریمی نہیں تو اور کیا ہے؟ کوئی صناع ہے مٹی، پتھر، لکڑی، لوہا، پیتل، تانبہ، وغیرہ میں سے کوئی چیز لیتا جس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ اس کی مالیت کا کوئی اعتبار۔ مگر صناع ایسی معمولی چیزوں سے ایسی ایسی نادر حسین۔ کارآمد چیزیں تیار کرتا ہے جن کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ عقل حیران رہتی ہے کہ اس نے مٹی، پتھر کو کیا سے کیا کر دیا؟ کیا یہ رب کریم کی کریمی نہیں؟ کوئی تاجر ہے جس کو تجارتی اشیاء کے اُگانے یا بنانے میں کوئی دخل نہیں۔ غلہ ہے تو اس کو کسی کسان نے محنت کر کے حاصل کیا ہوگا۔ یا کپڑا وغیرہ ہے تو اس کو کسی جُلاہے نے بُن کر تیار کیا ہوگا۔ کسان کے پاس غلہ کی ڈھیریں لگی ہوں گی اور صناع کے ہاں مصنوعات کے انبار ہوں گے مگر کس مپرسی کے عالم میں پڑے تھے۔ تاجر پہنچا اور اس کی منہ مانگی قیمت ادا کر کے حاصل کیا۔ اور ان کو ایسی جگہ پہنچایا جہاں ان چیزوں کی پیداوار نہیں مگر ضرورت سے انکار نہیں۔ سب کو ان چیزوں کی حاجت ہے اب وہ حاجتمندوں سے نہ صرف اپنی دی ہوئی قیمت اور حمل ونقل کی اجرت ہی

طلب کرتا ہے بلکہ اپنی ذاتی محنت، پھر اس پر خاطر خواہ منفعت بھی حاصل کرتا ہے اور اس میں تاجر کو کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے :۔ تسعة اعشار الرزق فی التجارة۔ (فرض کرو کہ انسانی روزی کے دس حصے ہیں ان میں سے) روزی کے نو حصے تجارت میں ہیں۔" یہ بھی خدائے کریم کی شانِ کریمی ہے کہ تاجر کسی تیار مال سے جس کے فراہم کرنے میں اس کو کچھ بھی محنت و مشقت اٹھانی نہ پڑی تھی بلکہ دوسروں کی محنت و مشقت سے حاصل شدہ مال کو صرف ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر کے دنیا بھر کی روزی کے دس حصوں میں سے نو حصے حاصل کر لیتا ہے۔ اہم ذرائع معاش یہی ہیں۔ رہی ملازمت وہ تو غلامی ہے۔

اقرأ کی تفسیر یہ سب سہی مگر پڑھنا لکھنا یہ صفت ہی کچھ اور ہے اور یہ سب سے بالاتر ہے۔ اسی لئے بار بار حکم ہو رہا ہے :۔ اقرأ، اقرأ پڑھئے پڑھئے۔" پڑھنے ہی سے علم حاصل ہوتا ہے اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی سے اسرار قدرت کھلتے ہیں اور اسی سے انسان کی قدر و منزلت بڑھتی ہے۔ جس کا علم زیادہ اس کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو برتری حاصل ہوئی اور آپ مسجود ملائک ہوئے وہ

علمٓ آدم الاسماء کلّھا کی برکت تھی۔ پھر علوم بھی بہت ہیں۔ ایک علم کی فضیلت دوسرے علم پر اس کے معلوم کے لحاظ سے ہے۔ زراعت کا علم ہے۔ تجارت کا علم ہے اور صنعت کا بھی ایک علم ہے۔ لیکن علم دین جو الٰہیات، (کتاب وسنت اور تفقہ کا مجموعہ ہے) اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔ کیوں کہ علم زراعت سے غلہ وغیرہ کے معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اور علم صنعت سے مصنوعات معلوم ہوتے ہیں اور تجارت سے مزروعات ومصنوعات کی کھپت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر کتاب اللہ اور سنت نبوی اور تفقہ فی الدین سے اللہ سبحانہ کی ذات وصفات اور افعال الٰہیہ کا علم حاصل ہوتا ہے تو اس کا معلوم ذات حق اور اس کے صفات وافعال ٹھہرے، ظاہر ہے کہ خالق کائنات کو جو فضیلت تمام کائنات پر ہے کوئی علم اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ اور اسی کی اہمیت کے مدنظر، اللہ سبحانہ نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ ایسا اہتمام دیگر علوم کی نسبت نہیں فرمایا گیا۔

علّم بالقلم کی تفسیر علم حاصل ہوتا ہے کلام سے۔ اور کلام یعنی بات، زبان سے نکلتی ہے تو فضا میں شامل ہوجاتی ہے۔ اس کو قابو میں لانا اور اس کا تحفظ

قلم سے ہوتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا: علم بالقلم۔ قلم کے ذریعہ تعلیم دی"
قلم ہی ایسا ذریعہ ہے کہ فضا اور ہوا میں مل جانے والی بات کو قید کتابت میں
لاتا اور اس کو فنا سے بچا کر بقا کی دولت بخشتا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں:
القلم نعمة من الله عظيمة لولا القلم لم يقم دين ولم يصلح عيش
(عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) قلم اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بڑی عظیم الشان نعمت
ہے۔ اگر قلم نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہ سکتا اور نہ زندگی ہی درست رہ سکتی"
قلم ہی کی برکت ہے کہ آسمانی کتاب قرآن کریم چودہ سو سال گزر جانے پر بھی
مسلمانوں کے پاس محفوظ و مصئون ہے۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم کے احادیث شریفہ، صحابہ کرام کے آثار، ائمہ عظام کے اقوال، بزرگوں کی
نصیحتیں، فقہی مسائل، علماء کے فتاوی، سلف صالحین کے احوال ہم تک پہنچ سکے
ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جس قدر علوم دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں وہ اسی نعمت عظمیٰ کی
افادیت کے ممنون ہیں۔

سب سے پہلے قلم پیدا ہوا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور
امی لقبی فداہ امی و ابی نے ارشاد فرمایا:۔ ان اول ما خلق الله
القلم فقال له اكتب قال ما اكتب قال اكتب القدر فكتب ما كان

وماھو کائن الی الابد (ترمذی شریف) یقین جانو کہ سب سے پہلے اللہ سبحانہ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ قلم تھا۔ چنانچہ اس کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا کہ لکھ۔ اس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں؟ ارشاد باری ہوا کہ تمام کائنات کی تقدیریں لکھ دے۔ چنانچہ اس نے ازل میں جو کچھ ہوا اور ابد تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ لکھ ڈالا۔" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی امی، فداہ نفسی ثم ابی و امی نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السماوات والارض بخمسین الف سنة قال و عرشه علی الماء۔ (مسلم شریف) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کی آفرینش سے بھی پچاس ہزار سال قبل ہی لکھ دی ہیں۔ اس وقت عرش اعظم پانی پر تھا۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ اوّل ماخلق اللہ القلم فاخذہ بیمینه وکلتا یدیه یمین وخلق النون وھی الدوات وخلق اللوح فکتب فیه ثم خلق السماوات فکتب مایکون من حینئذ فی الدنیا الی ان تکون الساعة من خلق مخلوق او عمل معمول برّ او فجور وکل رزق حلال او حرام رطب او یابس۔ (ابن ابی شیبہ، ابن المنذر) اللہ سبحانہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لیا (جو بے حد برکات والا ہے) اور

اس کے دونوں ہاتھ بابرکت ہیں۔ اس کے ساتھ نٓ یعنی دوات کو پیدا کیا (نٓ کی شکل بھی دوات کی سی ہے) ساتھ ہی لوح اعظم کو پیدا کیا (جس کو لوح محفوظ کہتے ہیں اس میں ہر لکھی ہوئی چیز محفوظ ہے) پھر اس میں لکھ دیا۔ پھر آسمانوں کو پیدا کیا۔ پھر اس وقت سے ساعت قیامت آنے تک جو جو باتیں آنے والی تھیں ان سب کو لکھا۔ مخلوقات کی آفرینش' اور عالمین کے عمل' نیک ہوں کہ بد اور ہر ایک کی روزی' حلال ہو یا حرام' تر ہو یا خشک' (سبھی چیزیں لکھ دی گئیں جو لوح اعظم میں محفوظ ہیں)

علّم الانسان کی تفسیر عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ سکھایا انسان کو وہ سب کچھ جس کو وہ کچھ بھی جانتا نہ تھا" یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ جس ربِ کریم نے علقہ سے انسان کو پیدا کیا اور رقلم اور رقراءۃ کے ذریعہ لا یعلم انسان کو ہر چیز کی تعلیم دی۔ اس کریم اکرم کی شان سے یہ بھی بعید نہیں ہے کہ جن کو قلم اور قراءۃ سے اب تک کچھ بھی واسطہ نہ رہا ہو ان کو بغیر وساطت قلم و قراءۃ کے اپنی حکمۃ بالغہ سے وہ سب کچھ سکھا دے جہاں قلم اور رقراءۃ سے علم حاصل کرنیوالوں کی رسائی نہ ہو سکے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملت بشست

یعنی جس یتیم بلکہ دُرِّ یتیم (روحی فداہ) کو کسی کے ہاں کچھ بھی پڑھنے کا اتفاق

نہ ہوا تھا۔ رب کریم اکرم کی شان کریمی دیکھو کہ ادیان عالم اور ان میں بھی مشہور و معروف دین یہود و نصاریٰ کے پیرواں و متبعین کو ان کے لائے ہوئے دین اسلام کی فطری تعلیمات کے آگے اپنے تمام کتب خانوں کو دھوڈالنا پڑا۔ سارے ادیان منسوخ ہوچکے صرف دین فطرت یعنی اسلام ہی عند اللہ محبوب، مقبول و برقرار رہا جو تا قیام قیامت باقی رہیگا۔ دیگر ادیان اس کے آگے منسوخ قرار پاگئے۔

ارباب حقیقت کا ارشاد ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ قلم سے ذات اقدس حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مراد ہے جس کی تائید حضور اکرم کی حدیث شریف اول ما خلق اللہ نوری سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔" نیز یہ حدیث شریف بھی ہے :۔ کنت نبیّا وآدم بین الماء والطین ۔ میں نبی تھا اور آدمؑ ابھی آب و گل کے مراحل طے کر رہے تھے" یہ بھی ارشاد اقدس ہوا :۔ انا من نور اللہ وکل شیئ من نوری ۔ میں اللہ سبحانہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے۔" ان تمام ارشادات عالیہ کی رو سے جب حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمام کائنات پر تقدم اور شرف حاصل ہے تو قلم اعلیٰ ہو یا لوح محفوظ' آپ کے نور سے ہیں۔ اب خیال کیجئے کہ قلم اعلیٰ جن کا مظہر ہو اور لوح محفوظ جن کا مصحف اور دن رات پیش نظر ہو

ایسی ذات ستودہ صفات کو رسمی قراءت اور اصطلاحی خطوط و نقوش کتابت کی کب محتاج ہو سکتی ہے؟ یہ بھی اللہ سبحانہ کی شان کریمی ہے کہ حضرت امی لقبی فداہ امی وابی کو قراءت اور کتابت کے بغیر ہی وہ سب کچھ تعلیم دی جہاں اولین وآخرین کے علوم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ تاکہ آئندہ کسی معترض کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ آپ نے کتب سابقہ سے استفادہ فرمایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ بھی قراءت و کتابت سے عاری اور آپ کی طرح امی تھی۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ وہی خالق کائنات ہے جس نے ان پڑھ امیوں میں ایک رسول کو بھیجا جو وہ خود بھی انھیں میں شامل ہیں ان کو کتاب اللہ کی آیات زبانی پڑھ سناتے اور ان کا تزکیۂ نفس فرماتے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت الہٰیہ کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔" آپ کے صحابۂ کبار اور رفقائے کار کا وصف بھی عموماً یہی تھا کہ وہ بھی اُمی تھے۔ اور کتب سابقہ میں ان کی نشانی ہی یہ بتلائی گئی تھی:۔ صدورھم اناجیلھم۔ ان کے سینے آیات اللہ کے گنجینے اور خزینے ہیں۔" یہ وصف نہ صرف صحابۂ کرام کا رہا بلکہ تابعین واتباع تابعین اور ان کے مابعد آنے والوں میں بھی

صدیوں یہ وصف نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا۔ جو صرف کتاب اللہ ہی کے حافظ نہیں بلکہ سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں احادیث شریفہ کے حفاظ تھے۔ فی زمانہ بھی حفاظ قرآن کریم کی کمی نہیں۔ یہ امۃ مرحومہ کی مختصہ فضیلت ہے جس کی نظیر امم سابقہ میں نہیں مل سکتی۔

خط وکتابت کی ابتدا کہتے ہیں کہ علم خط وکتابت سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو آپ کی وفات شریف سے تین سو سال پیشتر دیا گیا۔ یہ خط عربی اور سریانی تھا۔ آپ نے گیلی مٹی کی تختیوں پر لکھا۔ پھر ان کو جلایا۔ جب وہ تختیاں جل کر پختہ ہوگئیں تو ان کو دفن فرما دیا۔ بعد کو یہ تختیاں حضرت ادریس علیہ السلام کو ملیں۔ پھر ان پر جو نقوش اور خطوط تھے ان کی اشاعت ہوئی۔ ان کو دیکھ کر دوسرے تمام خطوط اور نقوش ایجاد ہوئے اور ہر زبان کا ایک رسم الخط بنا۔ تمام انبیاء علیہم السلام بھی خط وکتابت سے واقف تھے۔ یہ صرف حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ وکمال ہے کہ قراءت وکتابت سے بے نیاز رہ کر بھی ایک گروہ عظیم کو تعلیم دی اور آپ کے تعلیم یافتہ تمام دنیا کے معلم بنے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

خلاصہ بیان بہرحال ان ابتدائی آیات کریمہ میں یہ امر یاد رکھنے کے قابل

ہے کہ انسان کی ابتدا علق یعنی بستہ و منجمد خون ہے جس کی کوئی وقعت اور قدر و قیمت نہیں۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ گنجینۂ علوم و فنون، اور خزینۂ معارف و حکم ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا اور جس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ مرتبہ قراءت و کتابت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اگلوں سے استفادہ اور پچھلوں کے افادہ کا یہی ایک اہم ذریعہ ہے۔ حکماء لکھتے ہیں:۔ العلم صید والکتابۃ قید۔ علم ایک بہترین شکار ہے۔ اور کتابت اس کو اپنے قابو میں لانے کا ذریعہ۔" اگر قلم نہ ہوتا تو ہم سابقین کے علوم و فنون سے نہ کچھ استفادہ کر سکتے تھے اور نہ آنے والی نسلوں کے لئے علمی یادگار چھوڑ سکتے۔ عمارات بھی یادگار ہیں مگر ایک جگہ کھڑی ہوئی اور خط وہ یادگار ہے کہ جہاں چاہیں لیجائیے۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشآء والله ذو الفضل العظيم۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ 96-6
96-7
اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝ ہاں ہاں، بے شک آدمی سر چڑھتا ہے اس پر کہ 96-8
دیکھ لیا اپنے کو تونگر بے شک تیرے رب کی طرف ہی پھرنا ہے۔"

آیات بالا کی تفسیر | انسان کی عادت ہے کہ جہاں اس کی بدحالی دفع ہوئی

اور فقر و فاقہ جاتا رہا اور اس کی جگہ تونگری اور غنا لے لی تو وہ غرور اور تکبر کی راہ اختیار کرتا اور سرکش بن جاتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ ہر ایک کو اپنے پروردگار یا لنہا کی طرف پلٹ کر جانا اور اس کو مُنہ دکھانا ہے۔ اگر شیخی اور سرکشی اختیار کریگا تو اس سے خداوند تعالیٰ ناراض ہوگا۔ کیونکہ غرور انسان کو ذلیل کرتا اور ذلت کے گڑھے میں جھونک دیتا ہے۔ انسان ایسا کام کیوں کرے جس کا انجام ذلت و رسوائی اور اپنے ہاتھوں اپنی تباہی و بربادی ہو۔ اگر وہ اس کے برخلاف تواضع و انکسار سے کام لیتا اور اللہ سُبحانہ کی دی ہوئی نعمت کا دل سے شُکر کرتا اور زبان سے اس کا اقرار کرتا اور اپنے اعضا و جوارح سے وہ کام لیتا جس میں پروردگار کی رضا و خوشنودی ہو۔ یعنی ہر ہر نعمت کو اس کے محل پر صرف کرتا تو یہ صورت اس کے لئے کہیں بہتر ہو سکتی تھی۔ مگر ایسی توفیق ان ہی کو ہوتی ہے جن کو اپنے پروردگار سے ملنے اور اس کو ایک دن منہ دکھانے کا یقین ہو۔ رہا وہ جو اس کا منکر ہے اس کے ایسے نصیب کہاں۔ ایسے منکر کو نعمت کیا ملی کہ اس کے حق میں وبال جان بن گئی۔

موجودہ حالات پر ایک نظر موجودہ حالات پر نظر کیجئے کہ اللہ سبحانہٗ نے ایسی اقوام عالم کو بھی حکومت سے سرفراز فرمایا جو پشتہا پشت سے محکومی

بلکہ غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ آج ان کی حکومتیں ہیں دولت سے مالامال ہیں مگر ان کے طرز حکمرانی کا جائزہ لیجئے تو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ وہ کون سا راستہ اختیار کی ہوئی ہیں۔ آیا شکر و سپاس گزاری کا۔ یا کفران نعمت اور ناشکری کا؟ ان کے دائرۂ حکومت میں جو لوگ ہیں وہ کس حال میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آیا امن و چین کا۔ یا پریشانی اور اضطراب کا؟ آسمان سے پانی برس رہا ہے۔ زمین برابر اگا رہی ہے۔ ہوا چل رہی ہے۔ آفتاب نکل رہا ہے اور وقت پر غروب ہو رہا ہے۔ قدرت کے سارے کام برابر انجام پا رہے ہیں پھر یہ سراسیمگی اور ہیجان کیوں ہے؟ اس کے متعلق جو بھی تاویلات اور توجیہات کی جائیں وہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا مگر بے دلیل۔ جواب یہی ہے:۔ ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ۔ بے شک انسان سر چڑھتا ہے جب اس نے خود کو دیکھا کہ وہ مستغنی ہو چکا ہے" فقر و فاقہ کی جگہ غنا و تونگری اسکو اسلئے نہیں دی گئی تھی کہ وہ کبر و غرور میں گرفتار ہو اور اپنے منعم حقیقی جل جلالہٗ ہی کا انکار کرے یا اس کو بھول جائے بلکہ اسلئے تونگر بنایا گیا تھا کہ وہ حق کو پہچانے اور بندگان خدا کی خدمت کرے۔ آخر پر اس کبر و نخوت کا علاج تجویز فرمایا جا رہا ہے:۔ ان الیٰ ربک الرجعیٰ۔ اے غافل انسان! اس امر کو یقین جان کہ ایک دن تجھکو اپنے پروردگار حقیقی کے دربار میں حاضر ہونا اور اس کو منہ دکھانا ہے"

اگر یہ ایک نکتہ انسان کے پیش نظر رہے خواہ وہ فرد ہو یا جماعت، قوم ہو یا حکومت تو ممکن نہیں کہ اللہ سبحانہ کی دی ہوئی نعمتوں سے متمتع ہو کر اس کا انکار کرے یا اس کی یاد فراموش کر جائے۔ اے نادان انسان! یہ دولت وحکومت اور یہ بادشاہت وشہنشاہت آج کی نئی پیداوار نہیں ہے بلکہ دنیا جب سے آباد ہوئی ہے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ ان میں منکر اور ناسپاس بھی تھے اور شکر گزار فرمانبردار بھی تھے۔ نہ وہ دور رہا اور نہ یہ رہے گا قیام ودوام کسی کو بھی نہیں لیکن فرمانبردار فرمانبردار رہے اور نافرمان نافرمان۔ ہر ایک کو اپنے کئے کی جزا ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی۔ آگے انسان کو اختیار رہے جو راہ چاہے اختیار کرے مگر اس کی جزا کا منتظر رہے۔

شان نزول مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائی پانچ آیات تو سب سے پہلے نازل ہوئیں پھر تین سال کے بعد اس سورت شریفہ کی باقی آیات اتاری گئیں۔ ابتدائی حصہ میں علم کی فضیلت بیان فرمائی گئی تھی۔ یہاں مال کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ مال اگرچہ فی نفسہ مذموم نہیں کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کی عطا ہے۔ لیکن جب انسان اس کو اللہ کی عطا نہ سمجھے بلکہ اپنی محنت اور کسب کا نتیجہ خیال کرے تو یہ کفران نعمت ہے۔ مفسرین کرام نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:۔

کلا ان الانسان لیطغی سے آخر سورۃ تک آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اس کی عادت تھی کہ جہاں اس کو کچھ مال ہاتھ لگ جاتا تو لباس سواری کھانے پینے میں تکلفات شروع کر دیتا اور اس کا تکبر و غرور بڑھ جاتا۔ حالاں کہ انسان کی حقیقت اتنی ہے کہ وہ جمے ہوئے خون سے بنا پیدا ہوا تو جاہل محض تھا خدا تعالیٰ نے علم دیا۔ مگر وہ اپنی حقیقت یاد نہیں رکھتا۔ ذرا سی دولت مل گئی تو شان بنانے لگا اور اپنے منعم حقیقی کو ہی فراموش کر دیا۔ پھر جو دولت حاصل ہوئی اس کو اپنی محنت کا نتیجہ جانتا۔ یہاں اسی نکتہ کی طرف ایما ہو رہا ہے۔

ابوجہل کا ایک مطالبہ روی ان ابوجهل قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتزعم ان من استغنی طغی فاجعل لنا جبال مکۃ ذھبا وفضۃ لعلنا ناخذ منھا فنطغی فندع دیننا ونتبع دینك فنزل جبرئیل علیہ السلام فقال ان شئت ذلك ثم ان لم یؤمنوا فعلنا بھم ما فعلنا باصحاب المائدۃ فکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الدعاء ابقاء علیھم۔ (روح المعانی) روایت ہے کہ ابوجہل نے (ان آیات کریمہ کو سن کر) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔ کیا آپ کا یہ دعوی ہے کہ جو کوئی مستغنی اور تونگر ہو جاتا ہے تو وہ

سرکشی پر اترا آتا ہے۔ اچھا اگر ایسا ہے تو مکہ کے ان پہاڑوں کو ہمارے لئے سونے اور چاندی کے پہاڑ بنا دیجئے تاکہ ہم ان سے خوب مستفید ہو کر سرکشی کرنے لگیں پھر اپنے دین کو چھوڑ کر آپ کے دین کا اتباع کیا کریں۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضورؐ سے عرض کیا اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم ایسا ہی کئے دیتے ہیں یعنی مکہ کے تمام پہاڑوں کو سونے چاندی کے پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ پھر بھی اگر یہ کفار ایمان نہ لائیں تو ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو مائدہ والوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی دعا سے رک گئے محض اس لئے کہ یہ کفار ہلاک و برباد نہ ہو جائیں، بلکہ ابھی دنیا میں باقی رہیں۔" یہاں حضور رحمۃ للعالمین کی شفقت ملاحظہ ہو کہ عذاب الٰہی کے ذریعہ کفار کی تباہی تک گوارا نہیں ہو رہی ہے۔

دو بھوکے جو کبھی سیر نہیں ہوتے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ منھومان لا یشبعان صاحب علم و صاحب دنیا ولا یستویان، فاما صاحب العلم فیزداد رضا الرحمان ثم قرأ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء، واما صاحب الدنیا فیتمادی فی الطغیان ثم قرأ ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

دو بھوکے ہیں جن کو کبھی سیری حاصل نہیں ہوتی۔ ایک صاحب علم اور دوسرا دنیادار
لیکن یہ دونوں ایک درجے میں نہیں ہو سکتے۔ جو صاحب علم ہے (اگرچہ وہ تحصیل علم
سے کبھی فارغ نہیں رہ سکتا ہمیشہ اس کی دُھن میں رات دن لگا رہتا ہے) تو وہ
ہر دم وہر آن خدائے رحمان کی رضامندی اور خوشنودی کا سامان کرتا رہتا ہے۔
پھر اس کے ثبوت میں یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔) اللہ
سبحانہ کی خشیت اس کے بندوں میں سے صرف علماء کو نصیب ہوتی ہے۔ (کہ جس کا
علم زیادہ اس کی خشیت زیادہ) رہا دنیادار (دنیا طلبی سے اس کا پیٹ بھی کبھی
نہیں بھرتا اگر اس کو دنیا جیسی جیسی ہاتھ لگتی ہے) اس کی سرکشی اور شرارت ہی
بڑھتی جاتی ہے۔ اس کے ثبوت میں حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی
(جس کا مطلب یہ ہے کہ:۔) انسان سرکش ہو جاتا ہے جب وہ اپنے آپ کو
دیکھتا ہے کہ دولت مند ہو گیا ہے۔"

مضمون بالا کی تائید قرآن کریم میں دوسری جگہ اس مضمون کو یوں ادا فرمایا
گیا ہے:۔ ولو بسط اللّٰہ الرزق لعبادہٖ لبغوا فی الارض ولکن ینزل
بقدر ما یشآء۔ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے (رزق کے
دروازے کھول دے اور) کھل کر رزق دیا جائے تو وہ زمین میں بغاوت

پھیلانے لگیں لیکن اللہ سبحانہ رزق کو اپنی مشیت کے مطابق ایک اندازے
سے اُتارتا رہتا ہے " کہ وہ بھوکے مرنے بھی نہ پائیں اور بغاوت و سرکشی پر بھی
نہ اتر آئیں " فی زمانہ دولت والوں کو دیکھئے اور ان کے حالات سے سبق حاصل کیجئے
کہ ایک ایک بات کس طرح حرف بہ حرف صادق ہے ؟

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۙ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۙ أَرَأَيْتَ 96-9 96-1
إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۙ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۙ أَرَأَيْتَ إِن 96-11 96-
كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۙ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۙ بھلا دیکھو تو جو 96-14
منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھو تو اگر ہوتا نیک راہ پر
یا سکھاتا پرہیزگاری کے کام بھلا دیکھو تو اگر جھٹلایا اور منہ موڑا یہ نہ جانا کہ
اللہ دیکھتا ہے "

آیات بعد کی تفسیر ان آیات کے متعلق بھی مفسرین کرام کا اتفاق
ہے کہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جن میں ارشاد ہو رہا ہے أَرَأَيْتَ
الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ سے جو ایسا اس کو بھی دیکھئے کہ خود تو
دین حق قبول کرکے نماز کیا پڑھتا ایک بندہ جس پر بندگی ختم اور قبائے بندگی
جس پر پوری طرح چست ہے ایسی بندگی کہ اس کا کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں ہوتا اور تمام بندگان خدا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایسا عبد کامل و اکمل جب نماز پڑھتا ہے تو اس کو یہ نماز سے روکتا ہے۔ نماز کیا ہے، بندے کے اپنے رب سے ربط قائم کرنے کا ذریعہ اور اس سے قریب تر ہو کر راز و نیاز، مناجات اور سرگوشی کرنے کا وسیلہ، ایسی عبادت سے روکتا ہے جس طرح نماز جیسی عبادت کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی اور عبد کامل و اکمل کی کنہ اور حقیقت تک بادشاہ کی رسائی نہیں ہو سکتی اس سے اپنے بندے کو منع کرتا ہے تو ایسے مانع خیر کی مذمت و شناعت اور اس کے جہل و حماقت کا کیا حال ہوگا!

ابوجہل کا نماز سے روکنا

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فجاءہ ابوجہل فنہاہ۔ (ابن جریر) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کعبۃ اللہ شریف کے سامنے) نماز ادا فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابوجہل لعین آیا اور آپ کو وہاں نماز ادا کرنے سے منع کر دیا۔" لیکن اس کے روکنے سے آپ کب رکنے والے تھے؟ آپ نے وہاں حسب عادت نماز پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ دوسری دفعہ پھر آیا اور آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فجاءہ ابوجہل فقال الم انہاک عن ھذا الم انہک

عن ھذا فانصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فزبرہ فقال ابوجہل انک لتعلم ما بھا رجل اکثر نادیا منی۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، ترمذی بروایت صحیحہ ابن المنذر، ابن جریر، طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نماز ادا فرما رہے تھے کہ ایسے میں ابوجہل لعین آیا اور کہنے لگا کیا میں نے آپ کو اس کام سے منع نہیں کیا تھا۔ کیا میں نے آپ کو اس سے روکا نہیں تھا؟ یہ سن کر حضور نبی دو جہاں علیہ صلوات الرحمان اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو جھڑک دیا۔ اس پروہ (برافروختہ ہوکر) کہنے لگا آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس سرزمین میں مجھ سے زیادہ اور کسی کی جماعت نہیں ہے۔" مطلب یہ کہ اگر آپ نماز پڑھنے سے باز نہ آئیں گے تو میں اپنے احباب اور رفقائے کار کی جماعت سے کام لوں گا۔

ابوجہل لعین کے منصوبے

اس کے بعد ابوجہل کمال رعونت و خشونت سے غائبانہ کبھی تو یہ کہتا۔ لئن رأیت محمدا یصلی عند الکعبۃ لاطأن عنقہ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، بخاری، ابن جریر، ابن مردویہ، ابن المنذر، ابونعیم، بیہقی) اگر میں آئندہ جب کبھی محمدؐ کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لوں گا تو (العیاذ باللہ) پاؤں رکھ کر گردن کچل ڈالوں گا۔" اور کبھی یوں بڑھ ہانکتا جیسا کہ حضرت

ابوہریرہؓ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا:- هل يعفر محمد وجهه بين اظهركم فقيل نعم فقال واللات والعزى لئن رأيته يفعل لأطأن على رقبته ولاعفرن وجهه فى التراب۔ (ابن المنذر) (ابوجہل لعین نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا) کیا محمدؐ تمہارے سامنے تمہارے موجود رہتے ہوئے اپنا چہرہ زمین پر ملا کرتے اور اپنی پیشانی کو خاک آلود کرتے رہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں ایسا کیا کرتے ہیں۔ اس خبیث لعین فی النار والسقر نے کہا۔ لات وعزیٰ کی قسم! اگر ایسا کرتے ہوئے میں ان کو دیکھ لوں تو پاؤں سے ان کی گردن کچل ڈالوں گا اور ان کے چہرے کو مٹی میں چھپا دوں گا۔"

حضور انورؐ کا جواب | حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے کمال بے پرواہی سے فرمایا:- لو فعل لاخذته الملائكة عيانا (عبدالرزاق، عبد بن حمید، بخاری، ابن جریر) (ابوجہل کی کیا مجال ہے کہ ایسا کرے) اگر بالفرض اس نے ایسا کرنا چاہا، اور ذرا سی حرکت اس سلسلہ میں کی تو فوراً اللہ سبحانہ کے فرشتے دیکھتے دیکھتے اس کو گرفتار عذاب کر لیں گے۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:- واللہ لو دعا نادیه لاخذته زبانية الله۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، ترمذی بروایت صحیح) خدا کی قسم! اگر ابوجہل (حضور کے مقابلہ کے لئے)

اپنی مجلس کے لوگوں کو بلا لیتا تو زبانیۃ اللہ (اللہ سبحانہ کی دوزخ کے فرشتے) فی الفور اس کو گرفتار کر لیتے۔" دوسری دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے یوں فرمایا:۔

واللہ لو تحرك لاخذته الملائكة والناس ينظرون اليه (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابو نعیم) قسم بخدا! اگر ابوجہل اس سلسلہ میں ذرا بھی حرکت کرتا تو فرشتے اس کو فوراً گرفتار کر لیتے درحالیکہ سب لوگ اس گرفتاری کو علانیہ دیکھ رہے ہوتے۔"

ایک واقعہ احادیث شریفہ میں ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل لعین آپ کو مصروف نماز دیکھ کر بُرے ارادے سے بڑھا تھا کہ ساتھ ہی پچھلے پاؤں لوٹ کر بھاگ نکلا۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ فاتى رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم وهو يصلى ليطأ على رقبته قال فما فجئهم منه الا وهو ينكص على عقبيه ويتقى بيديه فقيل له مالك قال ان بينى وبينه خندقا من نار وهولا واجنحة فقال رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم لو دنا منى لاختطفته الملائكة عضوا عضوا قال وانزل اللہ كلا ان الانسان ليطغى الى آخر السورة يعنى ابا جهل فليدع ناديه يعنى قومه سندع الزبانية يعنى الملائكة۔ (امام احمدؒ، مسلمؒ، نسائیؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن مردویہؒ، ابو نعیمؒ، بیہقی) چنانچہ ابوجہل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا

درحالیکہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے چاہتا تھا کہ سوء ادبی کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ لعین کا آگے بڑھنا ہی تھا کہ وہ پچھلے پاؤں لوٹنا شروع کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بچاؤ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے کہا تجھے کیا ہوگیا ہے جو اپنا بچاؤ کرتا ہوا پچھلے پاؤں لوٹ کر آ رہا ہے (آگے بڑھتا کیوں نہیں ؟) کہنے لگا کہ میرے اور ان کے درمیان دہکتی آگ کی ایک خندق ہے اور پروبال والی ایک ڈراؤنی مخلوق حائل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک جزو الگ کردیتے۔ راوی کا کہنا ہے کہ اس وقت یہ آیات کلا ان الانسان سے آخر سورت تک نازل ہوئیں یہ سب ابوجہل کے بارے میں ہیں۔ فلیدع نادیہ میں نادیہ سے اس کی قوم مراد ہے اور زبانیہ سے فرشتے مراد ہیں۔"

آیات صدر کی تفسیر ارأیت ان کان علی الھدیٰ او امر بالتقوی ارأیت ان کذب وتولی۔ ان آیات کریمہ کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے۔ ایک یہ ارأیت ان کان اور امر کی ضمیروں کا مرجع عبدؐ کو قرار دیا جائے۔ اور الذی ینھیٰ اور کذب وتولی کی ضمیروں سے ابوجہل مراد لیا جائے جیسا کہ حضرت قتادہؒ مذکورۃ الصدر آیات کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ نزلت فی عدو اللہ

ابی جهل وذلک انه قال لئن رأیت محمدا یصلی لاطأن علی عنقه
فانزل الله ارأیت الذی ینهی عبدا اذا صلّی ارأیت ان کان علی الهدیٰ
او امر بالتقویٰ قال محمد ارأیت ان کذّب وتولّی یعنی بذلک ابا جهل
(عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر)۔ یہ آیات کریمہ دشمن خدا ابوجہل کے
بارے میں نازل ہوئیں۔ وہ اس طرح کہ اس ملعون نے کہا تھا کہ اگر میں آئندہ محمدؐ کو
نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لوں گا تو .... انھیں گستاخانہ کلمات کو دہرایا۔
اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:۔ ارأیت الذی ینهی عبدا اذا صلّی
بھلا دیکھو تو اس مردود کو جو منع کرتا ہے عبد (کامل و اکمل) کو جب کہ وہ نماز میں
مشغول ہو" (یہاں الذی ینهی سے ابوجہل مراد ہے) اور یہ آیات بھی نازل
ہوئیں:۔ ارأیت ان کان علی الهدیٰ او امر بالتقویٰ قال محمد
بھلا دیکھو تو کہ اگر وہ عبد کامل و اکمل خود بھی راہ راست پر قائم اور دوسروں کو
تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو" حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اس سے حضرت
محمدؐ مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں" اور یہ آیات بھی اتاری
گئیں:۔ ارأیت ان کذّب وتولّی الم یعلم بان الله یریٰ یعنی
بذلک ابا جهل۔ بھلا دیکھو تو کہ اگر یہ نماز سے روکنے والا خدا اور رسول کو

جھٹلاتا اور ان کی اطاعت و فرماں برداری سے روگرداں ہو رہا ہو۔ کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ سبحانہ سب کچھ دیکھ رہا ہے" اس سے ابوجہل لعین مراد ہے"۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ اس تفسیر کی صحت میں کلام نہیں کیونکہ سلف صالحین سے مروی ہے مگر یہاں انتشار ضمائر ہے۔ یعنی ایک ہی سلسلہ کلام میں پہلی دو آیات سے ابوجہل اور دوسری دو آیات سے حضرت نبی کریم التحیۃ والتسلیم اور آخری دو آیات سے پھر ابوجہل مراد لیا جا رہا ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ ان تمام آیات میں ابوجہل ہی مراد لیا جائے۔ اس صورت میں انتشار ضمائر نہ ہوگا اور پورا کلام ابوجہل ہی کے باب میں ہوگا۔ یہ تفسیر بھی سلف سے مروی ہے اس لئے ہم نے ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا ہے۔ اس اعتبار سے ارأیت ان کان علی الھدی او امر بالتقوی کی تفسیر یوں ہوگی: بھلا دیکھو تو اگر یہ ابوجہل خود بھی راہ راست پر آتا یا تقوی و پرہیزگاری کا حکم اپنی جماعت کو دیتا تو اس کے حق میں کیا ہی اچھا ہوتا کہ خود بھی نجات پاتا اور دوسروں کی نجات کا بھی ذریعہ اور سبب بنتا۔ مگر اس شقی ازلی کے ایسے نصیب کہاں۔ اس کو تو دوزخ کا ایندھن بننا ہے، اسی لئے اس کو ایسی بری تدبیریں سوجھ رہی ہیں اور ایسے ناشائستہ کلمات

اس کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں:۔ انزل اللّٰہ کلّا ان الانسان لیطغی الی آخر السورۃ یعنی ابا جہل۔ (امام احمد، مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کلّا ان الانسان لیطغی سے آخر سورت شریفہ تک تمام آیات کریمہ جو نازل فرمائی میں الانسان سے ابوجہل ہی مراد ہے۔" 96-15 96-1

کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ ۙ نَاصِیَةٍ کَاذِبَةٍ 96-17 96-1
96-19
خَاطِئَةٍ ۚ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ ۙ کَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩

کچھ نہیں اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم گھسیٹ لائیں گے چوٹی پکڑ کر کیسی چوٹی؟ جھوٹی خطا کار اب وہ بلا لائے اپنی مجلس والوں کو ہم بھی ابھی بلاتے ہیں پیادے گرفتار کرنے والے، کچھ نہیں نہ مانو اس کا کہا اور سجدہ کیجئے اور نزدیک ہوتے جائیے۔"

آیات صدر کی تفسیر ان آیات کریمہ سے پہلے جو تفسیر عرض کی گئی ہے اس میں معلوم ہو چکا ہے کہ مردود ابوجہل نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر پھر کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھے گا تو بحالت سجود سخت ترین گستاخی و سوء ادبی کر گزریگا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے

یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں کہ اس سے ایسا ہرگز نہ ہوسکے گا ابوجہل کی خیر اسی میں ہے کہ وہ اپنے فاسد خیال خام سے باز آجائے۔ اگر وہ باز نہ آئیگا تو ہم اسوقت خاموش تماشائی بنے ہوئے نہیں رہیں گے۔ ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹ لائیں گے۔ پیشانی بھی کیسی جس کا بال بال خطا وار ہے۔ ابوجہل اپنے ساتھیوں کی کثرت پر ناز کر رہا ہے۔ اچھی بات ہے وہ اپنے ہم خیال کفار کو بلا لائے۔ ہم بھی اپنے پیادے بھیج دیتے ہیں جو اسے چشم زدن میں گرفتار کر لائیں گے۔ پھر دیکھئے کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتا ہے یا ذلت و رسوائی کیساتھ گرفتار کرکے ہمارے حضور میں جو آپ ہی کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ ابوجہل کی ایک نہیں چل سکتی۔ آپ اس کی لاف زنی کا کچھ خیال نہ کیجئے اور اس کی ایک نہ مانئے اس کے علی الرغم ہمارے آگے سجدہ کیجئے اور ہم سے قریب ہوتے جایئے۔

حضرت عباسؓ کی ایک روایت چنانچہ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:- کنت یوماً فی المسجد فاقبل ابوجہل فقال ان للّٰہ علیّ ان رأیت محمّداً ساجداً ان اطأ علی رقبتہ فخرجت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم حتی دخلت علیہ فاخبرتہ بقول ابی جہل فخرج غضباناً حتی جاء المسجد فعجل ان یدخل الباب فاقتحم الحائط

نقلت ھذا یوم شرّ فاتزّرت ثمّ تبعتہ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ اقرأ باسم ربّک الذی خلق فلما بلغ شان ابی جھل کلا ان الانسان لیطغی قال انسان لابی جھل یا ابا الحکم ھذا محمد فقال ابوجھل الا ترون ما اریٰ واللہ لقد سدّ افق السمآء علیّ فلما بلغ رسول اللہ علیہ وسلم آخر السورۃ سجد۔ (بزار' طبرانی' حاکم بروایت صحیحہ' ابن مردویہ' ابونعیم' بیہقی') میں ایک دن خانہ کعبہ کے پاس مسجد حرام میں تھا کہ اتنے میں ابوجہل آیا اور کہنے لگا کہ میں اللہ کے لئے یہ منّت مانتا ہوں کہ اگر محمد کو یہاں کبھی سجدہ کرتے دیکھ لوں گا تو ان کی گردن کچل ڈالوں گا۔ یہ سنتے ہی میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فوراً روانہ ہوا تا آنکہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو ابوجہل کی اس بات سے باخبر کر دیا۔ یہ سماعت فرما کر آپ نہایت برافروختہ ہو کر اسی وقت مسجد حرام کا قصد فرمایا اور جلدی سے دروازے سے ہوتے ہوئے حرم شریف میں رونق افروز ہو گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شر انگیز دن ہے۔ میں بھی آپ کی حمایت کے لئے مستعد ہو گیا اور آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لائے (اور نماز شروع فرمادی) اور اس میں سورۂ اقرأ کی تلاوت فرمانے لگے۔ اس سورت شریفہ میں

جب ابوجہل کا بیان کلا ان الانسان لیطغیٰ سے آغاز ہوا تو ایک شخص نے
ابوجہل سے کہا۔ اے ابوالحکم![1] یہ محمدؐ ہیں۔" ایسا کہنے سے مقصد یہ تھا۔ اے
ابوجہل! تو نے کہا تھا کہ اگر محمدؐ کو پھر کبھی سجدہ کرتا دیکھوں گا تو ان کے ساتھ
ایسا ایسا سلوک کروں گا۔ اب وہ آچکے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر
ابوجہل نے کہا۔ کیا تم دیکھتے نہیں جو میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان کی ساری فضا
(ایک ہیبت ناک مخلوق سے پر ہے اور) مجھ پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار ہے۔
اسی عالم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں سورۂ اقرأ کی تلاوت
فرماتے ہوئے جب آخر سورۃ شریفہ پر پہنچے تو سجدۂ تلاوت ادا فرمایا۔ جو نماز کے
سجدوں کے علاوہ تھا۔

کلا لا تطعہ کی تفسیر | کَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ کچھ نہیں

[1] (یہ ابوجہل کی کنیت ہے۔ کفار قریش اس کو اپنا سردار مانتے تھے اسلئے اس کو ابوالحکم یعنی حکمتوں
اور دانائیوں والا کہہ کر پکارتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
مقابلے میں اس کی ہر تدبیر الٹی پڑتی جارہی ہے تو اس سے برگشتہ ہوکر ابوجہل اس کی کنیت قرار دی
یعنی حکمتوں سے بھرا ہوا تو نہیں ہے بلکہ سرتاپا جہل ہی جہل ہے یعنی جہل اور حماقت کا پتلا)۔

(اے نبی کریم!) آپ اس کی ایک نہ مانئے۔ اور (اس کے علی الرغم اپنے پروردگار کے آگے) سر بسجود رہا کیجئے" گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوجہل کی یہ تہدید و تخویف آمیز گفتگو کو سماعت فرماکر بارگاہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ میں عرض کیا کہ مجھے آئندہ کیا کرنا چاہئے؟ کیونکہ یہ مردود مجھے اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہونے سے بھی روکنا چاہتا ہے۔ تو ارشاد ہوا کہ وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ آپ اس کی ایک بات بھی نہ سنیں اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں۔ اور اپنے رب کے حضور میں برابر سجدہ کرتے رہیں اور اسی سجود دعا میں کے ذریعہ اس کے تقرب کے منازل و مراحل طے کئے جائیں" بارگاہ رب العزت سے جب یہ مژدہ جانفزا ملا تو آپ کو یوں بھی ابوجہل اور اس کے ہم خیال لوگوں کی کچھ پرواہ نہ تھی اب تو کھلے بندوں سب سے نڈر ہو کر روز روشن میں کفار کے مجمع میں اور ابوجہل کی موجودگی میں، خانہ کعبہ تشریف لائے۔ علانیہ نماز ادا فرمائی۔ نماز کی ہر رکعت میں دو دو سجدے تو ہوا ہی کرتے تھے۔ اس کے سوا مزید ایک سجدہ ادا فرمایا جس کو سجدہ تلاوت کہا جاتا ہے۔

سجدۂ تلاوت کا حکم | سجدۂ تلاوت عند الاحناف قاری اور سامع پر واجب ہے۔ کیونکہ اس بارے میں صیغہ امر وارد ہوا ہے اور امر وجوب کے لئے ہے۔

پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر سجدہ ادا فرمایا ہے۔ نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔ انہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سجد فی اذا السماء انشقت واقرأ (مسلم شریف) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ اذا السمآء انشقت اور سورۂ اقرأ میں سجدہ ادا فرمایا۔" اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے کیوں کہ حضور لامع النور نے اس پر مداومت فرمائی ہے رہا صیغہ امر جو اس باب میں وارد ہوا ہے اس سے نماز مراد ہے یہاں جزو کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سجدے کی فضیلت حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم نے فرمایا:۔ اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء۔ (مسلم شریف) اپنے پروردگار سے بندہ جو زیادہ تر قریب ہوتا ہے اس حالت میں ہوتا ہے جبکہ وہ سجدہ کر رہا ہو۔ لہذا اس حالت سجدہ میں کثرت سے دعائیں کیا کرو۔" تاکہ وہ مستجاب ہوا کریں۔ اور حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ ان سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ علیك بكثرۃ السجود فانه لا تسجد لله تعالی سجدۃ الا رفعك الله بها درجة وحط عنك بها خطیئة۔ سجدے بکثرت ادا کرنے کو لازم جانو

کیونکہ جب کبھی تم اللہ سبحانہ کے آگے سجدہ کروگے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اسکی بدولت تمھارا ایک درجہ بلند کرے گا اور اس کے طفیل میں تمھارا ایک گناہ اتار دیا جائیگا۔ عندالاحناف یہاں سجدے سے نفل نماز مراد ہے کہ ایک دوگانے سے ایک ایک درجہ بلند ہوتا اور ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ دیگر ائمہ کے پاس سجدہ ہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ایک واقعہ

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ سورۂ الرحمٰن نازل ہوا تو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اصحاب کبار سے دریافت فرمایا کوئی ہے جو اس سورت شریفہ کو روسائے قریش کی مجلس میں سنائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آمادگی ظاہر کی۔ اور کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اس وجہ سے کہ وہ کمزور وناتواں تھے اور قد بھی بوٹا سا تھا۔ وہاں قوی الجثہ طاقتور آدمی کی ضرورت تھی۔ پھر فرمایا کوئی ہے جو روسائے قریش کو سورۂ الرحمٰن سنائے۔ اس نوبت پر بھی سب خاموش تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ ہی نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس پر بھی آپ خاموش رہے۔ پھر فرمایا کوئی ہے جو سورۂ الرحمٰن اکابر قریش کو پڑھ سنائے۔ پھر بھی حضرت ابن مسعودؓ ہی نے خود کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تم ہی جاؤ۔

چنانچہ آپ خانہ کعبہ حاضر ہوئے اور کفار قریش کے مجمع میں سورۂ الرحمٰن کی تلاوت
کی۔ اس وقت ابو جہل لعین نے بڑے طیش میں آکر حضرت ابن مسعودؓ کو ایک طمانچہ
رسید کیا۔ اور گوشمالی دیکر کان پھاڑ دیا جس سے آپ لہولہان ہوگئے۔ اور روتے
ہوئے دربار اقدس میں حاضر ہوئے۔ ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ہنستے ہوئے
نازل ہوئے۔ حضور اقدس نے فرمایا کہ ابن مسعودؓ رو رہے ہیں اس وقت آپ کے
ہنسنے کا کیا محل ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا:۔ ستعلم۔ آپ کو
عنقریب معلوم ہو جائے گا۔" جب غزوۂ بدر ہوا اور قریش ہزیمت
خوردہ ہوکر بھاگ گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بحکم نبوی زخم خوردہ کفار کی
تلاش میں روانہ ہوئے، ابو جہل پر نظر پڑی کہ زخمی ہوکر پڑا ہوا خرخر کر رہا
ہے۔ آپ نے اپنا برچھا اس کی ناک پر رکھ دیا۔ اور سر کاٹنے کے لئے
سینہ پر بیٹھ گئے۔ ابو جہل نے آنکھ کھولی۔ اور آپ کو پہچان لیا۔ اور
حقارت سے کہنے لگا:۔ لقد ارتقیت مرتقی صعبا یا رویعی الغنم
اے بکریاں چرانے والے چھوٹے چرواہے! آج تو بڑے دشوار گزار مقام پر
چڑھ آیا۔" حضرت ابن مسعودؓ نے برجستہ جواب دیا:۔ الاسلام یعلو
ولا یعلیٰ علیہ۔ اسلام ہی سربلند رہتا ہے اس کے مقابلے میں کسی کی تعلی چل نہیں سکتی۔"

پھر اس کا سر کاٹ کر لے جانا چاہا تو وہ آپ سے اٹھ نہ سکا۔ آپ نے اس کے کان میں سوراخ کر کے اس میں ڈوری ڈال دی اور گھسیٹتے ہوئے دربار اقدس میں لے آئے۔ سر کاٹا جا رہا تھا تو اس وقت بھی ابو جہل لعین نے یہ کہا:—
بلّغ صاحبك انه لم يكن احد ابغض الیَّ منه فی حال حیاتی
اپنے آقا کو یہ سنا دینا کہ میرے مرنے کی حالت میں بھی ان سے بڑھ کر مجھے اور کسی سے اتنا بغض و عناد نہیں ہے۔" بہرحال جب حضرت ابن مسعودؓ ابوجہل کا سر کاٹ کر حضور کے قدموں پر خوشی خوشی ڈال دیا تو اس وقت بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور خوش ہو ہو کر عرض کیا:— یا رسول اللہ اذن باذن والرأس زیادۃ۔ کان کے بدلے کان اور سر اس پر سزا ود" یعنی مکہ کے اس واقعہ کو یاد دلایا جو حضرت ابن مسعودؓ کو ابوجہل کے ہاتھوں پیش آیا تھا۔ اور جس کی بابت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ہنسنے کی نسبت کہا تھا ستعلم۔ آپ کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔" پھر جب حضرت ابن مسعودؓ نے ابوجہل کا یہ آخری کلمہ سنایا کہ اب بھی حضور سے زیادہ اس کو کسی سے بغض و عناد نہیں تو ارشاد اقدس ہوا:— فرعونی اشدّ من فرعون موسٰی و ھو قال آمنت وھو قد زاد عتوًا۔ میرا فرعون موسیٰ کے فرعون سے بھی

شدید تر ہے۔ اس نے ڈوبتے وقت آمنت کہا تھا۔ اور یہ اتنا اشد ہے کہ مرتے ہوئے بھی اس کی سرکشی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"

حضرت ابن مسعودؓ کے کمزور ہونے میں حکمت

اللہ سبحانہ نے حضرت ابن مسعودؓ کو ضعیف و ناتواں بنایا اتنا کہ ابوجہل کا تن سے جدا کیا ہوا سر تک اٹھا کر نہ لا سکے بظاہر اس میں بھی خدائے حکیم کی کئی حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ابوجہل اگرچہ اپنی قوم کا سردار تھا مگر اللہ سبحانہ کی نظر میں وہ دوزخ کا کتا تھا۔ اور کتے کو اٹھا لانے کا دستور نہیں بلکہ اس کو گھسیٹ کر ہی لایا جاتا ہے۔ دوسری حکمت یہ کہ اس نے حضرت ابن مسعودؓ کا کان پھاڑ دیا تھا آج ابوجہل کے کان میں سوراخ کر کے اور اس میں ڈورا ڈال کر گھسیٹا گیا تاکہ کان کا قصاص لے لیا جائے۔ تیسری یہ کہ ابوجہل کی نسبت قرآن کریم میں جو پیشین گوئی نازل ہوئی تھی ۔ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ "پیشانی کے بل گھسیٹ لائیں گے" دنیا ہی میں اس کی تکمیل ہو جائے۔ یہاں پیشانی سے سر کے بال مراد ہیں جو سامنے کے حصے میں ہوتے ہیں۔ ابوجہل کی عادت تھی کہ وہ بالوں میں تیل ڈال کر، کنگھی کر کے، مانگ نکال کے، بڑی شان کے ساتھ نکلا کرتا جب مردود مذکور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت،

ایذا رسانی اور گستاخی پر آمادہ ہوا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس کی یہ سزا تجویز فرمائی کہ جن بالوں کے ذریعہ وہ اپنی شان دکھاتا تھا آج وہ اس تحقیر وتذلیل کا سبب بن گئے اور وعید آئی :۔ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ "پیشانی بھی کیسی؟ جھوٹی خطاکار" فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضور اکرم کی دعا اور ابو جہل کی شقاوت

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور شان رحمۃ للعالمین ملاحظہ ہو کہ آپ نے اسی ابوجہل اور اس کے ہمشیرزادہ عمر بن خطاب کے لئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرمائی تھی :۔ اللھم اید الاسلام بابی جھل بن ھشام او بعمر بن الخطاب۔ بارالہا! اسلام کی تائید فرمایئے اور اس کو تقویت دیجئے ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ یا عمر بن خطاب کے ذریعہ" آپ کی دعا حضرت عمر بن خطابؓ کے حق میں قبول ہوئی۔ اور ان کے ذریعہ اسلام کی جو تقویت ہوئی وہ محتاج بیان نہیں مگر ابوجہل اپنی شقاوت ازلی کے باعث محروم ہی رہا اور ابدالآباد کے لئے مردود اور ملعون ٹھہرا۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ کی دوسری تفسیر

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ اس کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے۔ بعض مفسرین کرام نے دوسری

تفسیر فرمائی ہے جیسا کہ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں :۔ واسجد انت یا محمد
واقترب انت یا ابا جھل یتوعدہ ۔ (ابن ابی حاتم) اور آپ اے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ سر بسجود رہیے ۔ اور تو اے ابوجہل ! ذرا نزدیک تو آ ۔
اس کو وعید سنائی جارہی ہے اور ڈر بتایا جارہا ہے ۔" واللہ اعلم ۔

سورۂ اقرأ کی تفسیر ختم ہوئی ۔ و للہ الحمد ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم
علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ الطیبین و اصحابہ اجمعین ۔

97 QADRE Verses 5

سورۂ قدر

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورۃ شریفہ کا ماقبل سورت سے ربط اور مناسبت
اس طرح ہے کہ ماقبل سورت کی ابتدا اقرأ سے ہوئی تھی کہ پڑھیے "یعنی آپ کو
قرآن کریم جو پڑھایا جا رہا ہے اس کو پڑھا کیجئے۔ پھر دوسری دفعہ اسی کلمہ
اقرأ کو بطور تاکید دوہرا کر قرآن کریم کو پڑھتے رہنے پر زور دیا گیا تھا۔
یہاں قرأت قرآن کا حکم دینے اور اس پر زور دیکر قرادت قرآن کی تاکید
کرنے کی گویا وجہ اور علت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ سوال ہوتا تھا کہ قرآن
کریم کے پڑھنے کا حکم اور اس پر تاکید کیوں فرمائی جا رہی ہے؟ تو اس سوال مقدر
کا جواب ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ یقیناً اس قرآن کریم کو ہم نے
نازل کیا ہے" ہماری اتاری ہوئی کتاب بھی ایسی ہی عظیم الشان کتاب ہے
جیسی عظمت شان ہماری ذات اور صفات کمالیہ کی ہے۔ اسلئے وہ اس

قابل ہے کہ ہمیشہ اس کی قراءت وتلاوت کا سلسلہ نماز میں اور خارج نماز جس قدر ممکن ہو جاری رکھا جائے۔ چونکہ اقرأ سے قراءت اور قرآن کا مفہوم سمجھ میں آچکا تھا اس لئے یہاں اَنزَلْنٰهُ کہہ کر صرف ضمیر "ہ" کے ذریعہ اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

97-1 اِنَّآ اَنزَلْنٰهُ فِى لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ ہم نے اس کو اتارا ہے شب قدر میں۔

یعنی اس قرآن کریم کو (جس کی طرف سورۃ سابقہ کے کلمۂ اقرأ کے ضمن میں ایما ہو چکا ہے) شب قدر میں جو عموماً ماہ رمضان المبارک میں آتی ہے لوح محفوظ سے سماء دنیا (زمین سے قریب تر آسمان) پر اتارا۔ اور وہاں سے آپ پر قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔ چنانچہ اس سے پہلے کی سورت شریفہ اقرأ باسم ربك الذی خلق کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اس سورت شریفہ کی ابتدائی پانچ آیتیں ما لم یعلم تک رمضان شریف ہی میں نازل ہوئیں۔ نیز سورۂ بقرہ میں یہ صراحت ہے: شهر رمضان الذی انزل

فیہ القرآن۔ رمضان شریف وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔

شب برات اور شب قدر

نیز سورۂ دخان کی ابتدائی آیات جو پچیسویں پارے میں گزر چکی ہیں: حٰمٓ ۝ والکتاب المبین ۝ انّا انزلنٰہ فی لیلۃ مبٰرکۃ انا کنا منذرین ۝ فیھا یفرق کل امر حکیم ۝ ان میں بھی یہی ارشاد ہوا تھا کہ واضح کتاب کی قسم ہے یعنی یہ کتاب مبین ہی خود گواہ ہے کہ ہم نے اس کو برکتوں والی رات (شب قدر) میں اتارا ہے۔ ہم ہیں ڈر سنانے والے۔ اسی مبارک رات میں (ہر سال کے) تمام حکیمانہ فیصلے (لوح محفوظ سے) نقل کرکے (فرشتوں کے) حوالہ کئے جاتے ہیں " جو ہر کام کے لئے مقرر ہیں۔ رہی یہ بات کہ بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ مفسرین کرام نے وہاں لیلۃ مبارکۃ کی تفسیر شب برات سے فرمائی ہے جو ماہ شعبان المعظم کی پندرھویں شب ہے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے اس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان حکیمانہ اور اٹل فیصلوں کی منتقلی اور متعلقہ فرشتوں کو حوالگی کا اہتمام شب برات سے شروع ہوتا اور شب قدر پر ختم ہوتا ہے۔ لہذا یہ دونوں راتیں بابرکت ہیں اور بڑی فضیلتوں کی

حامل ہیں۔ واللہ اعلم۔

قدر کی تفسیر قدر کے کئی معنی ہیں جن کے پیش نظر اس مبارک رات کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ قدر کے معنی شرف، عزت اور فضیلت جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص یا چیز قابل قدر ہے۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ما اعلم لیوم فضلا علی یوم ولا لیلۃ الا لیلۃ القدر فانھا خیر من الف شھر۔ (ابن ابی شیبہ) کسی دن کی فضیلت کسی دن یا رات پر (اسی طرح کسی رات کی فضیلت، کسی رات یا دن پر ہو) میرے علم میں نہیں ہے بجز لیلۃ القدر کے کہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے" یہاں فضیلت سے حضرت حسن بصری کی مراد وہ فضیلت ہے جو قرآن کریم میں صاف و صریح طور پر بیان فرمائی گئی ہے۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ اس متبرک رات میں چونکہ مومنین کے اعمال صالحہ بارگاہ رب العزت میں پیش ہوتے اور وہاں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور ان کی قدر افزائی ہوتی ہے اس لئے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ بہر حال قدر کے معنی شرف وعزت اور فضیلت کے ہوئے۔

قدر کی دوسری تفسیر نیز قدر کے معنی مقدار اور اندازے کے بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ انا کل شیئ خلقنٰہ بقدر۔ وکل شیئ

عندہ بمقدار - ہم نے ہر چیز کو ایک مقدار اور اندازے پر پیدا کیا ہے۔
اور ہر چیز اس کے پاس ایک اندازے اور مقدار پر ہے" چونکہ لیلۃ القدر
میں بھی سال بھر کے فیصلے اور قضا و قدر کے احکام لوح محفوظ سے منتقل کر کے
فرشتوں کے حوالے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلے اور احکام سال بھر کی
حد تک محدود اور ایک مقدار اور اندازے پر ہوتے ہیں اس لئے اس رات کو
لیلۃ القدر کہا گیا۔ تقدیر بھی اسی معنی میں ہے یعنی ہر چیز کا اندازہ۔

تیسری تفسیر نیز قدر کے معنی عربی زبان میں تنگی کے بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ
ارشاد باری ہے :۔ اللہ یبسط الرزق لمن یشآء و یقدر۔ اللہ
سبحانہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کی روزی میں وسعت دے اور جس کو چاہے اس کا
رزق تنگ کر دے" شب قدر میں بھی اللہ سبحانہ کے حکم سے فرشتے اس کثرت
سے نازل ہوتے ہیں کہ زمین پر تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی جیسا کہ آگے
اس کا بیان آرہا ہے۔ اس لئے اس متبرک رات کو لیلۃ القدر کہا گیا۔
یعنی جس میں عرصۂ زمین فرشتوں کے لئے ان کی کثرت کی وجہ سے تنگ ہوجاتا ہے

قرآن کریم عرش اعظم سے بیت العزۃ میں نازل ہوا حضرت ابن عباسؓ آیہ کریمہ انا انزلناہ کی
تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ انزل القرآن

فی لیلۃ القدر جملۃ واحدۃ من الذکر الذی عند رب العزۃ حتی
وضع فی بیت العزۃ فی السماء الدنیا ثم جعل جبریل یتنزل علی محمد
نجوما بجواب کلام العباد واعمالھم۔ (ابن الضریس، ابن جریر، ابن المنذر،
ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیح، ابن مردویہ، بیہقی) قرآن کریم لوح محفوظ سے جو رب العزۃ
جل جلالہ کے پاس ہے شب قدر میں قریب تر آسمان پر اتار گیا اور بیت
العزۃ میں (جو آسمان اول پر ہے) رکھا گیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام اس کو
تھوڑا تھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بندگان خدا کے استفسار پر یا
ان کے روزمرہ واقعات، اعمال اور احوال کے لحاظ سے اتارلاتے رہے
غار حرا سے تنزیل کا آغاز ہوا۔ بہر حال جس مبارک رات میں قرآن کریم جیسی
باعظمت کتاب کا نزول شروع ہوا اس کی عظمت و شان کا کیا بیان ہو سکے
خود رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کا ارشاد ہو رہا ہے:۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ خَيْرٌ 97-2 97-3 97-4
مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ اور آپ نے کیا جانا کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر بہتر ہے
ہزار مہینوں سے"

یعنی قدر کی ایک رات، ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں یہ شب قدر نہ ہو

جیسا کہ حضرت قتادہ نے فرمایا:۔ خیر من الف شہر لیس فیھا لیلۃ القدر (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، محمد بن نصر، ابن المنذر) شب قدر اُن ہزار مہینوں سے سے بہتر ہے جو شب قدر سے خالی ہوں‘‘

امت مرحومہ پر عنایت الٰہی

اب یہ ہزار مہینے کونسے ہیں؟ اس کی نسبت احادیث شریفہ میں ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی اعمال الناس قبلہ او ما شاء اللہ من ذلک فکانہ تقاصر اعمار امتہ ان لا یبلغوا من العمل مثل ما بلغ غیرھم فی طول العمر فاعطاہ اللہ لیلۃ القدر خیرا من الف شہر۔ (امام مالکؒ، بیہقیؒ) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امم سابقہ کے اعمال صالحہ دکھائے گئے جن کا مشاہدہ رب العزت کو منظور تھا۔ اس سے حضورؐ نے یہ اندازہ فرمایا کہ اگلی امتوں کی عمریں دراز تھیں انھوں نے اپنی عمر کے اسّی سال یا اس سے زاید عبادت ہی میں گزار دیے۔ اور حضورؐ کی امت مرحومہ کی عمریں عموماً بین الستین و السبعین یعنی ساٹھ ستر سال کے درمیان بتائی گئی ہیں اس میں سے بھی نابالغی وغیرہ کا زمانہ خارج کر دیا جائے تو باقی ہی کیا رہتا ہے؟ وہ کس طرح امم سابقہ کا مقابلہ کر سکتی ہیں؟ اس پر اللہ سبحانہ نے یہ خوشخبری سنائی کہ ہم آپ کو اور آپ کی

امتِ مرحومہ کو ایک رات ایسی دیا کریں گے کہ اگر وہ اس میں ہماری عبادت کریں تو یہ ایک ہی رات ہزار مہینوں کے برابر بلکہ اس سے کہیں بہتر ثابت ہوگی۔"

بنی اسرائیل کے ایک صالح کا حال حضرت مجاہد فرماتے ہیں: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رجلا من بنی اسرائیل لبس السلاح فی سبیل اللہ الف شھر فعجب المسلمون من ذلک فانزل اللہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر التی لبس فیھا ذلک الرجل السلاح فی سبیل اللہ الف شھر۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو ہزار مہینوں تک راہ خدا میں ہتھیار باندھ کر دشمنان دین سے جہاد کرتا رہا۔ یہ سنکر مسلمانوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اس وقت اللہ سبحانہ نے یہ سورت شریفہ نازل فرمائی کہ ہم نے اس کتاب پاک کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ تمھیں کچھ معلوم بھی ہے کہ شبِ قدر کیا ہے؟ قدر کی ایک رات بنی اسرائیل کے ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں بنی اسرائیل کے یہ بزرگ عبادت کرتے رہے اور مسلح ہوکر ہزار مہینوں تک دشمنان دین سے لڑتے رہے۔" بعض روایات میں اتنا اضافہ ہے کہ رات کو مشغول عبادت رہتے اور دن کو روزہ رکھ کر بحالت صوم جہاد کیا کرتے تھے۔

انبیائے بنی اسرائیل کے احوال شریفہ

حضرت علی بن عروہ کہتے ہیں :۔ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما اربعة من بنی اسرائیل عبدوا اللہ ثمانین عاما لم یعصوہ طرفة عین فذکر ایوب و زکریا و حزقیل بن العجوز و یوشع بن نون فعجب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ذلك فاتاہ جبریل فقال یا محمد عجبت امتك من عبادة ھولاء النفر ثمانین سنة فقد انزل اللہ خیرا من ذلك فقرأ علیه انا انزلناہ فی لیلة القدر وما ادراك ما لیلة القدر لیلة القدر خیر من الف شھر ھذا افضل مما عجبت انت و امتك فسر بذلك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس معه ۔

(ابن ابی حاتم) ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار بزرگوں کا ذکر فرمایا جنھوں نے اسّی سال تک اللہ سبحانہ کی عبادت ایسی کی کہ اس طویل وعریض مدت میں پلک جھپکنے کے برابر بھی ان سے کوئی نافرمانی سرزد نہیں ہوئی۔ وہ حضرت ایوب ٗ حضرت زکریا ٗ حضرت حزقیل اور حضرت یوشع بن نون علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام تھے۔ یہ سن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کبار کو تعجب ہوا۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ کی امت کو ان اصحاب کی اسّی سالہ عبادت پر تعجب ہو رہا ہے درحالیکہ آپ سب کیلئے ایک ایسی عظیم الشان چیز اتاری گئی ہے جو اس سے کہیں بہتر ہے۔ پھر انھوں نے سورۂ انا انزلناہ کی ابتدائی آیات خیر من الف شھر تک پڑھ سنائیں۔ اور فرمایا کہ اس ایک رات کی عبادت، ان عبادات ہشتاد سالہ سے کہیں بہتر ہے جن سے آپکو اور آپ کی امت کو تعجب اور حسرت ہے۔ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور ہوئے اور جو لوگ اس وقت آپ کی بارگاہ میں حاضر تھے ان کو بھی بڑی مسرت ہوئی۔"

الف شھر کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر الف شھر کی اس طرح ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی امیۃ علی منبرہ فساءہ ذلک فاوحی اللہ الیہ انما ھو ملک یصیبونہ ونزلت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ (خطیب) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں مشاہدہ فرمایا کہ بنی امیہ آپکے منبر شریف پر ہیں۔ یہ منظر آپکو ناگوار گزرا تھا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ یہ صرف بادشاہت ہے جس کو وہ حاصل

کریں گے۔ پھر حق سبحانہ نے آپ پر سورت انا انزلناہ نازل فرمائی کہ ہم نے قرآن کریم کو شب قدر میں اتارا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے" یعنی یہ ہزار مہینے وہی ہیں جن میں بنی امیہ کی بادشاہت رہیگی۔ خطیب بغدادی نے حضرت سعید بن المسیب تابعی سے بھی اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔ ان روایات میں "منابر" کا ذکر آنے سے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ سورۂ قدر مدنیہ ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں تھے آپ کا کوئی منبر نہ تھا۔ منبر شریف تو مدینہ منورہ میں تیار کرایا گیا اور ستن حنانہ کا واقعہ بھی وہیں پیش آیا مگر جمہور مفسرین نے اس سورت شریفہ کو مکیہ قرار دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جو واقعات آئندہ درپیش ہونے والے ہوں ان کی اطلاع پیشتر سے دی گئی ہو اور عموماً ایسا ہوا ہے کہ پیشین گوئی کے طور پر آنے والے واقعات سے آپ کو قبل از قبل آگاہ فرمادیا گیا۔ اور وہ پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ ہم نے جمہور کا قول ہی اختیار کیا ہے چنانچہ اس سورت شریفہ کو مکیہ لکھا ہے۔ واللہ اعلم

سیدنا امام حسن کی خلع خلافت کا واقعہ قاسم بن الفضل سے مروی ہے کہ حضرت یوسف بن مازن رواسی نے فرمایا:۔ قام رجل الی الحسن بن علی

بعد ما بایع معاویۃ فقال سودت وجوہ المؤمنین۔ فقال
لا تؤنبنی رحمك اللہ فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی بنی امیۃ
یخطبون علی منبرہ فساءہ ذلك فنزلت انا اعطیناك الکوثر
یا محمد یعنی نھرا فی الجنۃ ونزلت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما
ادرلك ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر یملکھا بعدك
بنو امیۃ یا محمد۔ قال القاسم فعددنا فاذا ھی الف شھر لا تزید یوما
ولا تنقص یوما۔ (ترمذی، ابن جریر، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت سیدنا
امام حسن علیہ السلام نے جناب معاویہ سے بیعت فرمائی تو ایک شخص (اسی مجلس سے)
اٹھ کر آپ پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے مسلمانوں کا منہ کالا کر دیا۔ آپ نے
فرمایا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے مجھ پر سرزنش نہ کر۔ کیونکہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ
والتسلیم نے خواب میں مشاہدہ فرمایا کہ بنی امیہ آپ کے منبر شریف پر خطبہ دے رہے
ہیں۔ یہ منظر آپ کو برا معلوم ہوا۔ اس وقت سورۂ انا اعطینالک الکوثر
نازل ہوا کہ ہم نے آپ کو کوثر دیا ہے۔ جو جنت کی ایک نہر ہے نیز سورۂ
انا انزلنا اترا جس میں بتایا گیا کہ ہم نے اس قرآن کریم کو شب قدر میں اتارا
ہے آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ان ہزار مہینوں سے جن میں اے نبی کریم! بنی امیہ کی بادشاہت رہیگی۔ راوی حدیث قاسم بن الفضل کہتے ہیں کہ ہم نے ایام بنی امیہ کا شمار کیا تو اس کے آغاز سے انجام تک پورے ہزار مہینے ہوئے نہ ایک دن زیادہ اور نہ ایک دن کم"۔ بہرحال اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بنی امیہ کی ہزار ماہہ سلطنت کے مقابلے میں جو صرف دنیوی شان و شوکت کی حامل تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا نیز لیلۃ القدر عطا فرمائی جو سعادات دارین کا خزینہ ہے اور اس ہزار ماہہ سلطنت سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے علاوہ خلفائے بنی عباسؓ کو دو ہزار ماہہ خلافت بخشی جو اس سے دو چند عرصہ تک برقرار رہی اور اس کی شان و شوکت سلطنت بنی امیہ سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔

الف شہر کی تیسری تفسیر تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں الف (ہزار) کا لفظ کثرت کے معنی میں ہے جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو ہزار سمجھایا۔ لاکھ منایا مگر اس نے نہ مانا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ واقعی گن گن کر ہزار دفعہ یا لاکھ بار سمجھایا بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے اس کو بہتیرا سمجھایا منایا مگر اس نے نہ مانا۔ چنانچہ خود قرآن کریم میں یہود کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد باری ہوا ہے:- یود احدھم لو یعمر الف سنۃ۔ ان میں کا ایک ایک

یہ چاہتا ہے کہ کاش اس کو ہزار سالہ عمر دی جاتی" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہزار سالہ عمر پانے کے بعد بھی مرنا نہیں چاہتا بلکہ اس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ کبھی مرنے ہی نہ پائے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے۔ اس اعتبار سے آیہ کریمہ خیر من الف شھر کے معنی یہ ہوں گے کہ شب قدر پورے زمانے سے بہتر ہے" بہرحال مذکورہ تفاسیر میں سے ہر ایک اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

لیلۃ القدر کونسی رات ہے؟ رہا یہ امر کہ لیلۃ القدر کونسی رات ہے؟ اس کے بارے میں روایات جو احادیث شریفہ میں آئی ہیں بکثرت ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن رزین فرماتے ہیں کہ شب قدر رمضان شریف کی پہلی رات ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ وہ رمضان شریف کی سترھویں شب ہے۔ اسی کی صبح غزوہ بدر درپیش ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ارقمؓ سے بھی ایک روایت اسی طرح مروی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ رمضان المبارک کی انیسویں شب ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ وہ اکیسویں شب ہے۔ اس کی تائید صحیحین وغیرہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے:۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ انہ علیہ الصلاۃ والسلام

قال قد رایت ھذہ اللیلۃ ثم نسیتھا وقد رأیتنی اسجد من صبیحتھا فی ماء و طین۔ قال ابو سعید فمطرت السماء من تلک اللیلۃ فوکف المسجد فابصرت عینای رسول اللہ و فی جبھتہ وانفہ اثر الماء والطین من صبیحۃ احدی و عشرین۔ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ اس رات کو (خواب میں) میں نے دیکھا پھر اس کو بھلا دیا گیا میں نے یوں دیکھا کہ میں اس کی صبح پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں" ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد ہی جو رات آئی اس میں آسمان سے پانی برسا اور مسجد نبوی میں پانی ٹپکتا رہا تو میرا چشم دید شاہد ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبین انور و بینی مبارک پر پانی اور کیچڑ کے آثار نمایاں تھے اور وہ صبح رمضان شریف کی اکیسویں تاریخ تھی" مسلم شریف کی روایت میں (جو وہ بھی حضرت ابو سعید خدریؓ سے ہے) یہ واقعہ تیئسویں شب کا بتلایا گیا ہے" حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صحاح کی ان روایات کی بنا پر فرماتے ہیں کہ شب قدر اکیسویں یا تیئسویں شب ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن انیسؓ سے لیلۃ القدر کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ کونسی شب ہے؟ تو فرمایا:۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یقول التمسوھا اللیلۃ ۔ و تلک اللیلۃ لیلۃ ثلاث وعشرین۔ (امام احمد مسلم وغیرہما) میں نے حضور اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اسکو آج رات تلاش کرو۔ وہ رات رمضان شریف کی تیئیسویں شب تھی" حضرت بلالؓ فرماتے ہیں :۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر لیلۃ اربع وعشرین۔ (امام احمد، ابوداؤد، ابن جریر وغیرہم) حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لیلۃ القدر چوبیسویں رات ہے" حضرت ابوذر غفاریؓ سے لیلۃ القدر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا :۔ کان عمر وحذیفۃ و ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یشکون انھا لیلۃ سبع وعشرین (ابن ابی شیبہ) حضرت عمر و حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذرا بھی شک نہ تھا کہ شب قدر (رمضان شریف کی) ستائیسویں رات ہے" حضرت ابوہریرہؓ سے بھی ایک حدیث مرفوع مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ انھا آخر لیلۃ ۔ (امام احمدؒ) شب قدر (رمضان شریف کی) آخری شب ہے" مطلب یہ کہ اگر مہینہ انتیس دن کا ہو تو انتیسویں شب، اور اگر تیس دن کا ہو تو تیسویں شب، شب قدر

ہوگی۔ بہرحال یہاں تک ان احادیث شریفہ کا بیان ہوا جن میں متعین طور پر شب قدر کی نشان دہی فرمائی گئی ہے۔

روایات صدر میں تضاد نہیں

محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں باہم تضاد نہیں ہے۔ ان راتوں میں شب قدر عہد مبارک نبوی میں واقع ہوئی ہے۔ جس سال جس تاریخ میں شب قدر واقع ہوئی آپ نے اس سے آگاہ فرما دیا۔ آگے ان احادیث شریفہ کا بیان کیا جاتا ہے جن میں راتوں کا تعین نہیں فرمایا گیا لیکن مہینہ متعین ہے کہ وہ رمضان شریف ہی ہے۔ اور رمضان شریف کا بھی دوسرا عشرہ۔ اس میں بھی دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ دوسرے دہے کی طاق راتیں مثلاً گیارھویں' تیرھویں' یا پندرھویں شب' اور دوسرا قول یہ کہ رمضان شریف کے دوسرے دہے کی جفت راتیں مثلاً بارھویں' چودھویں' یا سولھویں شب' اور اکثر روایات میں رمضان شریف کے آخری دہے کی طاق راتوں میں شب قدر کا ہونا بیان ہوا ہے چنانچہ حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من شہر رمضان۔ (امام احمدؒ' بخاریؒ' مسلمؒ' ترمذی) رمضان شریف کے

آخری دہے کی طاق راتوں میں شب قدر کی تلاش کرتے رہو۔" نیز ہمارے امام حضرت امام احمدؒ اور محدثین کرام کی ایک جماعت نے بھی اسی مضمون کی کئی مرفوع حدیثیں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے اور علامہ ابن جریر وغیرہ نے دو حدیثیں حضرت جابر بن سمرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن جابرؓ سے اسی مضمون کی روایت کی ہیں بلکہ اکثر احادیث شریفہ جو درجۂ صحت کو پہنچتی ہیں اور صحاح ستہ میں موجود ہیں ان سے یہی پایا جاتا ہے کہ شب قدر، رمضان شریف کے آخری دہے کی طاق راتوں میں آتی ہے۔ پھر ان طاق راتوں میں سے شب قدر کا ستائیسویں شب میں آنا متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک روایت صحیحہ یہ ہے:۔۔۔ ان زر بن حبیش سأل أبیّ بن کعب عنها فحلف لا یستثنی انها لیلة سبع وعشرین۔ فقال له بم تقول ذلك یا ابا المنذر فقال بالآیة والعلامة التی قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انّها تصبح من ذلك الیوم تطلع الشمس لیس لها شعاع۔ (امام احمدؒ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، وغیرہم) زر بن حبیش نے حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (جو علمائے صحابہ سے تھے) پوچھا کہ

شب قدر کونسی رات ہے؟ تو انھوں نے حلفیہ طور پر بلا استثناء فرمایا کہ یقیناً وہ (رمضان شریف کی) ستائیسویں رات ہے۔ اس پر زر بن حبیش نے کہا کہ اے ابوالمنذر! (یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی کنیت ہے) آپ اپنا حلفیہ طور پر کس بنا پر فرماتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا اُس نشانی اور علامت کی بنا پر جو حضور لامع النور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی کہ شب قدر ختم ہونے کے بعد جب صبح ہوتی ہے تو اس دن طلوع کے وقت آفتاب کی شعاعیں نہیں ہوتی ہیں۔" یعنی طلوع کے وقت ہمیشہ جو آفتاب کی کرنیں دکھائی دیتی ہیں۔ اس دن دکھائی نہیں دیتیں۔ بلکہ اس دن آفتاب کی کرنیں ہوتی ہی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بعض روایات آئی ہیں جن سے رمضان شریف کی ستائیسویں شب، شب قدر ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

خلافت فاروقی کا ایک واقعہ

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی ایک تقریر دلپذیر جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار خلافت میں ہوی تھی اس کا ذکر فرماتے ہیں:۔ کان عمر رضی اللہ عنہ یدعونی مع اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

و یقول لا تتکلم حتی یتکلموا۔ حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ وہ مجھے حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کبار کے ساتھ بلاتے۔ اور فرماتے کہ تم کلام نہ کرو جب تک کہ یہ سب کلام نہ کریں"۔ یعنی اصحاب کبار کی گفتگو ختم ہونے کے بعد آپ کلام کیا کریں۔ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ حضرت ابن عباسؓ بالکل کم عمر تھے اور دوسرے صحابہؓ کرام سن رسیدہ۔ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ حضرت ابن عباسؓ کو اپنے نزدیک بٹھاتے اور صحابہؓ کبار کی مجلس میں شریک رکھتے۔ ان حضرات کو خیال ہوتا کہ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں حالانکہ ہمارے بچے تک ان کے ہم عمر بلکہ ان سے بڑی عمروں کے ہیں؟ چنانچہ بعض موقعوں پر انھوں نے اپنے اس خیال کا حضرت عمرؓ پر اظہار بھی کیا۔ ان کی تشفی کے لئے حضرت عمرؓ نے یہ کیا کہ:۔ فدعاھم فسألھم فقال ارأیتم قول رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم فی لیلۃ القدر التمسوھا فی العشر الاواخر وترا ای لیلۃ ترونھا۔ چند سن رسیدہ صحابہ کو بلایا اور ان سے دریافت فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لیلۃ القدر کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ اس کو (رمضان شریف کے) آخری دہے کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔ اس ارشاد اقدس کے باب میں آپ

اصحاب کا کیا خیال ہے ؟" فقال بعضھم لیلۃ احدی وعشرین وقال بعضھم لیلۃ ثلاث وقال بعضھم لیلۃ سبع فقالوا وانا ساکت فقال مالک لا تتکلم فقلت انک امرتنی ان لا اتکلم حتی یتکلموا فقال ما ارسلت الیک الا لتتکلم ۔ کسی نے کہا وہ اکیسویں رات ہے اور کسی نے کہا وہ تیئسویں رات ہے اور بعضوں نے پچیسیں ستائیسویں شب بتلائی ۔ غرض سبھوں نے جواب دیا لیکن میں خاموش سنتا رہا ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا :۔ اجی تمھیں کیا ہوا کہ کچھ بولتے ہی نہیں ۔ میں نے جواب دیا کہ آپ نے قبل از قبل ہی مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جب تک ان حضرات کی گفتگو ختم نہ ہو میں کچھ نہ کہوں ۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمائش کی کہ میں نے آپ کی گفتگو سننے کے لئے ہی آپ کو دعوت دی ہے ' اس پر میں نے حسب ذیل تقریر کی :۔

حضرت ابن عباس کی تقریر دلپذیر

انی سمعت اللہ یذکر السبع فذکر سبع سماوات ومن الارض مثلھن وخلق الانسان من سبع وخلق الانسان من سبع ونبت الارض سبع فقال عمر رضی اللہ عنہ ھذا اخبرتنی بما اعلم ارأیت ما لا اعلم

فذلك نبت الارض سبع - میں نے اللہ سبحانہ کے کلام (قرآن کریم) میں
سنا ہے کہ سات کا عدد بار بار آرہا ہے۔ چنانچہ سات آسمانوں اور انھیں کی
طرح زمینوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ نیز انسان کو سات چیزوں سے (یا سات
اطوار میں) پیدا کرنا بھی بیان فرمایا ہے۔ اور زمین سے اُگنے والی چیزیں
بھی سات ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ آپ نے مجھے
باخبر کیا ان چیزوں سے جو مجھے بھی معلوم ہیں۔ لیکن جو چیز میرے علم میں نہیں
وہ یہ کہ نباتات جو زمین سے اگتے ہیں وہ بھی سات ہیں اس کو میں نہیں
جانتا۔ کیا آپ اس سے بھی مجھے باخبر کریں گے؟ قلت قال اللہ عزوجل
شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حبا وعنبا وقضبا وزیتونا ونخلا
وحدائق غلبا وفاکھة وابا...... فقال عمر رضی اللہ عنه اعجزتم
ان تقولوا کما قال ھذا الغلام الذی لم یجتمع شئون رأسه واللہ
انی لاری القول کما قلت وقد امرتك ان لا تتکلم معھم۔ (محمد بن نصر
ابن جریر، حاکم بروایت صحیح، بیہقی) میں نے جواباً کہا۔ خدائے عزوجل کا ارشاد ہے
ہم نے زمین کو شق کیا اچھی طرح۔ پھر اس میں اُگائے غلے، انگور، نیشکر، زیتون
کھجور کے درخت اور گھنے باغات، میوے اور چارہ"۔ یہ تقریر سن کر حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (صحابۂ کرام جو مجلس میں موجود تھے ان سے خطاب کر کے) فرمایا۔ کیا آپ صاحبین ایسی تقریر کر سکتے ہیں جیسی کہ اس لڑکے نے کی جس کی ریش و بروت کا بھی اس کے چہرے پر پتہ نہیں۔ (پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا) خدا کی قسم! میرا قول بھی یہی ہے جیسا کہ تم نے کہا۔ واقعی میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ان کی گفتگو ختم ہونے تک کلام نہ کریں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تقریر دلپذیر سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان شریف کی ستائیسویں شب ہے۔

ایک نکتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان السورة ثلاثون كلمة وقوله هي سابعة والعشرون وايضاً ليلة القدر تسعة احرف وهو مذكور في هذه السورة ثلاث مرات فتكون السابعة والعشرون (روح البیان) اس سورۃ شریفہ کے تیس کلمات ہیں۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ھی جو (ضمیر ہے اور جس کا مرجع لیلۃ القدر ہے) وہ ستائیسواں کلمہ ہے لہٰذا لیلۃ القدر ستائیسویں شب قرار پاتی ہے۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ کلمۂ لیلۃ القدر میں نو حروف ہیں اور یہ کلمہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اس اعتبار سے بھی لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہو گی۔" کہتے ہیں کہ حضرت عثمان

بن ابی العاص کا ایک غلام تھا۔ اس نے کہا: — یا مولائی ان البحر یعذب ماؤہ لیلۃ من الشہر قال اذا کانت تلک اللیلۃ فاعلمنی فاذا ھی السابعۃ والعشرون من رمضان۔ (روح البیان) آقا! اس ماہ کی ایک رات میں سمندر کا تمام پانی شیریں ہوجاتا ہے۔ انھوں نے کہا اچھا تو وہ رات جب آجائے تو مجھے معلوم کرانا۔ چنانچہ (جب وہ رات آئی تو اس نے اطلاع دی) چنانچہ وہ رمضان شریف کی ستائیسویں شب ہی تھی۔" ہمارے امام حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ستائیسویں شب کی روایات ہی کی بنا پر اس کو شب قدر قرار دیا ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح آئی ہے (مظہری)

شب قدر رمضان شریف کی آخری شب ہونے کی تائید

لیلۃ القدر رمضان شریف کی آخری شب ہونے کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ اسکی تائید اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: — ان اللہ تعالیٰ فی کل لیلۃ من شہر رمضان عند الافطار یعتق الف الف عتیق من النار کلھم استوجبوا العذاب فاذا کان آخر لیلۃ من شہر رمضان اعتق اللہ فی تلک اللیلۃ

بعد د من اعتق من اول الشہر الی آخرہ۔ (روح البیان) اللہ سبحانہ تعالیٰ رمضان شریف کی ہر رات میں افطار کے وقت ایسے دس لاکھ افراد کو دوزخ سے نجات دے کر آزاد فرما دیتا ہے جو عذاب کے مستوجب قرار پا چکے تھے۔ اور جب رمضان شریف کی آخری شب آتی ہے تو اس میں غرہ رمضان شریف سے اس آخری رات تک جتنے آزاد ہوئے تھے ان کی مجموعی تعداد کو دوزخ سے آزادی دی جاتی ہے۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ اس حدیث شریف میں "عند الافطار" کی تصریح سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ لیلۃ القدر لیلۃ العید ہے۔ واللہ اعلم۔

شب برات ہی شب قدر ہے

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:۔ انھا لیلۃ النصف من شعبان۔ (روح المعانی) "شب قدر، ماہ شعبان کی پندرھویں شب ہے۔" یعنی شب برات اور شب قدر ایک ہی رات کے دو نام ہیں۔ مگر محدثین نے اس روایت کو شاذ اور غریب بتلایا ہے۔ کیونکہ راویان ثقات کی روایات صحیحہ سے جو ثابت ہے یہ اس کے خلاف اور انوکھی روایت پائی جاتی ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:۔ انھا تنتقل فی لیالی السنۃ فتکون فی کل سنۃ فی لیلۃ۔ (روح المعانی) "شب قدر

سال بھر کی راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے اور ہر سال ایک نئی رات میں آتی رہتی ہے۔" امام نووی لکھتے ہیں کہ یہی قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کا ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

شب قدر آخری دہے میں منتقل ہوتی رہتی ہے

مگر تفسیر مظہری میں ہے:۔ والصحیح انھا لیلۃ منتقلۃ فی العشر الاواخر من کل رمضان جمعا بین الاحادیث الصحاح و اعراضا عما یخالفھا۔ اور صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان شریف کے آخری دہے میں منتقل ہوتی رہتی ہے اس توجیہ سے تمام احادیث صحاح میں تطبیق ہوتی اور دوسری روایات پر ان کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ وکذا ذکر قاضی خاں مذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ (مظہری) امام قاضی خان نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔" اس سے پایا جاتا ہے کہ لیلۃ منتقلۃ کے لفظ سے امام نووی کو سہو ہوا تھا تنتقل فی لیالی السنۃ یعنی لیلۃ القدر کے منتقل ہوتی رہنے کا مطلب انھوں نے سال بھر کی تمام راتوں میں منتقل ہونا خیال کیا حالانکہ حضرت امام اعظمؒ کی مراد یہ تھی کہ رمضان شریف کے عشرۂ اخیرہ منتقل ہوتی رہتی ہے۔ واللہ اعلم

بہرحال ان تمام احادیث اور آثار کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان رمضان شریف کے

عشرۂ اخیرہ میں یا انکی صرف ستائیسویں شب میں شب بیداری کرا ور عبادت و ذکر میں مشغول ہو کر اسی پر تکیہ نہ کر لیں بلکہ رمضان شریف کی راتوں میں خصوصاً اور سال بھر کی راتوں میں عموماً طاعات و عبادات اور ذکر و اذکار میں مشغول رہیں۔ جب ایسا ہو گا تو یقیناً شب قدر ہر مسلمان کو نصیب ہوگی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شب قدر کا مشاہدہ کرانے کے باوجود اس کو بھلا دیا جانا اسی حکمت پر مبنی ہے۔ اور شرع شریف میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ مثلاً ساعت جمعہ جس کی نسبت احادیث صحیحہ میں ہے کہ اس دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دعا کی جاتی ہے وہ مستجاب ہے۔ نیز صلاۃ وسطیٰ یعنی درمیانی نماز جس کی محافظت کا تاکیدی حکم آیا ہے وہ بھی پوشیدہ ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ کا اسم اعظم جس کا واسطہ دے کر جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے وہ بھی پوشیدہ ہے۔ نیز یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی طاعت میں' اور ناراضی اس کی معصیت میں مخفی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن ہر طاعت میں حصہ لیا کرے اور ہر معصیت سے دور رہے۔ یا یہ بات کہ اولیاء اللہ اس کے صالحین بندوں میں چھپے ہوئے ہیں لہذا ہر عبد صالح سے دوستی رکھیں۔ ے

خورش دہ بکنجشک و کبک و حمام   کہ یک روزت افتد ہمائے بدام

چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی امید است ناگہ کہ صیدے زنی

شب قدر کی تلاش کے طریقے

یہ طاعات و عبادات، اور لیلۃ القدر کی حقیقی دریافت کا یقینی اور اعلیٰ ترین پہلو ہے۔ اور اوسط تدبیر یہ ہے کہ سالم ماہ رمضان شریف یا اس کی مخصوص راتیں جن کی نشان دہی کی گئی طاعات و عبادات میں گزاری جائیں۔ اور جو یہ بھی نہ ہو سکے تو رمضان شریف کی ستائیسویں شب کو اس کا اہتمام کرے۔ اور یہی طریقہ جاری رکھے۔ اس میں بھی ادنیٰ صورت یہ ہے کہ اگر رات بھر عبادت نہ ہو سکے تو مغرب اور عشا کی نمازیں رمضان شریف میں باجماعت ادا کرتا رہے یا صرف نماز عشا ہی باجماعت ضرور ادا کیا کرے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من صلی المغرب و العشاء فی جماعة حتی ینقضی شھر رمضان فقد اصاب من لیلة القدر بحظ وافر (بیہقی) جو کوئی شخص مغرب اور عشا کی نمازیں پابندی کے ساتھ باجماعت ادا کرتا رہا تا آنکہ ماہ رمضان المبارک ختم ہو چکا تو اس نے شب قدر کا قابل لحاظ حصہ حاصل کر لیا۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید الانبیاء علیہ و علیہم التحیة والثناء نے ارشاد فرمایا:۔ من صلی العشاء الاخیرة فی جماعة

فی رمضان فقد ادرک لیلۃ القدر (ابن خزیمہ، بیہقی) جس نے (پورے) ماہ رمضان المبارک میں عشا کی نماز باجماعت ادا کی اس نے لیلۃ القدر کو پا لیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔ من صلی العشاء کل لیلۃ فی شھر رمضان حتی ینسلخ فقد قامہ۔ (بیہقی) جو کوئی شخص ماہ مبارک رمضان شریف میں عشا کی نماز ہر رات پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہا تا آنکہ ماہ مبارک ختم ہو چکا تو اس کا شمار بھی ان لوگوں میں ہو گا جو قیام لیل کرتے رہے۔ اور ظاہر ہے کہ قیام لیل کا سلسلہ اس طرح پورے مہینے میں قایم رہا تو اس میں شب قدر بھی احادیث صدر کے لحاظ سے آجائے گی۔ اگر کسی سے یہ بھی نہ ہو سکے اور اس نے کم از کم لیلۃ القدر ہی میں نماز عشا باجماعت ادا کرلی تو یہ بھی اس کے لئے بس ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن المسیب تابعی فرماتے ہیں:۔ من شھد العشاء لیلۃ القدر فی جماعۃ فقد اخذ بحظہ منھا۔ (امام مالک، ابن ابی شیبہ، ابن زنجویہ، بیہقی) جو کوئی شب قدر کی جماعت عشا میں شریک ہو گیا اس نے بھی لیلۃ القدر کی فضیلت سے اپنا حصہ وصول کر لیا۔ یہ اس مسلمان کی خوش نصیبی ہے کہ شب قدر آگئی اور وہ صرف اسی رات جماعت عشا میں حاضر رہا تو وہ بھی اپنی حد تک بہرہ یاب رہا۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

اللھم اجعل لنا منہا حظاً وافراً آمین۔

97-4 تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ
97-5 اَمْرٍ ۛ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۧ اترتے ہیں فرشتے اور روح

اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر امان ہے وہ رات صبح نکلنے تک ۔

تنزل الملٰئکۃ والروح کی تفسیر

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ فرشتے اور روح شب قدر میں اپنے رب کی اجازت سے نازل ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا سبب بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اس کا سبب یہ ہے کہ اس مبارک رات میں فرشتوں کا بکثرت نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور روح کا۔ روح کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے حضرت روح الامین جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں کہ ان کی سواری ملائکہ کرام کے جلو میں نہایت عالی شان اور تزک و احتشام کے ساتھ آتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اذا کان لیلۃ القدر نزل جبریل فی کبکبۃ من الملائکۃ یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر اللہ تعالی۔ فاذا کان یوم عیدھم باھی بھم الملائکۃ فقال یا ملائکتی ماجزاء اجیر

وفی عملہ قالوا ربنا جزاؤہ ان یوفی اجرہ قال یا ملائکتی عبیدی وامائی
قضوا فریضتی علیھم ثم خرجوا یعجبون الی بالدعاء وعزتی وجلالی
وکرمی وعلوی وارتفاع مکانی لاجیبنھم فیقول ارجعوا فقد غفرت
لکم وبدلت سیئاتکم حسنات فیرجعون مغفورا لھم ۔ (بیہقی) جب
شب قدر آتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام بے شمار ملائکہ کے جلو میں نزول فرماتے
ہیں اور اللہ سبحانہ کے ہر ہر بندے پر جو کھڑا ہوا نماز ادا کر رہا ہو یا بیٹھا ہوا
اللہ پاک کی یاد میں لگا ہوا ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے جاتے ہیں۔
پھر جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ ان بندوں کے ذریعہ
ملائکہ پر فخر و مباہات فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے:۔ اے
میرے فرشتو! جس مزدور نے اپنا کام پورے طور پر انجام دیا ہو اس کی جزا
کیا ہونی چاہیئے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں:۔ بار الٰہا! اس کا اجر اور صلہ بھی
پورا پورا مرحمت ہونا چاہیئے۔ یہی اس کی جزا ہے۔ ارشاد الٰہی ہوگا:۔
اے میرے ملائکہ! میرے بندوں اور میری بندیوں نے میرا فریضہ جو اُن پر
عاید حال ہوا تھا اس کو علی وجہ الکمال انجام دیا پھر میرے پاس دعا مانگتے ہوئے
خوشی خوشی آئے ہیں۔ (نماز عید ادا کر رہے ہیں) قسم ہے میری عزت و

جلال کی۔ اور قسم ہے میرے کرم اور علو مرتبت و رفعت شان کی ہیں ضرور بالضرور ان کی منہ مانگی مراد دوں گا۔ پھر ارشاد ہوگا۔ اچھا اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔ میں نے تمہارے تمام گناہ بخش دیے اور تمہاری جملہ برائیاں نیکیوں سے بدل دیں۔ اب وہ واپس ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں کہ ان کی مغفرت ہو چکی ہے"

دوسری تفسیر روح کی دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اپنے زمانۂ خلافت میں بیان فرمایا :- انا واللہ حرضت عمرؓ علی القیام فی شہر رمضان قیل وکیف ذلک یا امیر المؤمنین قال اخبرتہ ان فی السماء السابعۃ حظیرۃ یقال لھا حظیرۃ القدس فیھا ملائکۃ یقال لھم الروح وفی لفظ الروحانیون فاذا کان لیلۃ القدر استأذنوا ربھم فی النزول الی الدنیا فیأذن لھم فلا یمرون علی مسجد یصلی فیہ ولا یستقبلون احدا فی طریق الا دعوا لہ فاصابہ منھم برکۃ فقال لہ عمر یا ابا الحسن فنحرض الناس علی الصلاۃ حتی تصیبھم البرکۃ فامر الناس بالقیام۔ (بیہقی) خدا کی قسم! میں نے ہی عمرؓ کو قیام رمضان (نماز تراویح قائم کرنے) کے لئے ابھارا۔ لوگوں نے

دریافت کیا امیرالمومنین! وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا میں نے ان کو (حضور
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) یہ حدیث سنائی کہ ساتویں آسمان پر
ایک مقام خاص ہے جس کو "حظیرۃ القدس" کہتے ہیں جو ملائکہ کرام کا
مسکن ہے ان کو "روح" کہتے ہیں اور ایک روایت میں ان کا لقب
"روحانیین" ہے۔ جب شب قدر آتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے
درخواست کرتے ہیں کہ ان کو دنیا میں نازل ہونے کی اجازت مرحمت
فرمائی جائے چنانچہ ان کو اجازت عطا ہوتی ہے۔ روحانیین کے دنیا میں
نزول کرنے کے بعد ان کا گزر جس کسی مسجد پر ہوتا ہے جس میں نماز پڑھی جا رہی ہو
یا راستہ میں ان کو جو کوئی شخص (مسجد کو) آتا ہوا (یا وہاں سے فارغ ہوکر
گھر جاتا ہوا) ملتا ہے تو وہ اس کے لئے دعائے خیر و مغفرت کرتے جاتے
ہیں۔ اس طرح ان روحانیین کی برکت ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے یہ سن کر
عمرؓ نے کہا یا ابا الحسنؑ جب ایسا ہے تو ہم سب لوگوں کو نماز تراویح (مسجد میں
باجماعت) ادا کرنے کے لئے آمادہ کریں گے تاکہ ان کو یہ گونا گوں برکات
حاصل ہوں۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں کو قیام لیل (نماز تراویح باجماعت
مسجدوں میں ادا کرنے) کا حکم جاری فرمایا۔" اس سے پایا جاتا ہے کہ "روح" سے

خاص روح الامین جبرئیل علیہ السلام ہی مراد نہیں بلکہ اللہ سبحانہ کی ایک اور بابرکت نورانی مخلوق ہے جو ملائکۂ کرام میں روحانیین کہلاتے ہیں یا یہ کہ ملائکۂ کرام بمنزلہ جسد ہیں اور روحانیین ان میں بمنزلۂ روح ہیں۔ واللہ اعلم۔

من کل امر کی تفسیر

مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ "ہر کام پر" اور سورۂ دخان میں گزر چکا ہے: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ۔ اس رات میں (سال بھر کے) تمام امور کے حکیمانہ فیصلے صادر ہوتے ہیں" یعنی سال بھر میں جو جو امور چھوٹے بڑے درپیش ہونے والے ہیں ان کے حکیمانہ فیصلے (جو ازل ہی میں قضاء وقدر سے صادر ہو چکے ہیں) متعلقہ فرشتوں کے حوالے کیے جاتے ہیں جلانا مارنا، صحت و مرض، آسائش و تکلیف، رزق کی فراخی و تنگی، ترقی و تنزل، فتح و شکست، خوشی و غمی، غرض جو جو چیزیں پیش آنے والی ہیں ان کے حکیمانہ فیصلے اسی ایک رات میں صادر ہوتے اور متعلقہ فرشتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اسی سے شب قدر کی اہمیت ظاہر ہے۔ اب جو کوئی شخص یا جماعت اور قوم اس رات طاعات و عبادات ذکر و اذکار توبہ و استغفار میں مشغول ہو۔ امور مذکورہ میں سے جو امور خیر ہیں ان میں گوناگوں برکت

نصیب ہوگی۔ اور جو امور مناسب طبع نہ ہوں۔ مثلاً موت، مرض، تکلیف، تنگی وغیرہ۔ اس رات کی عبادت کی برکت سے اس طرح طے ہو جانے کی امید ہے کہ مومن صالح کو ان کی تکلیف و گزند کا احساس تک نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ہر حال میں معونت الٰہی شامل حال رہے گی۔ اگر موت ہی مقدر ہے تو خاتمہ بالخیر ہوگا کہ اس کے بعد راحت ہی راحت ہے۔

من کل امر کی تلاوت کے دو طریقے

ارشاد باری تعالیٰ من کل امر پر معانقہ لکھا ہے۔ یعنی اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ من کل امر پر وقف کیا جائے۔ اس اعتبار سے اس ارشاد الٰہی کی جو تفسیر ہوگی وہ اوپر گزر چکی۔ دوسرا طریقہ قرأت یہ ہے کہ من کل امر پر وقف نہ کیا جائے بلکہ اس کے بعد جو سلٰمٌ آرہا ہے سلٰمٌ پر وقف کیا جائے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ہر امر پر سلامتی ہی سلامتی اور امان ہی امان ہے۔ لہٰذا خلاف طبع امور جو درپیش ہونے والے ہیں اور اس کی جو توجیہ ہم نے کی ہے اس کی پوری پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ موت کا فیصلہ بھی سلامتی اور امان ہے۔ مرض کا فیصلہ بھی سلامتی اور امان ہے کہ اس سے گناہ دور ہوتے ہیں یا اگر کسی کے گناہ نہیں ہیں تو بیماری اس کی ترقی درجات کا

ذریعہ ہے۔ اسی طرح ہر تکلیف اور تنگی وغیرہ کا سلامتی اور امان ہونا سمجھ لیا جائے

اس تقریر سے لیلۃ القدر کا ہزار مہینوں سے بہتر ہونا اور اس بہتری کا سبب

کیا ہے اچھی طرح واضح ہو چکا ہوگا۔

سلام ھی کی تفسیر سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ سلامتی اور امان ہے

وہ رات، صبح صادق طلوع ہونے تک۔" یہاں شب قدر کی علامت اور نشانی

کا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اس متبرک رات جب غروب آفتاب کے بعد شروع

ہوتی ہے تو اس وقت سے لے کر صبح صادق طلوع ہونے تک سلامتی ہی سلامتی

اور امان ہی امان رہتا ہے۔ فرشتے آسمانوں سے اور روحانیین فلک ہفتم

سے اتر کر ہر ہر مسلمان کو جو مشغول عبادت ہو یا ذکر الٰہی میں لگا ہوا ہو یا اس سلسلہ میں

آ جا رہا ہو سلام کرتے اور دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اگرچہ عام طور پر

مسلمان ان کو دیکھتے نہیں لیکن ان کے سلام اور دعا کے انوار و برکات چھپ

نہیں سکتے۔ نیز اللہ سبحانہ کے خاص خاص بندے ان کو دیکھتے بھی ہیں۔ چنانچہ

حضرت ابو یحییٰ ابن ابی مرہ فرماتے ہیں: — طفت لیلۃ السابع والعشرین من

شھر رمضان فرأیت الملائکۃ تطوف بالھواجر الی البیت۔ (بیہقی) ماہ

رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں (کعبۃ اللہ شریف کا) طواف کر رہا تھا تو

میں نے ملائکہ کرام کو دوپہر تک بھی طواف کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔" ظاہر ہے کہ طواف کعبہ کرنے والے بحالت طواف دعائیں کرتے رہتے ہیں اور حکم بھی یہی ہے جب ملائکہ کرام طواف کر رہے تھے تو ضرور وہ بھی دعائیں کر رہے ہوں گے۔

شب قدر کی نشانیاں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیلۃ القدر کی نشانی یہ بیان فرمائی:۔ لیلۃ سمحۃ طلقۃ لاحارۃ ولا باردۃ تصبح شمس صبیحتھا ضعیفۃ حمراء۔ (طیالسیؒ محمد بن نصرؒ بیہقی) "شب قدر اللہ سبحانہ کے حد درجہ کرم والی سہانی رات ہے نہ تو گرمی والی اور نہ سردی والی' اس کی صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو کمزور سرخ نکلتا ہے۔" یعنی اس میں حرارت نام کو نہیں رہتی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:—

لیلۃ القدر لیلۃ بلجۃ سمحۃ تطلع شمسھا لیس لھا شعاع۔ (ابن ابی شیبہ) "شب قدر روشن اور نورانی رات ہے' بے انتہا کرم والی اس کی صبح میں آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں (کرنیں) نہیں ہوتیں۔" اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ تحرّوھا لاحدی عشرۃ یبقین صبیحتھا یوم بدر لتسع یبقین ولسبع یبقین فان الشمس تطلع کل یوم بلین

قرنی الشیطان الا صبیحۃ لیلۃ القدر فانہا تطلع لیس لہا شعاع ۔ (محمد بن نصر) لیلۃ القدر کی تلاش، رمضان شریف کی گیارہ راتیں باقی رہنے پر کیا کرو جس کی صبح میں غزوہ بدر واقع ہوا تھا۔ یا نو راتیں باقی رہنے پر یا سات راتیں باقی رہنے پر۔ بہرحال شب قدر کی یہ چند علامات اور نشانیاں ہیں۔ جن میں سے کوئی علامت ذوق اور کیفیت قلبی سے تعلق رکھتی ہے تو دوسری نشانی کا ادراک آنکھوں سے کیا جاتا ہے کسی کا ذائقہ کے ذریعہ اور کسی کا قوت لامسہ سے۔ اس طرح ذوقی اور حسی طریقے سے بھی شب قدر کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ ایک اور علامت اوپر گزر چکی ہے کہ اس رات بارش ہوئی تھی مسجد نبوی ٹپکنے لگی اور حضور پرنور نے پانی اور کیچڑ ہی میں سجدہ ادا فرمایا جبین مبارک پر سجدے کے آثار نمایاں تھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شب قدر کی اور علامات

کہتے ہیں کہ شب قدر میں کائنات کی ہر چیز اللہ سبحانہ کے آگے اپنی شان کے لحاظ سے سجدہ کرتی ہے اور ان کا سجدہ دیکھنے والے دیکھتے بھی ہیں۔ نیز اس مقدس رات میں انوار نمایاں طور پر درخشاں رہتے ہیں۔ اور ملائکہ کرام اور روحانیین کا جو نزول بکثرت ہوتا ہے اس کا مشاہدہ بھی صاف صاف کیا جاتا ہے حتی کہ جو لوگ شب قدر میں مشغول عبادت

و ذکر رہتے ہیں فرشتے اور روحانیین ان کو سلام کرتے اور ان سے خطاب بھی کرتے ہیں۔ ان کے اس سلام و خطاب کو سننے والے سنتے بھی ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ ہر کس و ناکس بھی اس کو سنے اور اس کا مشاہدہ کرے۔ البتہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو اس رات میں مشغول و موظف ہوں۔ اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہی یہ سلسلہ جاری رہے۔ جیسا کہ حدیث شریف اوپر گزر چکی یصلّون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر اللہ۔ فرشتے اور روحانیین ہر اُس بندے کے لئے دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں جو نماز میں کھڑا ہو یا بیٹھے ہوئے ذکر الٰہی میں مشغول ہو۔"

عشاء و فجر با جماعت کی فضیلت

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور خُلق مجسم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما قام نصف اللیل و من صلی الصبح فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ (مسلم شریف) جس نے نماز عشا باجماعت ادا کی گویا وہ آدھی رات تک شب بیدار رہا اور جس نے صبح کی نماز بھی باجماعت ادا کی تو وہ گویا تمام رات شب بیدار رہا۔" حق تعالیٰ ہمیں اس باعظمت رات کی قدر و عظمت پہچاننے اور اس رات یاد الٰہی میں مصروف رہنے کی توفیق اور

اس رات کے برکات عظیم سے مالامال فرمائے۔ آمین

شب قدر کے دن کی فضیلت

حضرت عامر فرماتے ہیں:۔ یومھا کلیلتھا ولیلتھا کیومھا (ابن ابی شیبہ) شب قدر کا دن بھی اپنی رات کی طرح ہے اور اس کی رات بھی اس کے دن کے مانند ہے" یعنی شب قدر اور یوم قدر دونوں کی فضیلت ملتی جلتی ہے لہذا جس طرح طاعات و عبادات اور ذکر و اشغال میں قدر کی رات گزاری گئی اس کے دن کو بھی ایسی ہی طاعات و عبادات اور ذکر شغل میں گزارنا چاہئے۔ اور بدرجۂ تنزل یوں بھی مراد لی جاسکتی ہے کہ اگر کسی وجہ سے رات کو موقع نہ مل سکا تو کم از کم دن کو ہی نیک کاموں میں گزارا جائے تاکہ محرومی نہ رہے اور تلافی مافات ہوجائے۔ اور حضرت حسن بن حر فرماتے ہیں:۔ بلغنی ان العمل فی یوم القدر کالعمل فی لیلتھا۔ (ابن ابی شیبہ) مجھے یہ حدیث شریف پہنچی ہے کہ روز قدر میں جو کام کیا جاتا ہے وہ اسی عمل کی طرح ہے جو شب قدر میں کیا جائے" یہ محض اللہ سبحانہ کا کرم ہے جو امۃ مرحومہ کے حال پر فرمایا جارہا ہے۔

لیلۃ القدر کی دُعا ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :۔ قلت یا رسول اللہ ان وافقت لیلۃ القدر فما اقول قال قولی اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی ۔ (امام احمدؒ ترمذی بروایت صحیحہ نسائیؒ ابن ماجہ محمد بن نصر بیہقی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو اُس وقت کیا دُعا کروں ؟ ارشاد فرمایا کہ یوں کہو :۔ اے اللہ ! یقیناً آپ معاف فرمانے والے ہیں اور معافی دینی ہی سے آپ کو محبت ہے لہذا میری خطاؤں سے درگزر فرمائیے ۔" اس تعلیم و تلقین کے بعد ام المومنینؓ اکثر یہی فرماتی تھیں :۔ لو علمت ای لیلۃ القدر کان اکثر دعائی فیھا اسأل اللہ العفو والعافیۃ (ابن ابی شیبہ) اگر میں پہچان لیتی یعنی شب قدر کو تو میں عموماً یہی دعا کرتی رہتی کہ میں اللہ سبحانہ سے عفو و درگزر اور عافیت چاہتی ہوں ۔" دوسری روایت آپ ہی سے یوں آئی ہے :۔ لو عرفت ای لیلۃ القدر ما سألت اللہ الا العافیۃ ۔ (ابن ابی شیبہ ، محمد بن نصر بیہقی) اگر میں لیلۃ القدر کو پہچان لیتی کہ یہی لیلۃ القدر ہے تو اللہ سبحانہ سے صرف عافیت ہی کی خواستگار ہوتی ۔" درحقیقت "عافیت" ایسا جامع کلمہ ہے جو دارین کی فلاح و نجات کا ضامن ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان

اپنی دعاؤں میں اکثر یہی معروضہ پیش کرتے ہیں اس توقع پر کہ شاید یہی ساعت لیلۃ القدر یا روز قدر کی ہو۔ اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی اللھم انی اسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرۃ۔ اے اللہ! یقیناً آپ درگزر فرمانے والے ہیں اور عفو و درگزر ہی سے آپ کو محبت ہے لہذا مجھے معافی مرحمت فرمائیے۔ اے اللہ! میں آپ سے عفو و درگزر اور عافیت دارین کی درخواست کرتا ہوں۔ آمین۔

سورۂ قدر چوتھائی قرآن کے برابر ہے

حضرت انس حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ من قرأ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر عدلت بربع القرآن۔ (محمد بن نصر) جس نے سورہ قدر پڑھا (گویا اس نے قرآن کریم کا چوتھائی حصہ پڑھ لیا کیونکہ) یہ سورت شریفہ ربع قرآن کے برابر ہے۔"

سورۂ قدر موجب حاجت برآری

حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ نے فرمایا:۔ اذا اتی احدکم الحاجۃ فلیبکر فی طلبھا یوم الخمیس ولیقرأ اذا خرج من منزلہ آخر سورۃ آل عمران وانا انزلناہ فی لیلۃ القدر وام الکتاب فان فیھن قضاء حوائج الدنیا

والآخرۃ ۔ (زجاجی) جب کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو تو اس کی طلب میں پنجشنبہ کو سویرے ہی نکلنا چاہیے ۔ اور اپنے گھر سے نکلتے وقت سورۂ آلِ عمران کی آخری آیتیں (آمن الرسول) اور سورۂ قدر اور سورۂ فاتحہ پڑھ لینا چاہیے کیونکہ ان میں دنیا اور آخرت کی تمام حاجتوں کی تکمیل کا سامان ہے ۔"

لیلۃ القدر کے لئے حضورؐ اکرم کا اہتمام

حضرت شاہ ولایت کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے یہ بھی فرمایا: — کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الشھر ایقظ اھلہ ورفع مئزرہ ۔ (ابن ابی شیبہ) حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی عادت شریفہ تھی کہ جب ماہ مبارک رمضان آتا تو گھر والوں کو شب بیدار رکھتے اور عبادتِ الٰہی کیلئے کمر ہمت چست فرما لیتے ۔" ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: — کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی العشر اجتھادا لا یجتھد فی غیرہ ۔ (ابن ابی شیبہ) حضور رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رمضان شریف کے آخری) دہے میں طاعت و عبادت کا اتنا اہتمام بلیغ فرماتے تھے کہ دوسرے دنوں میں ایسا اہتمام نہ ہوتا تھا۔" ظاہر ہے کہ اس سے لیلۃ القدر کی تلاش مقصود تھی ۔

ایک اہم سوال اور اس کا حل

آخر الامر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلوع وغروب آفتاب کے اوقات دنیا بھر میں مختلف ہیں۔ ایک وقت میں کہیں رات ہے تو کہیں دن، کہیں صبح ہے تو کہیں شام اور کہیں دوپہر تو کہیں سہ پہر۔ پھر ظاہر ہے کہ آفتاب کے اوقات طلوع و غروب مختلف ہونے سے تاریخیں بھی ایک نہیں رہیں گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ ممالک عربیہ میں ہندوستان کے لحاظ سے ہر قمری مہینہ کی تاریخ ایک دو دن آگے رہتی ہے۔ اور یہاں کی تاریخیں ایک دو دن پیچھے۔ بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ ان دونوں ممالک کی تواریخ مل جائیں۔ بلکہ بعض مقامات ایسے بھی ہیں کہ وہاں مہینوں آفتاب کی صورت نظر نہیں آتی۔ رات ہی رات رہتی ہے۔ اس کے برخلاف بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں مہینوں آفتاب غروب ہی نہیں ہوتا دن ہی دن رہتا ہے۔ لہٰذا لیلۃ القدر کی تعیین ایسے مقامات پر کس طرح کی جائے گی؟ جہاں دن ہی دن رہتا ہے کیا وہاں شب قدر آئیگی ہی نہیں اور جہاں چھ مہینے تک رات ہی رات رہے۔ وہاں چھ مہینے تک شب قدر ہی رہیگی؟ یہ سوال بظاہر بہت اہم معلوم ہوتا ہے لیکن فقہائے کرام اور علمائے اعلام شکر اللہ سعیہم وکثر امثالہم نے اس کا حل مختلف طریقوں سے بتلایا ہے سب سے آسان اور سب سے بہتر وہ جواب ہے جو حضور سید الکونین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث صحیحہ میں حدیث دجال کے سلسلہ میں مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خروج دجال کا ذکر فرمایا۔ اور اس میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ اس کا ایک دن اللہ سبحانہ کی قدرت سے ایک سال کے برابر ہوگا۔ اور ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی ایام معمولی دنوں کے مطابق (چوبیس گھنٹوں کے) ہوں گے۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ان دنوں میں پنجگانہ نمازیں کس طرح ادا کی جائیں (اور روزے کس طرح رکھے جائیں اسی طرح زکاۃ کب ادا کی جائے اور فریضہ حج کے ادائی کی کیا صورت ہوگی؟) اس تمام طول طویل سوال کا جواب ایک مختصر سے جملہ میں جو تمام صورتوں کا جامع ہے یوں ادا فرمایا:۔ فاقدروا لہٗ۔ وقت کا ایک اندازہ قائم کرلو" اور اسی اندازے کے مطابق تمام ارکان اسلام ادا کرو۔ فی زماننا گھڑیالوں کی وجہ سے بڑی آسانی ہوگئی ہے۔ گھڑی دیکھ کر نماز ہائے پنجگانہ کے اوقات روزمرہ کے تجربہ اور عمل کے مطابق نہایت سہولت متعین کرلئے جاسکتے ہیں۔ اور ہر ایک کا اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے اسی طرح مہینوں اور سال کی دریافت بآسانی ہوسکتی ہے۔ جس زمانے میں گھڑیالیں تھیں تو رات دن کے اوقات دریافت کرنے کے طریقے اس وقت بھی موجود تھے ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔

شب قدر کی بابتہ اقوال کی وجہ | نیز اس حدیث شریف سے لیلۃ القدر کے باب میں جو مختلف احادیث اور اقوال ہیں جو تقریب قریب چالیس اقوال مروی ہیں ان میں تطبیق دیجا سکتی اور ان میں بظاہر جو تضاد معلوم ہوتا ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے مثلاً لیلۃ القدر کا طاق راتوں میں ہونا بھی مروی ہے اور جفت راتوں میں بھی۔ بلاد عرب میں جہاں کی تواریخ میں بہ نسبت ہندوستان کے ایک دن کا عموماً فرق رہتا ہے ہندوستان میں کسی مہینہ کی پہلی تاریخ ہوتی ہے تو حجاز میں دوسری تاریخ رہتی ہے کیونکہ وہاں رویت ہلال ایک دن پیشتر ہی ہو جاتی ہے۔ اب فرض کیجیے کہ یہاں رمضان شریف کی طاق تاریخیں اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں تواریخ ہیں تو وہاں جفت تاریخیں ہونگی اور اگر یہاں جفت تاریخیں ہیں تو وہاں طاق تواریخ رہینگی۔ اس اعتبار سے ہر حدیث شریف اپنی جگہ پر رہیگی اور ان میں کوئی تضاد باقی نہیں رہیگا۔ نیز اوپر ایک حدیث شریف گزر چکی ہے:۔ یومھا کلیلتھا ولیلتھا کیومھا یعنی شب قدر کا دن اس کی رات کی طرح اور اس کی رات، اس کے دن کی طرح ہوتی ہے" تو جن ممالک میں ایک وقت خاص پر رات ہے اور وہ رات شب قدر ہے۔ اور دوسرے ممالک میں اسی وقت پر دن ہے تو یہ دن بھی شب قدر کے حکم میں ہوگا۔ لہذا یہ کہنا درست ہوگا کہ شب قدر کا دن، اس کی رات کی طرح اور اسکی رات اسکے دن کے مانند ہے وقس علی ہذا۔ ذلك تقدير العزيز العليم

الحمد للہ کہ سورۂ قدر کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ الطیبین الطاہرین وصحبہ الاکرمین اجمعین۔

98 Bayyinah	Verses 8 Madany

سورۂ بیّنہ

مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ اس میں آٹھ آیتیں ہیں

سورۂ بینہ کے متعدد نام ہیں

اس سورۃ شریفہ کے اور بھی نام ہیں۔ سورۂ قیامہ، سورۂ بلد، سورۂ منفکین، سورۂ بریہ، سورۂ لم یکن۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ایک سے زیادہ اسماء اس کے شرف اور علو منزلت کی علامت ہیں۔ مگر مشہور و معروف نام "سورۂ بینہ" ہے۔ اس لئے ہم نے اسی نام نامی کو اختیار کیا ہے۔

یہ سورت مکیہ ہے یا مدنیہ؟

بعض مفسرین کرام نے سورۂ بینہ کو مکّی بتلایا ہے جو چند روایات پر مبنی ہے۔ لیکن جمہور مفسرین نے اس کو مدنیہ لکھا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے بلا تردد اس کو مدنیہ ہی بتلایا ہے۔ اور اس حدیث شریف کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے جو حضرت ابو خیثمہ بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے چنانچہ موصوف فرماتے ہیں: لما نزلت لم یکن الذین کفروا

من اهل الکتاب الی آخرھا قال جبریل علیہ السلام یارسول اللہ
ان اللہ یأمرك ان تقرئھا اُبیّاً فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لاُبَیٍّ رضی اللہ تعالی عنہ ان جبرئیل امرنی ان اقرئك ھذہ
السورۃ فقال اُبَیّ اوَ قد ذکرت ثمّ یا رسول اللہ قال نعم فبکیٰ۔

(امام احمدؒ، ابن قانعؒ، طبرانی، ابن مردویہ) جب سورۃ شریفہ لم یکن الذین کفروا
من اھل الکتاب۔ آخر تک نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ
یارسول اللہ! اللہ جل شانہ کا آپ کو حکم ہوا ہے کہ آپ یہ سورۃ شریفہ
ابی بن کعبؓ کو پڑھا دیں۔ چنانچہ حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے (جو علمائے انصار سے تھے) فرمایا
کہ مجھ سے جبرئیلؑ نے فرمائش کی ہے کہ میں تم کو یہ سورۃ شریفہ پڑھا دوں۔ اس پر
حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا وہاں (رب العزۃ
جل جلالہ وعم نوالہ کے پاس میرے نام کی خصوصیت کے ساتھ) میرا ذکر آیا ہے؟
تو آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر وہ (مارے خوشی اور فرط مسرت کے رو پڑے"
اسی مضمون کی روایات حضرت انسؓ اور خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما
سے مروی ہیں جن کو ابن سعدؒ، سیدنا امام احمدؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، ابن مردویہؒ، ترمذیؒ

اور حاکم نے بروایت صحیحہ نقل کی ہیں۔ لہٰذا یہی قول کہ یہ سورۃ شریفہ مدنیہ ہے اصح معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے بھی اسی کو لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ بینہ کی آیتیں اس کی آیات کی تعداد بھی بعض نے آٹھ اور بعض نے (۹) بتلائی ہے۔ یہ در اصل کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن حضرات کے پاس بسم اللہ الرحمن الرحیم سورے کا جزو نہیں ہے انھوں نے آیات کی تعداد آٹھ بتلائی اور جنھوں نے جزو سورت قرار دیا ہے ان کے نزدیک تعداد (۹) ہوگی۔

اس سورت کا ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ماقبل سے ربط اور مناسبت اس طرح ہے کہ سورہ قدر میں قرآن کریم کو نازل کرنے کا بیان فرمایا گیا تھا۔ سوال پیدا ہوتا تھا کہ قرآن کریم کو کیوں نازل فرمایا گیا؟ یہاں اس کی علت غائی بیان فرمائی جارہی ہے: لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تأتیھم البینۃ۔ کفار اہل کتاب اور مشرکین اپنے کفر سے باز نہ آئیں گے تا آنکہ ان کے پاس روشن دلیل نہ آئے۔" وہ دلیل روشن' ذات اقدس حضور سید الکائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات اور کتاب مبین ہے جو آپ پر نازل ہورہی ہے۔ گویا قرآن کریم اسلئے نازل

فرمایا جارہا ہے تاکہ کفار اہل کتاب اور مشرکین اپنے کفر سے باز آئیں۔ اور
ان پر حجت پوری ہوجائے۔ اور آئندہ ان کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے"

98-1 لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
98-2 مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا
98-3 صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۗ نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں
اہل کتاب اور مشرک باز آنے والے یہاں تک کہ پہنچے ان کے پاس روشن
دلیل رسول اللہ کی طرف سے پڑھ سناتے ہیں پاک صحیفے ان میں لکھی ہیں
سیدھی باتیں"

بعثت شریف سے پہلے اہل کتاب و مشرکین کا حال

حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریف سے پہلے اقوام عالم کی کیا حالت اور کیفیت تھی اس کا بیان گزشتہ سورتوں اور آیات کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں بارہا آچکا ہے۔ اللہ سبحانہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام نیز صحف سماویہ اور آسمانی کتابوں کے نازل کئے جانے کا مقصد وحید اولاد آدم کو

کفر وضلالت سے نکال کر ان کو رشد و ہدایت کی تعلیم دیتا تھا۔ جن قوموں پر رسولوں کو بھیجا گیا اور ان پر کتابیں نازل ہوئیں ان میں یہود و نصاریٰ دو بڑے گروہ تھے جن کی ہدایت کے لئے توریت و انجیل نازل ہوئی تھی وہ بھی اس قدر گمراہ ہوچکے تھے کہ بجائے راہ توحید اختیار کرنے اور شرک سے دور رہنے کے ان کا حال یہ تھا:۔

قالت الیھود عزیر بن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح بن اللہ۔ یہود کہتے تھے عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہا کرتے کہ مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں" ان کا دیکھا دیکھی مشرکین عرب جن کے پاس نہ کوئی رسول مبعوث ہوئے اور نہ کوئی کتاب آسمانی تھی یہ کہنے لگے۔ الملائکۃ بنات اللہ۔ فرشتے اللہ سبحانہٗ کی بیٹیاں ہیں" معاذ اللہ معاذ اللہ اسی طرح یہود و نصاریٰ باہم ایک دوسرے کو یوں کہتے تھے:۔ قالت الیھود لیست النصاریٰ علی شیئ وقالت النصاریٰ لیست الیھود علی شیئ وھم یتلون الکتاب۔ یہود کہتے تھے کہ نصاریٰ کسی صحیح راہ پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے تھے کہ یہود کسی سچے دین پر نہیں ہیں درحالیکہ وہ سب اللہ کی کتاب پڑھتے تھے" بہرحال جب اہل کتاب کی گمراہی اس درجہ بڑھ چکی تھی تو مشرکین کس شمار و قطار میں رہ سکتے تھے؟

نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کا عہد	یہ تو اقوام عالم کے باہمی اختلافات تھے۔

البتہ یہود و نصاریٰ اس امر پر متفق تھے کہ جب نبی آخر الزماں تشریف لائیں گے تو ہم سب ان پر ایمان لائیں گے اور ان کا بتایا ہوا دین قبول کر لیں گے کیونکہ ان کی آسمانی کتابوں (توریت اور انجیل) میں بصراحت لکھا ہوا تھا کہ نبی آخر الزماں تشریف لانے والے ہیں۔ نیز ان کا نام نامی اسم گرامی ان کا مقام ان کا قبیلہ و خاندان اور ان کا حلیہ تک اس میں بتلایا گیا تھا۔ اور ضروری نشانیاں بھی ان کتابوں میں درج تھیں جن کو دیکھ کر سہولت کے ساتھ ان کو پہچان سکیں۔ نیز ان کے اوصاف و اخلاق ان کے متبعین صادقین کے اوصاف بھی لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب ان کی کافروں سے لڑائیاں ہوتیں تو نبی آخر الزماں کا واسطہ دیکر اور آپ کا وسیلہ لے کر اپنی فتح و نصرت کے لئے اللہ پاک سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ نبی آخر الزماں کی آمد آمد کا جو بیان توریت اور انجیل میں تھا اس کی اطلاع قرآن کریم میں اس طرح دی گئی ہے:۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم۔ جو لوگ پیروی کرتے ہیں رسول نبی امی کی جن کو وہ لکھا ہوا پاتے ہیں توریت اور انجیل میں کہ وہ حکم دیں گے ان کو اچھی باتوں کا اور منع کریں گے

ان کو بری باتوں سے ۔ اور حلال قرار دیں گے ان کے لئے ستھری چیزوں کو اور حرام
ٹھہرائیں گے ان پر خبیث (پلید) چیزوں کو اور اتار دیں گے ان سے بوجھ اور طوق
جو ان پر پڑے ہوں " اور اپنی فتح و نصرت کی دعائیں کرنے کا بیان اس طرح فرمایا گیا
ہے :ـ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ـ اور (نبیؐ آخر الزماں کی
دہائی دے کر اپنی فتح و نصرت طلب کرتے تھے کافروں کے مقابلے میں " چنانچہ یوں
دعائیں مانگتے تھے :ـ اللھم افتح علینا وانصرنا بالنبی المبعوث فی
آخر الزمان ویقولون لاعدائھم من المشرکین قد اظل زمان نبی
یخرج بتصدیق ما قلنا فنقتلکم معہ قتل عاد وارم ـ الٰہی ! ہم کو فتح
دیجئے اور ہماری مدد فرمائیے اس نبیؐ کے طفیل اور وسیلے میں جو آخری زمانے میں بھیجے
جانے والے ہیں اور اپنے مشرک دشمنوں سے کہتے کہ اب وہ وقت آچکا ہے کہ نبیؐ
(آخر الزماں) نمودار ہوں گے جن کی آمد سے ہماری بات کی تصدیق ہو جائے گی ہم
ہم ان کے ساتھ ہو کر تم کو عاد و ارم کی طرح نیست و نابود کر دیں گے ۔

مشرکین کا بھی اہل کتاب سے اتفاق

یہی حال مشرکین عرب کا بھی تھا کہ اہل
کتاب سے سن سن کر اور اپنے معتمد علیہ اصحاب سے معلوم کرکے اسی قسم کے بیانات
دیتے تھے ۔ چنانچہ زید بن عمرو بن نفیل جس کی آمد و رفت اور نشست و برخاست،

اہل کتاب کے ساتھ رہتی تھی وہ کہا کرتا تھا۔ قد اظل زمانہ وانہ من قریش بل من بنی ھاشم بل من بنی عبد المطلب۔ اب نبی آخر الزماں کے ظہور پانے کا وقت آچکا ہے۔ اور وہ یقیناً قبیلہ قریش سے ہوں گے بلکہ قریش میں سے بھی بنی ہاشم میں ہوں گے بلکہ ان میں سے بھی عبد المطلب کی اولاد سے ہوں گے۔" اسی طرح جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کا نام نامی محمدؐ ہوگا تو کئی آدمیوں نے اپنے نومولود بچوں کا نام محمد رکھنا شروع کردیا اس توقع پر کہ یہی بچہ شاید نبی آخر الزماں ہو۔ یہ تو سب تمنا اور آرزوئیں تھیں۔ اللہ سبحانہٗ کے نزدیک روز ازل ہی اس کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ اور ظہور اسی ذات اقدس کا ہوا جو منظور ازلی تھا۔ یہاں یہی بیان فرمایا جارہا ہے:۔

لم یکن الذین کفروا کی تفسیر

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ۔

نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہیں اہل کتاب اور مشرک باز آنے والے تا آنکہ پہنچے ان کے پاس ثبوت۔" یعنی اہل کتاب اپنے کفر سے اور مشرکین اپنے شرک سے باز آنے والے نہیں ہیں تا آنکہ آئے ان کے پاس اس کا ثبوت۔ وہ ثبوت اور دلیل وحجت کیا ہے؟ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ ایک پیغمبر ہیں جو اللہ سبحانہٗ کی طرف سے

بھیجے جانے والے ہیں" جملہ کمالات ظاہری اور باطنی کے ساتھ۔ اپنی نبوت و رسالت
کے دلائل اور شواہد لے کر ان تمام پیش گوئیوں کے مطابق جو اگلی آسمانی کتابوں میں
مرقوم ہیں اور جن کی آمد آمد کی بشارت جملہ انبیاء و مرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین
اپنے اپنے عہد میں اپنی امتوں کو دیتے آئے ہیں ۔ع دعائے خلیل و نوید مسیحا۔
جن کے اوصاف عالیہ اور اخلاق فاضلہ یہ ہیں :- یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً
فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۔ پڑھ سناتے ہیں پاکیزہ صحیفے ان میں لکھی ہیں سچی
باتیں" یعنی ان پر ایک کتاب مبین نازل ہوئی جس کی ایک ایک سورت ایک
ایک صحیفہ ہے۔ اور ایک ایک ورق' اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا' ان کا
محافظ' نیز ان کا خلاصہ اور مجموعہ ہے۔ اگلی امتوں نے اپنی کتابوں کی قدر نہ جانی
اور کمال ناقدری سے ان کو ضائع کر دیا۔ اس میں تحریف صوری و معنوی کی۔
مضامین بدل دئے۔ جو احکام ان کے مطلب کے مطابق تھے ان کو تو باقی رکھا
اور جو ان کی خواہش نفس کے خلاف دکھائی دئے ان کو حذف کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ وہ خود ان مقدس کتابوں کے فوائد و برکات سے محروم رہے۔ یہ کتاب مبین
ایسی ہے کہ اس کو جیسا کہ ہم نے اس کو اتارا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی ہم ہی نے
لیا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ ہم ہی نے اس سراپا

نصیحت بھری کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم خود بنفس نفیس اس کے محافظ و نگہبان ہیں۔ آج چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب آج بھی جوں کی توں محفوظ و مصئون ہے۔ لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ کوئی غلط اور باطل چیز نہ اس کے سامنے سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ ہر سمت سے اس کی حفاظت کی گئی ہے۔ کیوں نہ ہو یہ کتاب اتاری گئی ہے خدائے حکیم کی طرف سے جو ہر طرح کی حمد و ثنا کا حقیقی طور پر مستحق ہے۔"

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً کی تفسیر

صحفًا مطہرۃً اس اعتبار سے کہ کتاب مبین میں جس قدر آیات، احکام (اوامر نواہی) ضرب الامثال قصص و مواعظ، اخلاق، آداب، پیشین گوئیاں، عجائب، اسرار حقائق، عقائد اعمال وغیرہ مذکور ہیں وہ سب کے سب پاکیزہ صاف ستھرے ہیں۔ نزول سے پہلے قرآن کریم لوح محفوظ پر پاک مقام میں محفوظ تھا۔ پاک ہاتھوں سے لکھا گیا تھا۔ پاک لوگوں کی حفاظت و نگرانی میں تھا۔ پھر لیلۃ القدر میں سماء دنیا پر اتارا گیا تو اس کو بیت العزۃ میں رکھا گیا۔ اور اس کی حفاظت و صیانت کا اہتمام ملائکہ کرام کے سپرد کیا گیا۔ پھر نجمًا نجمًا قسطًا قسطًا حسب ضرورت و مصالح

تیئیس سال کے عرصہ تک اتارا جاتا رہا تو اس عرصہ مدت میں بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام
اور موکب ملائکہ کرام ہی رہا جو سب کے سب ہر گناہ و معصیت سے پاک اور معصوم
تھے۔ پھر رسول پاک اور نبی معصوم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اس کا القاء بذریعہ وحی
فرمایا گیا۔ اور آپ کے توسط سے یہ مقدس امانت امتہ مرحومہ کے تفویض ہوئی
اور حکم ہوا کہ لا یمسہ الا المطھرون کہ اس کو پاک لوگ ہی مس کیا کریں۔
یعنی جو غسل کئے ہوئے اور باوضو ہوں وہی ہاتھ لگایا کریں۔ ہاں بے وضو لوگ
زبانی پڑھ سکتے ہیں کیونکہ زبان اعضائے وضو میں داخل نہیں۔ لیکن جن کو غسل
کی حاجت ہو وہ زبانی بھی نہ پڑھیں۔ اس کو رکھنا ہو تو پاک جگہ پاک غلاف میں
لپیٹ کر رکھیں تاکہ کسی ناپاک کا ہاتھ لگنے نہ پائے۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ 98-4
الْبَيِّنَةُ ۝ اور نہیں پھوٹ پڑی ان لوگوں میں جن کو دی گئی کتاب مگر بعد اس کے کہ
آئی ان کے پاس روشن دلیل ۝

اہل کتاب کا حسد و عناد یعنی یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں باوجود باہمی
اختلافات شدیدہ اور خرافات عدیدہ کے اس امر پر متفق تھے کہ نبی آخر الزماں
تشریف لائیں گے تو ان کے باہمی اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے اور

سب کے سب آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کا اتباع کریں گے مگر ہوا یہ کہ صدیوں
سے جس امر پر ہر دو فریق اتفاق کر چکے تھے (یعنی نبی آخر الزماں پر ایمان لانا)
یہی چیز اتفاق کی بجائے اختلاف کا سبب بن گئی۔ حضور سید المرسلین صلوات اللہ
وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین جب مبعوث ہوئے تو ہر دو گروہ اپنی بات سے پلٹ
گئے۔ یہ نہیں کہ ان لوگوں نے حضور کو نہیں پہچانا۔ ضرور پہچان لیا کیونکہ آپ کا
حلیہ پاک آپ کے اوصاف طیبہ ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے تھے۔ یعرفونہ
کما یعرفون ابناءھم۔ "آپ کو وہ خوب پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں
کو پہچانتے ہیں" جن کی شناخت میں کسی قسم کا شک یا تردد نہیں۔ ایسی کامل
معرفت کے بعد بھی ان کا انکار محض عناد اور حسد کی بنا پر تھا۔ ہر گروہ کا زعم
یہ تھا کہ نبی آخر الزماں اپنی ذریت سے ہوں گے۔ یہود کا زعم تھا کہ وہ یہودی النسل
ہوں گے اور نصاریٰ کا پندار یہ تھا کہ وہ نصاریٰ سے ہوں گے۔ واللہ اعلم
حیث یجعل رسالتہ — اللہ سبحانہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ اپنی رسالت
اور پیغمبری کہاں دی جانی چاہیے" یہ حالات اور کیفیات تو اہل کتاب کے
تھے جس کی بنا پر وہ کافر قرار دیے گئے۔

مشرکین بھی اہل کتاب کے نقش قدم پر

رہے مشرکین عرب جہاں نہ کوئی نبوت

و رسالت تھی نہ ان کو کسی آسمانی کتاب سے واسطہ رہا تھا۔ صدیوں سے جہالت کا
دور دورہ تھا۔ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے
بنائے کعبۃ اللہ کے موقع پر دعا فرمائی تھی :۔ ربنا وابعث فیہم رسولا منہم
یتلوا علیہم آیاتک ویعلمہم الکتاب والحکمۃ ویزکیہم انک انت
العزیز الحکیم۔ اے پروردگار ہمارے! بھیج دیجئے ان میں ایک رسول انھیں
میں سے جو پڑھ سناتے رہیں ان کو آپ کی آیتیں اور تعلیم دیتے رہیں ان کو کتاب
وحکمت کی اور ان کے نفوس اور قلوب کا تزکیہ کرتے رہیں۔ بے شک آپ
عزت والے غلبہ والے ہیں۔ کائنات میں سے کوئی ہستی بلکہ ساری کائنات بھی آپ پر غلبہ نہیں پا
سکتی حکمت والے ہیں کہ آپ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔" بہتیرے اس واقعہ دعا کو اپنی آبائی
جہالت کی وجہ سے بھولے ہوئے تھے۔ اہل کتاب سے سنی ہوئی باتوں کی بناپر
کسی کو کچھ معلوم بھی ہوا تو ان میں سے بھی ہر قبیلہ و خاندان کی یہی خواہش تھی کہ
اللہ سبحانہ کی یہ نعمت عظمیٰ ان کے حصے میں آئے اور اسی تصور میں اپنی اولاد کا
نام محمد رکھنا شروع کیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر کے لوگوں میں یہ نام نامی کسی نے
بھی نہیں رکھا تھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ قریش جیسے عظیم الشان قبیلہ کے
ایک مقدس خاندان بنی ہاشم اور بنی ہاشم کے بھی ایک مقدس ترین گھرانے

بنی عبد المطلب میں ظہور نور ہوا جن کی معاشی و دنیوی وجاہت قابل ذکر نہ تھی بلکہ
آپ یتیم پیدا ہوئے اور یتیمی ہی میں آپ کی نشو و نما ہوئی تو مارے حسد کے جل گئے
اور لگے انکار کرنے۔

اہل کتاب کا علم تحقیقی اور مشرکین کا تقلیدی

یہی سبب ہے کہ نبی آخر الزمانؐ کی رونق افروزی پر
باہمی اختلافات کو مٹا کر آپ پر ایمان لانے اور آپ کا
اتباع کرنے میں اہل کتاب کی طرح، مشرکین عرب بھی خود کو ان کا شریک حال
خیال کر رہے تھے اور یہ تینوں گروہ متفق اللفظ ہو گئے تھے جس کے پیش نظر اس
سورت شریفہ کی پہلی آیہ کریمہ لم یکن الذین کفروا میں اہل کتاب کے ساتھ
مشرکین کا ذکر بھی فرمایا گیا تھا۔ مگر حضور کی بعثت شریفہ کے بعد جب اہل کتاب
جن کا علم آپ کی نسبت تحقیقی تھا انھوں نے ساتھ نہ دیا تو مشرکین عرب جہلا جہالت ہی
جہالت تھی اور اگر کچھ علم ہوا بھی تو محض تقلیدی اور سماعی تھا۔ اس لئے تفرق کے
موقع پہ صرف اہل کتاب کا بیان فرمایا۔ مشرکین کا ذکر تک نہیں فرمایا گیا۔
مطلب یہ کہ تحقیقی علم کی بنا پر ایمان کا دم بھرنے والے اور اتباع کا عہد کرنیوالے
اہل کتاب ہی وقت پر میدان سے ہٹ گئے تو سماعی اور تقلیدی علم والے مشرکین کا
کیا ذکر ہے؟ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حسد و عناد ایسی بری بلا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے

انسان کو نہ اپنا عہد یاد رہتا ہے اور نہ اس کا علم ہی کارآمد ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ نجات کے لئے محض علم کافی نہیں توفیق اور فضل الٰہی بھی شامل حال ہونا چاہئے۔

ایک تمثیل ان تماموں کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے کہ کسی واعظ و ناصح کا وعظ سن کر یہ کہتا رہا کہ حضرت! میں اس وقت حد درجہ افلاس اور فلاکت میں ہوں۔ اگر اللہ سبحانہ مجھے سرفراز فرمائے اور ایسا وقت آئے کہ میری فلاکت کی جگہ تونگری اور دولت لے لے تو کار ہائے خیر میں آپ کے وعظ و نصیحت کے مطابق ایسا ایسا دوں گا اور راہ خدا میں یوں خرچ کرتا رہوں گا۔ پھر کچھ دنوں بعد اللہ کے فضل و عنایت سے اس کی حالت ٹھیک ہوگئی اور فقر و فاقہ اور افلاس و نکبت دفع ہوکر خوب مال و دولت ہاتھ لگ گئی تو اس کا تمرد و عناد اور بڑھ گیا۔ اور پچھلی باتیں ساری کی ساری فنا ہو گئیں۔ یہی حال کفار اہل کتاب اور مشرکین عرب کا ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ

وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ 98-5

اور ان کو یہی حکم دیا گیا کہ بندگی کرتے رہیں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے بندگی ابراہیم کی راہ پر اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ اور یہ

راہ سیدھے لوگوں کی "

نبی آخر الزماںؐ کی تشریف آوری پر ان کا اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب کو تردد اور شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اسلئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے زمانے میں پیروان دین حنیف کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ باطل کے تمام تعلقات اور بندھنوں کو توڑ کر اپنا رشتہ دین حق سے جوڑیں جو دین اسلام کی سیدھی سیدھی راہ ہے جس میں اخلاص اور صدق کے ساتھ خدائے واحد کی عبادت کی جاتی ہے۔ نام و نمود یا دکھانا سنانا منظور نہیں ہوتا جس میں ساری کائنات کا مختار و مالک کل اللہ سبحانہ کی ذات واحد کو سمجھا جاتا ہے۔ اس کے سوا کائنات کے کسی شعبہ میں کسی کو خود مختار نہیں مانا جاتا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ وَمَا اُمِرُوا فِی التوراۃ والانجیل الا باخلاص العبادۃ للہ موحدین۔ (مظہری) توریت اور انجیل میں (یہود و نصاریٰ کو) یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید پر قائم رہ کر خدائے واحد کی مخلصانہ عبادت بجا لائیں اور اسی کے بندے بنے رہیں " اور قائم رکھیں نماز جو جسمانی عبادات میں بہترین عبادت ہے' اور دیتے رہیں زکوٰۃ

جو مالی عبادات میں سب سے ارفع و اعلیٰ عبادت ہے۔ اور یہی ہے راہ سیدھے لوگوں کی۔" یہ اصول دین ملت ابراہیمیہ کے تھے اور جن کی پابندی کا حکم اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو دیا گیا تھا۔ جب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رونق افروز ہوئے تو آپ نے بھی دین اسلام کے یہی اصول قرار دیئے اور نماز و زکاۃ کا حکم تمام امتہ مرحومہ کو دیا۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حکم ملا واوحینا الیك ان اتبع ملة ابراھیم حنیفاً "اور ہم نے آپ کے پاس حکم بھیجا کہ آپ ملت ابراہیمی کا اتباع کیجئے جو تمام ادیان باطلہ سے ٹوٹ کر دین حق پر قائم ہے۔" جب ملت ابراہیمیہ کے اتباع کا حکم توریت اور انجیل میں تھا اور وہی حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی دے رہے ہیں تو کفار یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب۔ ان کے لئے اچنبے کی بات ہی کیا تھی؟ دین حنیف کے احکام دئے جانے پر بھی آپ پر ایمان نہ لانا اور آپ کا اتباع نہ کرنا بغض و عناد اور حسد و کینہ نہیں تو اور کیا ہے؟۔

حُنفاءَ کی تفسیر حنفاءَ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ حُجّاجاً۔ بیت اللہ شریف کا حج کرنے والے۔" یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ

ساری دنیا سے بے تعلق ہو کر اللہ کے گھر کا قصد کرنے والے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ مختتنین محرّمین لنکاح الام والمحارم۔ ختنہ کرنے والے، ماں کے ساتھ نکاح کو حرام جاننے والے، نیز جن رشتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان سے نکاح کو حرام جاننے والے " حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں:۔ مؤمنین بجمیع الرسل علیہم السلام۔ تمام پیغمبروں اور اللہ سبحانہ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانے والے حنفاء ہیں " حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: متّبعین دین ابراھیم علیہ السلام۔ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کا اتباع کرتے ہیں وہ حنفاء ہیں " اور حضرت ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں:۔ مستقبلین القبلۃ بالصلاۃ۔ نماز کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنیوالے حنفاء ہیں " فقیر عرض کرتا ہے کہ حنیف کے اصل معنی ہر قسم کی کجی اور ٹیڑھے پن سے دور ہو کر استقامت کی طرف مائل ہونے کے ہیں۔ لہٰذا جو اقوال اوپر بیان کئے گئے وہ بطور تمثیل ہیں یا علامات و اوصاف۔ اس اعتبار سے ہر معنی بجائے خود درست ہیں۔

عمل کو جزوِ ایمان کہنے والوں کا استدلال

جو لوگ عمل کو ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں ان کا استدلال اسی آیہ کریمہ وما امروا الا لیعبدوا اللہ

مخلصین لہ الدین حنفاء و یقیموا الصلاۃ و یؤتوا الزکوۃ و ذلک دین القیّمۃ سے ہے۔ جس میں ارشاد ہوا ہے کہ (اہل کتاب او رمشرکین اور سب لوگوں کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ خدائے واحد کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں، اپنا دین سب ادیان سے پاک صاف ہو کر خالصاً اسی کے لئے ہو اور نماز کو قایم کریں اور سب مل کر زکاۃ دیا کریں یہی سیدھا دین ہے۔" اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ نماز اور زکاۃ جو عبادات بدنی اور مالی میں شامل ہیں وہ بھی دین ہی ہیں۔ اس کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عقیل نے ایک دفعہ امام زہریؒ سے فرمایا:۔ تزعمون ان الصّلاۃ والزکاۃ لیسا من الایمان فقرأ وما امروآ الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء و یقیموا الصلوۃ و یؤتوا الزکوۃ و ذلک دین القیّمۃ تری ھذا من الایمان اولا (ابن ابی حاتم) آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نماز اور زکاۃ وغیرہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ پھر آیۂ وما امروا الا لیعبدوا اللہ کی تلاوت کرکے فرمایا کہ نماز و زکاۃ وغیرہ اعمال کو ایمان میں داخل اور ایمان کا جزو تصور کرتے ہو یا نہیں؟" کیونکہ نماز اور زکاۃ کو بھی اس آیہ کریمہ میں دین القیّمۃ فرمایا گیا ہے۔ نیز حضرت عطاء بن ابی رباح سے دریافت کیا گیا۔ ان قوما

قالوا ان الصلاۃ والزکاۃ لیسا من الدین فقال الیس یقول اللہ

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ

ویؤتوا الزکوٰۃ وذٰلک دین القیمۃ فالصلاۃ والزکاۃ من الدین

(ابن المنذر) بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز اور زکاۃ دین (ایمان) میں داخل نہیں

ہیں۔ تو (حضرت عطا نے جواب میں) فرمایا کیا اللہ سبحانہ کا یہ ارشاد نہیں ہے:۔

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلاۃ

ویؤتوا الزکاۃ۔ لہٰذا نماز اور زکاۃ بھی دین میں داخل اور جزو ایمان ہیں"۔

حضرت ابو وائل بھی یہی فرمایا کرتے تھے (عبد بن حمید)۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا جواب ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان امر اعتقادی ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔ اعضائے ظاہرہ کو اس میں دخل نہیں نماز و زکاۃ وغیرہ اعمال ہیں جو ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء و جوارح سے ادا ہوتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار ارشاد فرمایا ہے:۔ آمنوا وعملوا الصالحات۔ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے"۔ یعنی عملوا کا عطف آمنوا پر فرمایا اور عطف چاہتا ہے مغایرت کو یعنی معطوف علیہ اور ہے اور معطوف چیز دیگر۔ دونوں ایک نہیں ہو سکتے ان میں سے

ہر ایک جدا جدا حقیقت ہے جیسا کہتے ہیں :۔ جاء فی زید و عمرو۔ میرے پاس زید اور عمرو آئے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ زید کی شخصیت جدا ہے اور عمرو کی جدا۔ دونوں کا وجود مستقل ہے، ایک دوسرے میں نہ تو داخل ہے اور نہ ایک دوسرے کا جزو۔ اور خود اس آیۂ کریمہ وما امروا میں بھی حقیقتِ دین جملہ لیعبدوا اللہ کو قرار دیا گیا (کہ اسی کے بندے بنے رہیں) اور اسی کی نسبت ارشاد ہوا مخلصین له الدین اپنا دین و اعتقاد خالصاً مخلصاً اسی کے لئے ہو، اللہ سبحانہٗ کے سوا اور کسی کے لئے نہ ہو۔ اور نماز و زکاۃ کا بیان جدا طور پہ فرمایا گیا۔ اس طرح ایمان اصل دین، اور نماز و زکاۃ اس کے ثمرات و نتائج ہیں۔ ہاں ان کی فرضیت کا اعتقاد داخل دین ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔ رہی اس کی ادائی جو ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء و جوارح سے تعلق رکھتی ہے، دین کا جزو تو نہیں ہے البتہ اس کا ثمرہ و نتیجہ اور دین کا شعار ہے۔ اسی سے انسان پہچانا جاتا ہے کہ وہ مومن ہے۔ اور اعتقاد کا حال کہ کس کا کیا اعتقاد ہے؟ خدا ہی علیم ہے۔ بس اسی سے اعتقاد و عمل کا فرق ظاہر ہے۔

اس کے بعد آنے والی آیات کریمہ میں کفار کے لئے جو سزا مقرر ہے اس کی وعید اور نیکوکار اصحاب کے لئے جو وعدے دئے گئے ہیں ان کا بیان آرہا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے :۔

98-6 اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ ؕ بے شک وہ لوگ جو منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک' ہوں گے دوزخ کی آگ میں' ہمیشہ رہیں اس میں' وہ لوگ ہیں بدتر سب مخلوق سے "

کفار کے اقسام کفار دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو علم کا دعوی کرتے ہیں جیسے اہل کتاب۔ اور دوسرے مشرک جو جاہل محض ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی۔ جب ان دونوں گروہوں نے حق کا انکار کیا تو ان کا شمار منکرین میں ہوا۔ اور منکرین کے لئے جو سزا مقرر ہے اس کے یہ دونوں فریق مستحق ٹھہرے۔ از انجملہ اہل کتاب کو مشرکین پر مقدم رکھا گیا اور ان کو سزا کا مستحق اولیں قرار دیا گیا۔ بات صاف ہے جیسا کہ حضرت سعدیؒ نے فرمایا ؎

این بہ نابینائی از رہ اوفتاد ویں دو چشمش بود در چاہ اوفتاد

ایک گروہ (مشرکین کا) جو علم آشنا نہ تھا اور جہل و نادانی کی بنا پر اندھا بنا ہوا تھا وہ اگر راستہ چھوڑ دے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بڑا تعجب تو اس پر ہے کہ ایک گروہ علم و عقل سے بہرہ ور ہے' کتاب آسمانی سے واقف ہے اس کی

دونوں آنکھیں کھلی ہوئی ہیں یہ سب کچھ موجود ہوتے ہوئے کوئیں میں جا پڑے تو وہ وہ کیوں قابل ملامت نہ سمجھا جائے۔

ایک لطیف نکتہ تفسیر نیشاپوری میں علامہ نظام الدین حسن تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں ایک لطیف نکتہ ہے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ حق اللہ کو اپنے حق پر مقدم رکھا کرتے چنانچہ غزوۂ احد میں دندان مبارک شہید ہوئے تو فرمایا:۔ اَللّٰھُمَّ اھد قومی فانّھم لا یعلمون۔ یا الٰہا! میری قوم کو ہدایت دیجئے اور ان کی رہبری فرمائیے کیونکہ وہ نادان ہے ئے اور جب غزوۂ خندق میں نماز عصر قضا ہوگئی تو فرمایا:۔ ملأ اللہ بطونھم وقبورھم نارا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ان لوگوں کے پیٹ اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے ئے دندان مبارک کا شہید ہونا یہ اپنا معاملہ تھا آپنے اس سے درگزر فرما دیا اور نہ صرف یہی بلکہ اس کی وجہ ظاہر کر کے سفارش بھی فرمائی:۔ فانّھم لا یعلمون۔ کیونکہ وہ جانتے نہیں کہ آپ کے نبی اور رسول کی کیا منزلت ہے۔ نادانوں سے مواخذہ نہ ہونا چاہیئے۔ بخلاف اس کے نماز عصر حق اللہ ہے۔ اس کے بروقت ادا نہ ہونے پر آپ سے رہا نہ گیا یہاں تک کہ آپ نے اسی قوم پر بد دعا فرمائی کہ ان کے پیٹ اور ان کی قبریں آگ سے

بھر دی جائیں۔ جب آپ نے اپنے حق پر حق اللہ کو ترجیح دی تو اللہ سبحانہ نے بھی اپنے حق پر اپنے رسول مقبول کے حق کو مقدم رکھا۔ اس طرح کہ اگر کوئی مسلمان عمر بھر نماز نہ پڑھے تو وہ کافر قرار نہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کے رسول کا ذرا بھی انکار کرے تو وہ کافر قرار پائے گا۔ چنانچہ اہل کتاب و مشرکین مدتوں سے نبی آخر الزماں پر ایمان رکھتے تھے اور ان کی آمد آمد کے منتظر تھے۔ ان کی تشریف آوری پر انکار کیا تو کافر قرار پائے۔ اور دائمی عذاب کے مستوجب ٹھہرے۔

شر البریۃ کی تفسیر اُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۔ وہ کفار (اہل کتاب و مشرکین) بدترین مخلوق ہیں۔ بدترین اس وجہ سے کہ ہر مخلوق خواہ وہ جمادات و نباتات سے ہو یا حیوان۔ ان میں سے جو بھی جس کام کے لئے بنائی گئی ہے وہ اپنا کام کر رہی ہے۔ اور اپنا فرض انجام دے رہی ہے۔ لیکن انسان جس کی آفرینش عبادت کے لئے ہوئی جیسا کہ ارشاد ہے:۔ وما خلقتُ الجنَّ والانسَ الاّ لیعبدونِ ۔ اور میں نے جن وانس کو جو پیدا کیا وہ محض اس لئے کہ وہ میری بندگی کرتے رہیں۔ یہ مخلوق اللہ سبحانہ کی بندگی سے سرتابی کر رہی ہے۔ بندگی سے سرتابی کرنے والی مخلوق یہی کفار (اہل کتاب و مشرکین) ہیں۔ لہذا یہی تمام مخلوقات میں بدترین قرار پائے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ نے

دوسری جگہ فرمایا:۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔ "یہ کفار چوپایوں کی طرح ہیں" اس لئے چارپائے عقل و دانش سے عاری ہیں اور کفار سب کچھ رکھتے ہوئے بھی گمراہی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ چوپایہ جانوروں کا یہ حال ہے کہ وہ مالک کے بلانے پر آتے اور اس کے اشارے پر کام کرتے ہیں۔ مگر کافر کا یہ حال ہے کہ روزانہ پانچ وقت اسکو دعوت عبادت دی جاتی ہے مگر نہ وہ عبادت کے موقع پر آتا اور نہ اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔

اہل کتاب اور مشرکین کا شر البریہ ہونا

رہے کفار اہل کتاب' ان کا حال یہ ہے کہ انسانوں میں بھی جو بدترین انسان سمجھے جاتے ہیں جیسے چور' ڈاکو' رہزن وغیرہ یہ تمام خرابیاں اور برائیاں ان میں موجود ہیں۔ چور ڈاکو تو صرف مال اور جان کے دشمن ہوتے ہیں اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) دشمن ایمان ہیں۔ ان کی آسمانی کتابوں (توریت شریف اور انجیل شریف) میں حضور نبی آخر الزماں علیہ صلوات اللہ وسلام الرحمٰن کی جو نشانیاں لکھی تھیں' آپ کی تشریف آوری کے بعد اُن علامات کو اپنی کتابوں سے اُڑا دیا' جس طرح چور لوگوں کا مال اُڑا لے جاتے ہیں۔ یا ان علامات کو بدل دیا جیسے خائنین کا حال ہوتا ہے کہ لوگوں کی امانت میں سے کار آمد چیز نکال کر

نکمی چیزیں رکھ دیتے ہیں۔ قطاع الطریق، مسافروں کا راستہ روکتے ہیں۔ ان شریروں نے آنے والوں نسلوں کے دین کا راستہ روک دیا۔ ڈاکو مال پر ڈاکہ ڈالتے ہیں ان بدکرداروں نے لوگوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالا۔ اور یہ سب محض بغض وعناد کی بنا پر کیا جو کفر کی بدترین خصلت ہے اس لئے وہ جاہلوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے کہ جاہل تو اپنے جہل کی وجہ سے گمراہ ہوا تھا۔ اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے گمراہ ہوئے اور گمراہ کیا۔ لہذا جو دائمی سزا نار جہنم کی ان کے لئے تجویز فرمائی گئی وہ بالکل جزآءً وفاقاً ٹھیک ٹھیک قرار پائی۔ یہی حال مشرکین کا ہے جس کا بیان اوپر گزر چکا۔ ان کے مقابل ایک اور گروہ کا انجام بھی سن لیجئے جو مومنین صالحین کا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے :۔

98-7 اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کرتے رہے شائستہ وہی ہیں بہترین مخلوق۔

مومنین صالحین خیر البریہ ہیں

یعنی جو لوگ اللہ سبحانہ تعالیٰ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے جملہ رسولوں پر اور ان کی بتائی ہوئی تمام باتوں پر یقین رکھتے ہیں، اور اچھے کاموں میں لگے ہوئے ہیں یقیناً یہ لوگ تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں بعض وہ ہیں جو فرشتوں پر بھی سبقت لے جاتے اور خود کو ان سے بہتر ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ فرشتوں کا ایمان لانا اور اچھے کاموں میں لگے رہنا ان کا فطری اور طبعی امر ہے کیونکہ ان کی سرشت میں خلاف ورزی کا مادہ ہی نہیں رکھا گیا ہے، ان سے طاعت اور عبادت کے سوا دوسرا کوئی کام صادر ہی نہیں ہو سکتا۔ بخلاف بنی آدم کے کہ ان کی سرشت میں سب کچھ ودیعت ہے۔ اچھے اعتقاد اور اچھے اعمال کی بدولت وہ اعلیٰ علیین پر بھی پہنچ سکتے ہیں یا اس کا خلاف کرکے اسفل سافلین میں جا گر سکتے ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی عصیان اور خلاف ورزی پر غلبہ پاکر راہ ہدایت اختیار کرے اور نفس و شیطان پر قابو رکھ کر وہ کام کرے جو فرشتے ہی کر سکتے ہیں تو یقیناً اس کا مرتبہ ملائکہ کرام سے اعلیٰ و ارفع ہوگا اور اس کا یہ عمل اور طرز زندگی فرشتوں کے مقابلے میں موجب صد آفریں ہوگا۔

مومنین صالحین ملائکہ سے بہتر ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔ اتعجبون من منزلۃ الملائکۃ من اللہ والذی نفسی بیدہ لمنزلۃ العبد المؤمن عند اللہ یوم القیامۃ اعظم من منزلۃ ملک واقرؤا ان شئتم ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ۔ (ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ کے ہاں فرشتوں کی منزلت سے کیا تم تعجب میں پڑے ہوئے ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن ایک ایک مومن کی منزلت فرشتے سے بھی کہیں بڑھی چڑھی ہوگی۔ اس کا ثبوت چاہتے ہو تو یہ آیۂ کریمہ پڑھ لو جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کاموں میں لگے رہے وہ تمام مخلوقات میں سب سے بہتر مخلوق ہیں" ظاہر ہے کہ تمام مخلوقات میں فرشتے بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ سبحانہ کی نوری مخلوق ہیں۔ لیکن خاکی انسان، ایمان اور عمل صالح کی بدولت ان پر بھی سبقت لے جا سکتا ہے۔

مضمون بالا کی تائید اسی طرح ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوع حدیث مروی ہے:۔ قالت قلت یا رسول اللہ!

من اکرم الخلق علی اللہ قال یا عائشۃ اما تقرئین ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ۔ (ابن مردویہ) حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ سبحانہ کے پاس تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ ارشاد ہوا عائشہ! کیا تم آیہ کریمہ ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریۃ نہیں پڑھتی ہو؟" جس میں بصراحت ارشاد باری عز اسمہ ہوا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کاموں میں مشغول رہے یقیناً وہ تمامی مخلوقات سے بہتر ہیں "

عقیدۂ اہل السنۃ والجماعۃ اسی بنا پر ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے اور مومنین صالحین عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ یہاں مومنین صالحین سے کاملین مراد ہیں جن کی زندگی کا کوئی لمحہ یاد خدا سے خالی نہیں اور جن کا ہر عمل میزان شریعت مطہرہ سے متجاوز نہیں ہونے پاتا۔ یہ معاملہ خواص مومنین اور اخص الخاص کا ہے۔ رہے عوام مومنین و آخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً و آخر سیئاً ان میں بعض وہ ہیں کہ انھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا جن کے اعمال نیک و بد مخلوط ہیں" ان کے اعمال ناموں میں نیکیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ ظاہر ہے کہ وہ عوام ملائکہ سے افضل نہیں ہو سکتے کیونکہ ملائکہ کرام کو بدی اور

برائی سے واسطہ ہی نہیں۔ لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون
اللہ سبحانہ کا جو کوئی ان کو حکم ہو وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ وہی کرتے ہیں جس کا
ان کو حکم دیا جاتا ہے" یہ اور بات ہے کہ مخلوط اعمال والوں کے لئے توبہ کا دروازہ
کھلا ہوا ہے۔ ان کے لئے بھی موقع ہے کہ توبہ و آیات سے کام لیں تو ممکن ہے کہ
صف ملائکہ میں شامل ہو جائیں گو ان پر سبقت حاصل نہ ہو کیونکہ ان کے لئے وعدہ
فرمایا گیا ہے :۔ عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم۔ قریب
ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے اور ان کو معافی دیدے۔ بے شک اللہ بخشنے
والا مہربان ہے"

عملوا الصالحات کی تفسیر یہاں وعملوا الصالحات سے جملہ نیکیاں کر چکنا
مراد نہیں اور نہ یہ ممکن ہے اس لئے کہ نیک کام بے حد اور بے حساب ہیں اور انسان
کی زندگی محدود۔ محدود مدت میں نا محدود کام انجام پانا ممکن ہی نہیں اور نہ ہر کام کے
کرنے کی صلاحیت، ہر ہر شخص میں ہوتی ہے اگر ایسا ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا
اور امن و امان باقی نہیں رہیگا۔ اگر سب کسان ہوں تو صناع اور کاریگر کون ہوگا
اور اگر سب کاریگر ہوں تو تاجر کون ہوگا اور اگر سب تاجر ہوں تو خریدار کون ہوگا؟
یہی حال آخرت کے کاموں کا ہے۔ اگر سب امام ہوں تو مقتدی کون؟ اور اگر سب

مفتی ہوں تو مستفتی کون ہوگا؟ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس سے جو فریضہ یا جو کام متعلق ہو اس کو حکم شرع شریف کے موافق انجام دیا کرے۔ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　　بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

عالم اپنے علم کا فرض ادا کرتا رہے تو غیر عالم اہل علم سے وابستہ رہ کر ان کے ارشادات و ہدایات سے مستفید ہوتا رہے۔ مالدار اپنے مال کا فریضہ ادا کرتا رہے۔ ؎

تونگراں را وقف است و نذر و مہمانی　　زکاۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی

اور فقیر و مسکین اپنے فقر و فاقہ پر صبر و استقامت سے قائم رہ کر رجوع الی اللہ کرے۔ اللہ سبحانہ خود اغنیاء کو ان کی طرف مائل فرمائے گا۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت ان شاء اللہ نہ آئے گی۔ خدائے روزی رساں اپنے فضل سے روزی پہنچا دیگا ؎

بے مگس ہرگز نباشد عنکبوت　　رزق را روزی رساں پر میدہد

حاکم عدل و انصاف کرتا رہے اور محکوم اپنے حاکم کی اطاعت کیا کرے۔ اس طرح ہر شخص اپنے مقام اور مرتبہ کو پہچان کر اس کی بموجب عمل پیرا ہو اور ہر ایک اپنا اپنا کام اندر شریعت میں رہ کر کیا کرے۔ ساتھ ہی مسلمان پر جو فرائض عائد ہیں ان کی بجا آوری میں مشغول و موظف رہے۔ وقس علی ہذا۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

98-8

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ

لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ع بدلا ان کا ان کے رب کے پاس، باغات ہیں ہمیشہ

رہنے کو، بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، سدا رہیں ان میں ہمیشہ، اللہ ان سے راضی

اور وہ اس سے راضی، یہ ہے اس کے لئے جو ڈرتا رہے اپنے پروردگار سے۔"

مومنین صالحین کی جزاء

ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین صالحین جو خیر البریہ ہیں جن کا بیان اوپر گزرا ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کا بدلا یہ ہوگا کہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے قابل باغات ملیں گے کہ وہاں سے نکلنے کو کسی کا جی نہیں چاہے گا۔ یہ باغ دنیا کے باغوں کی طرح نہ ہوں گے جہاں عارضی طور پر تفریح کے لئے جایا کرتے تھے کہ چند روز گزرتے ہی یا تو مدت اجازت ختم ہو جاتی تھی اور وہاں سے نکلنا پڑتا تھا۔ یا یہ کہ موسم ختم ہوتے ہی خود تفریح کرنے والے اکتا جاتے تھے، اور اپنے گھروں کو واپس ہوتے تھے۔ یہ جنّات عدن ہوں گے جہاں کا عیش کبھی ختم نہیں ہوتا جس کے بدولت نہ وہ اکتا جاتے ہوں گے اور نہ وہاں سے جانے کے لئے کوئی کہتا ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر یہ ہے جنات عدن مقصورۃ الرحمٰن معدن النبیین والمقربین۔ جنات عدن کیا ہے؟ خدائے رحمان جل جلالہ وعم نوالہ کی جلوہ گاہ، انبیاء و مرسلین

اور مقربین بارگاہ کی کان ۔ ہر آن نت نئے جلوے اور ہر دم ایسی مبارک و
برگزیدہ ہستیوں کی ہم نشینی بھلا ایسے عظیم المرتبت اور رفیع الشان باغات سے
نکلنے کو کس کا جی چاہے گا؟ میزبان ٹھہرانے پر مائل اور مہمان ٹھہرے رہنے کا شائق
و دلدادہ، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ۔عدن بطنان الجنۃ ای
وسطھا۔ "عدن" سے جنت کا باطن یعنی اندرونی حصہ مراد ہے یعنی جنت کے
بیچوں بیچ اور اس کا ٹھیک درمیانی مرکزی مقام۔ چنانچہ معدنیات بھی زمین
کے درمیانی حصہ میں ہوتے ہیں۔ اور یہ حضرات نبیین اور مقربین کا معدن ہے
یہ جنّات عدن کی تفسیر ہوئی۔

انھار کی تفسیر تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ان باغات اور ان کے
محلات کے نیچے سے طرح طرح کی نہریں بہتی ہوں گی۔ انھار من ماء غیر آسن
نہریں صاف و شفاف پانی کی جس میں تکدّر نام کو نہیں۔ نہ کبھی وہ پانی گدلا ہوتا
اور نہ اس کے اوصاف یعنی رنگ و بو اور مزے میں کوئی تغیر آسکتا، نہ اس کی روانی
میں کسی قسم کا فرق آنے پاتا، نہ اس کا لطف کبھی ختم ہوتا۔ وانھار من لبن لم
یتغیر طعمہ۔ اور نہریں دودھ کی جس کا ذائقہ کبھی بدل نہیں سکتا۔ بہ خلاف
یہاں کے دودھ کے کہ ایسی نہر کہیں دیکھی تک نہیں گئی بالفرض اگر تیار بھی کیجائے تو

اس پر رات گزرتے ہی تغیر آجاتا ہے۔ وانھار من خمر لذۃ للشاربین۔
اور نہریں شراب کی جس کے پینے والوں کو ہر وقت ایک نئی لذت اور نیا لطف
حاصل ہوتا رہے گا۔ یہ تو شراب خالص ہوئی۔ پھر اس میں دوسری لطیف خوشگوار
آمیزش ہو مثلاً کان مزاجھا کافورا اس میں ملونی کافور کی بو خنک اور
خوشبودار، یا کان مزاجھا زنجبیلا اس میں ملونی زنجبیل تر (ادرک) کی یا
زنجبیل خشک (سونٹھ) کی خوشبودار، ہاضم، یا سلسبیل جس کا بیان سورۂ دہر کی
تفسیر میں گزر چکا نیز کوثر جس کا بیان سورۂ کوثر کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ
اس کے علاوہ رحیق مختوم یعنی بوتلوں میں بند کی ہوئی اور ان پر مُہر لگائی ہوئی
شراب کا دور دورہ لطف در لطف کا سماں پیدا کرتا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔
یُسقون من رحیق مختوم ختامہ مسک ان کو پلائی جائے گی مُہر لگائی ہوئی
شراب وہ مُہر مشک خالص کی زمین پر لگائی ہوگی۔" دنیا میں بھی مہر زدہ بوتلیں
ہوتی ہیں جو لاکھ کی زمین پر لگائی جاتی ہیں۔ جو ایک کریہ بدبودار چیز ہے۔ وہاں
مشک کی زمین پر مہر لگائی جائے گی۔ لاکھ ہو یا مشک۔ یہ توڑ کر پھینک دی جانے
والی چیزیں ہیں۔ اب ان بوتلوں میں جو چیز ہوگی ان کی نفاست کا اندازہ کیجئے
تو ایسی مرکب شراب کا لطف کیا پوچھنا؟ ع لطف ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی۔

(اللہم اجعلنا منہم آمین) وَاَنْھَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی۔ اور نہریں صاف کئے ہوئے شہد کی

پھر غور کیجئے کہ ان انہار سے جن اشجار کی آبیاری کی گئی ہو ان کے پھول پھل کیسے

خوش رنگ، خوشبودار اور خوش ذائقہ ہوں گے اور ان کے افعال وخواص کس نوعیت

کے حامل ہوں گے؟

خالدین فیہا ابدا کی تفسیر خَالِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا۔ مومنین صالحین ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" نہ کبھی ان باغات کے اشجار

فنا ہوں گے نہ یہ انہار۔ باغ کی سرسبزی آبیاری پر موقوف ہے۔ آبیاری کا

سلسلہ ہمیشہ جاری رہیگا تو باغوں کی سرسبزی اور تازگی بھی قایم رہیگی۔ پھر ان کا

سایہ ہوا، پھول، پھل اور ان کا خوشنما دلکشا منظر سب کچھ ہمیشہ برقرار رہیگا

سدا بہار کہ وہاں خزاں کا نام تک نہیں ہر دم تازہ بتازہ نو بہ نو لطف اور لذتیں

جن کا بیان نہیں ہوسکتا۔ جنت کی ہوا کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے:۔

ھواء الجنۃ سجسج۔ جنت کی ہوا حد درجہ معتدل ہے۔" نہ گرم کہ پسینہ لانیوالی

اور نہ سرد کہ کپکپی پیدا کرنے والی بلکہ نہایت خوشگوار پرلطف، مناسب طبع اور

دل پسند وفرحت بخش۔ اسی طرح ساکنان جنت کا حال بھی سمجھ لیجئے کہ وہ بھی اس میں

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کوئی ان کو وہاں سے نکلنے کے لئے کہیگا اور نہ وہ خود اس سے

نکلنا چاہیں گے۔ نہ موت کا دغدغہ نہ کسی مرض کا اندیشہ۔ نہ وہاں بڑھاپا اور ضعف و ناتوانی، نہ کسی قسم کا تغیر۔ بلکہ جیسے جُرْدٌ مُرْدٌ بے ریش امرد (۳۳) سالہ عمر کے بنا کر جنت میں داخل کیے گئے تھے۔ اسی حالت پر قائم و دائم رہیں گے۔ یہاں تک ایمان اور عمل صالح کی جزا کا بیان ہوا۔

رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کی تفسیر

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی"۔ پھر اس پر مستزاد اللہ سبحانہ کا فضل و کرم کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان مومنین صالحین سے راضی و خوشنود کہ اس نے ان بندوں کو جب تک دار دنیا میں ٹھہرائے رکھا وہ حق سبحانہ تعالیٰ کی توحید، اس کی کتابوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کے احکام و ہدایات کی تعمیل، میں ہمیشہ ہمیشہ مشغول و موظف رہے۔ اور اپنے خواہشات اور مرضی کو خدا اور رسول کی مرضی کے تابع بنائے رکھا۔ ہمیشہ راضی برضا و تسلیم بالجزا پر قائم و برقرار رہے۔ وہی کیا جو حکم خدا و رسول تھا۔ آج سے مزید عنایات و الطاف یہ ہوں گے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مومنین صالحین کی مرضی کو اپنی مرضی پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقدم رکھیگا لھم ما یشآءُون فیھا ولدینا مزید۔ دار آخرت اور جنت میں مومنین صالحین جو چاہیں گے وہ سب کچھ ہو رہیگا۔ نیز ان کے لئے ہمارے ہاں مزید الطاف و عنایات

رہیں گے۔ یعنی حق جل و علا کی رضا و خوشنودی جو جنت کی تمام نعمتوں کی روح ہے
رضائے الٰہی ایسی نعمت ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔ پھر رضا مستلزم ہے
دیدارِ الٰہی کو۔ کیونکہ رضا دو طرح ہے۔ ایک غائبانہ اور دوسری مواجہہ اور حضور میں۔
مومنین صالحین کو دونوں طرح یہ دولت رضا نصیب ہوگی۔ عام حالات میں غائبانہ
اور خاص حالات میں مواجہہ اور حضور کے ساتھ۔ جیساکہ حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث
میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاذا کان یوم الجمعۃ
انزل اللہ ما شآء من الملائکۃ وحولہ منابر من نور علیہا مقاعد
النبیین وتحف تلک المنابر بکراسی من ذھب مکللۃ بالیاقوت
والزبرجد علیہا الشہداء والصدیقون ثم جآء اھل الجنۃ فجلسوا من
ورآءھم علی تلک الکثب فیتجلی لہم تبارک وتعالی حتی ینظروا الی وجہہ
ویقول انا ربکم قد صدقتکم وعدی فسلونی اعطیکم فیقولون ربنا
نسألک رضوانک فیقول قد رضیت عنکم۔ (حضرت امام شافعیؒ، ابن ابی شیبہؒ
بزارؒ، ابویعلیٰؒ، ابن ابی الدنیاؒ، ابونصر سجزیؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، طبرانیؒ، ابن مردویہؒ، بیہقیؒ)
جب جمعہ کا دن ہوگا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ (جنت میں) اپنی حسب مرضی فرشتے نازل
فرمائے گا۔ اطراف سے نور کے منبر رکھے جائیں گے جن پر حضرات انبیاء علیہم السلام رونق افروز

ہوں گے۔ اور ایک ایک منبر کے اطراف طلائی کرسیاں بچھائی جائیں گی جن پر جواہرات یاقوت وزبرجد وغیرہ جڑے ہوں گے ان پر صدیقین اور شہداء کی نشست ہوگی۔ پھر تمام اہل جنت آئیں گے وہ ان کے اطراف (مشک کے) چبوتروں پر بیٹھے ہونگے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی تجلی عام ہوگی جس سے سب کے سب مستفید و متمتع ہوں گے اور ارشاد ربانی ہوگا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ (دیدار الٰہی کا) جو وعدہ تم کو (دنیا میں) دیا گیا تھا اس کو (آج) پورا کر دکھا دیا گیا ہے۔ اب تم (جو چاہتے ہو) مانگو میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ وہ التجا کریں گے کہ پروردگارا ہم (آپکی ساری نعمتوں سے سرافراز ہوئے اب صرف ایک درخواست ہے وہ یہ کہ) ہم آپ سے آپ کی رضامندی اور خوشنودی چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوگا کہ میں تم سے (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) رضامند و خوشنود ہو چکا۔" (اس پر تمام حاضرین رضامند و خوشنود ہونگے اور لطف جسمانی اور سرور روحانی سے لطف اندوز مسرت افروز ہوتے رہیں گے)

یہ تفسیر ہوئی رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کی۔ اب آگے ارشاد ہے:-

ذٰلک لمن خشی ربہ کی تفسیر

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝ یہ ہے اسی کے لئے جو ڈر اسہا ہوا رہا اپنے رب سے" اللہ سبحانہ سے ڈرنا دو طرح ہے۔ ایک مجرم اور خطا کار کا ڈرنا کہ اپنے جرائم اور خطاؤں کی نہ معلوم کیا سزا

تجویز ہوتی ہے؟ ایسے اندیشے اور ڈر کو خوف کہتے ہیں۔ دیگر یہ کہ کسی نے کوئی قصور تو نہیں کیا مگر جس کے سامنے اس کو پیش ہونا ہے وہ بڑا ہی باعظمت اور بڑے ہی جلال والا ہے۔ جیسے کہ درباری امراء و وزراء وغیرہ کا حال اپنے پرشکوہ بادشاہوں کے آگے ہوتا ہے کہ ان کے خلاف اگرچہ کسی کا کوئی استغاثہ یا مقدمہ دائر نہیں ہے لیکن دربارشاہی کی حاضری سے سہمے ہوئے ہوتے ہیں کہ مبادا کسی حرکت سے جو آداب شاہی کے خلاف ہو عتاب ہو جائے۔ اس کو کہتے ہیں خشیت۔ چنانچہ ان ہر دو قسم کے ڈر کو آیۂ کریمہ یخشون ربھم ویخافون سوء الحساب میں سمجھا دیا گیا ہے کہ وہ اپنے رب سے سہمے ہوئے اور حساب کے برے نتیجے سے ڈرے ہوئے ہوتے ہیں۔ خشیت ہے ذاتِ رب کی اور خوف ہے حساب میں پورے نہ اترنے کا۔ یہی وجہ ہے کہ آیہ کریمہ الا ان اولیاء اللہ لاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون میں حضرات اولیاء اللہ کی شان میں ارشاد ہوا کہ اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ ان کو آئندہ کی نسبت نہ کسی قسم کا خوف دامنگیر ہوگا اور نہ کسی امر گزشتہ پر لیکن خشیت کی نفی نہیں کی گئی۔ خشیت کا یہ حال ہے کہ جن کو جس درجہ قرب حاصل ہوگا ان کی خشیت بھی اسی درجے ہوگی۔ اور یہی سبب ہے کہ حضور سرور کائنات مفخر موجودات علیہ ازکی التحیات والتسلیمات فرمایا کرتے: ــــ

انا اخشاکم للہ۔ میں تم سب کے مقابلے میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خشیت سب سے

زیادہ رکھتا ہوں"۔ جب خوف اور خشیت کا یہ فرق ذہن نشیں ہو چکا تو ارشاد باری تعالیٰ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ کی تفسیر خود بخود ذہن نشیں ہو جائے گی جس میں آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ مومنین صالحین کی جزا جو اوپر بتلائی گئی اور اللہ سبحانہ کی رضا جو ابھی ابھی مذکور ہوئی یہ ان ہی کے لئے ہے جو اپنے رب سے سہمے ہوئے رہے جس کے نتیجے میں وہ جب تک دنیا میں رہے اوامر کی حد تک اس کی طاعت میں لگے رہے اور جن چیزوں سے ان کو منع کیا گیا تھا اس سے ہمیشہ دور رہے۔ دعا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین الحمد للہ رب العالمین۔

سورۂ بینہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

99 ZILZAAL Madany Verses 8

سورۂ زلزال

مدینہ منورہ میں نازل ہوا اسمیں آٹھ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورۃ شریفہ کا ربط اور مناسبت سورۂ ماقبل سے دو طرح ہے ایک یہ کہ سورۂ ماقبل میں بنی آدم کے ہر دو فریق مومنین اور کفار کی جزا کا بیان فرمایا گیا تھا۔ جزا ایمان و کفر کی اور جزا اعمال حسنہ اور سیئہ کی۔ یہاں اس کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ عمل کتنا ہی چھوٹا اور معمولی ہو اس کی بھی جزا ہر ایک کو مل کر رہیگی اور ہر ایک فریق اپنے اپنے عمل کی جزا ملتی ہوئی دیکھ لیگا۔ دوسری وجہ مناسبت یہ کہ یہ جزا قیامت میں ملنے والی ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ اس کا ٹھیک وقت، اللہ سبحانہ نے مخفی رکھا ہے اس مخفی رکھنے میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ البتہ قیامت کی چند نشانیاں ہیں جو اس کے آنے سے پہلے نمودار ہونگی جب ان علامات اور نشانیوں کا ظہور ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ قیامت کے آنے میں

اب زیادہ دیر نہیں رہی۔ آ رہی ہے۔ یہاں منجملہ اور نشانیوں کے چند علامات کو بیان فرما دیا گیا ہے۔

سورۂ زلزال مدنیہ ہونے کا ثبوت

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: لما نزلت فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ قلت یا رسول اللہ! انی لراء عملی قال نعم قلت الکبار الکبار قال نعم قلت الصغار الصغار قال نعم قلت واثکل امی قال ابشر یا ابا سعید فان الحسنۃ بعشر امثالھا۔ (ابن ابی حاتم) جب اس سورت شریفہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) جس کسی نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اس کو بھی دیکھ لیگا" تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے اعمال دیکھوں گا؟ تو آپ نے فرمایا ہاں (ضرور دیکھو گے پھر) میں نے عرض کیا کیا بڑے بڑے کام (جو میں نے کئے ہیں ان کو دیکھوں گا؟) ارشاد اقدس ہوا کہ ہاں۔ (پھر) میں نے عرض کیا چھوٹے چھوٹے عمل (اچھے یا برے جو مجھ سے سرزد ہوئے ان کو بھی دیکھوں گا) تو ارشاد مبارک ہوا کہ ہاں (چھوٹے بڑے اچھے برے سبھی عمل دیکھو گے۔) میں نے عرض کیا پھر تو (مجھے مرنا ہی بہتر ہے اور) میری والدہ کو میرے لئے روتی ہی رہنا چاہیئے۔) آپ نے

ارشاد فرمایا:۔ ابوسعید! خوش ہوجاؤ کہ تم جو نیکی کرو گے ایک کی جگہ دس نیکیاں دیکھو گے (اور جو برائی کی ہوگی وہ ایک ہی دکھائی جائے گی") علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ ابوسعید خدریؓ کی ملاقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدینہ پاک ہی میں ہوئی جبکہ یہ ہنوز نابالغ تھے اور غزوۂ احد جو ۳ھ میں ہوا اس کے بعد یہ سن بلوغ کو پہنچے تھے۔ اس سے ثابت ہے کہ یہ سورت شریفہ مدینہ منورہ ہی میں نازل ہوئی۔ یہی قول حضرت سیدنا ابن عباسؓ قتادہؒ اور مقاتلؒ کا ہے۔ واللہ اعلم۔

اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من قرأ اذا زلزلت عدلت له بنصف القرآن۔ (ترمذی، ابن مردویہ، بیہقی) جس نے سورۂ اذا زلزلت پڑھ لیا تو (یہ ایک سورت) اس کے حق میں نصف قرآن کی تلاوت کے برابر ہوگی"۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات سے سنا آپ فرمایا کرتے تھے:۔ من قرأ فی لیلۃ اذا زلزلت کان له عدل نصف القرآن۔ (ابن مردویہ) جس نے رات کو (سوتے وقت) سورۂ اذا زلزلت کو

پڑھ لیا تو یہ آدھا قرآن کریم پڑھ لینے کے برابر ہو گا۔" یعنی اس کو نصف قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملیگا۔ یہ اس اعتبار سے کہ قرآن کریم میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے یا تو اس کا تعلق دار دنیا سے ہے یا دار آخرت سے ہے۔ اور اس سورت شریفہ میں دار آخرت کا بیان فرمایا گیا ہے لہذا یہ سورت شریفہ نصف قرآن کے برابر ہوئی واللہ اعلم۔ اِن احادیث شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سورت کریمہ کا نام اذا زلزلت بھی ہے۔ جو اس کے شرف کی دلیل ہے۔

اذا زلزلت سے حضور انور کی محبت

قبیلۂ جہینہ کے رہنے والے صحابیؓ فرماتے ہیں: — اِنّہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصبح اذا زلزلت فی الرکعتین کلتیہما فلا ادری أنسی ام قرأ ذلك عمدا۔ (ابوداؤد، بیہقی) انھوں نے حضور نبی الکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز فجر کی دونوں رکعتوں میں سورۂ اذا زلزلت تلاوت فرماتے ہوئے سنا۔ ان صحابیؓ کا بیان ہے میں نہیں جانتا کہ حضور اکرمؐ نے اس سورۃ کو ہر دو رکعت میں بھول کر تلاوت فرمایا، یا عمداً۔" فقیر عرض کرتا ہے" ہو سکتا ہے کہ دوسری رکعت میں ضم سورہ کے وقت آپ کو یاد نہ رہا کہ پہلی رکعت میں آپ اذا زلزلت تلاوت فرما چکے ہیں اس لئے دوسری رکعت میں بھی وہی سورت تلاوت فرمائی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

بیان جواز کے لئے ایسا عمل قصداً و ارادۃً فرمایا۔ تا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ نماز ہو جاتی ہے بیان جواز کے لئے احیاناً ایسا عمل کر سکتے ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب تابعی سے بھی یہ روایت مروی ہے۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر وھو جالس یقرأ فیھما اذا زلزلت وقل یا ایھا الکافرون۔ (امام احمدؒ، محمد بن نصر، طبرانی، بیہقی) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے بعد ایک دوگانہ بیٹھکر ادا فرمایا کرتے اور اس کی ایک رکعت میں اذا زلزلت اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات خاصہ سے ہے کہ آپ بیٹھے ہوئے نماز ادا فرمائیں تو بھی آپکو قیام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ نیز تہجد کے طویل قیام کے بعد آپ تھک جاتے تھے اس لئے آپ وتر کے بعد کی دو رکعتیں بیٹھکر ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی مصلی تھک جانے کی وجہ سے یا مرض وغیرہ کی بنا پر بیٹھ کر نماز ادا کرے تو اس کو بھی پورا ثواب ملیگا ورنہ قیام کے مقابلے میں بیٹھکر نماز ادا کرنے کا ثواب

نصف ہو گا جیسا کہ دیگر احادیث شریفہ میں صراحت موجود ہے۔

اذا زلزلت کی جامعیت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔ اتی رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقرئنی یا رسول اللہ قال لہ اقرأ ثلاثا من ذوات الرٰ فقال لہ الرجل کبرسنی واشتد قلبی وغلظ لسانی قال اقرأ ثلاثا من ذوات حٰمٓ فقال مثل مقالتہ الاولٰی فقال اقرأ ثلاثا من المسبحات فقال مثل مقالتہ ولکن اقرئنی سورۃ جامعۃ فاقرأ اذا زلزلت الارض زلزالھا حتی فرغ منھا قال الرجل والذی بعثک بالحق لا ازید علیھا ثم ادبر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افلح الرویجل افلح الرویجل۔ (امام احمدؒ ابوداؤدؒ نسائیؒ حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہؒ بیہقیؒ) حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کچھ پڑھا دیجئے آپ نے اس سے فرمایا کہ جن سورتوں کی ابتدا الٓرٰ سے ہوتی ہے ان میں سے تین سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں سن رسیدہ ہو چکا اور میرا دل بھی سخت ہو گیا اور میری زبان بھی موٹی ہو گئی (اتنی بڑی بڑی سورتیں مجھ سے پڑھی نہیں جائیں گی) آپ نے فرمایا کہ جن سورتوں کا آغاز حٰمٓ سے ہوتا ہے ان میں سے کوئی تین سورتیں

پڑھ لیا کرو۔ یہ سن کر پھر اس نے وہی عرض کیا جو پہلے عرض کیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا
کہ جن سورتوں کو سبّح یا یُسبح سے شروع فرمایا گیا ہے ان میں سے کوئی تین سورتیں
پڑھ لیا کرنا۔ اس نے پھر وہی معروضہ کیا اور کہنے لگا کہ مجھے کوئی ایک جامع سورہ
پڑھا دیجئے۔ اس پر آپ نے سورۃ اذا زلزلت پڑھا دی۔ تا آنکہ اس سے فارغ
ہو گیا۔ اب اس نے کہا اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا میں اس سے
بڑھ کر اور کچھ نہیں پڑھوں گا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ اس پر حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم نے فرمایا۔ اس چھوٹے سے شخص کی کامیابی ہوگئی۔ اس شخص نے فلاح پائی۔"
اسی سے سورۂ اذا زلزلت کی فضیلت اور جامعیت ظاہر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے"

99-1
99-2
إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ
99-3
أَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ جب ہلا ڈالی جائے زمین اسکے
زلزلے سے، اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر کے بوجھ، اور کہے آدمی اس کو کیا
ہو گیا؟"

شدید ترین زلزلہ نفخ صور کا نتیجہ	مومنین صالحین کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی

جزاء اور کفار و منکرین کو ان کے کفر اور انکار کی سزا دی جانے کا وقت وہ ہوگا
جبکہ زمین پر ایک شدید ترین قسم کا زلزلہ آئے اتنا سخت کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی
ہے ایسا زبردست زلزلہ کبھی نہیں آیا۔ اور نہ آئندہ اس کے بعد کبھی آئے گا۔ قیامت
کے قریب جب حکم الٰہی سے حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلی بار صور پھونکیں گے تو صور کی
ایسی ہولناک آواز ہوگی کہ ساری زمین کانپ اٹھیگی اور تہ و بالا ہو جائے گی۔
حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ تحرکت من اسفلھا۔ (عبد بن حمید،
ابن جریرؒ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) زمین کا سب سے نچلا حصہ تک حرکت
میں آجائے گا۔" اور زمین کا سارا سکون درہم برہم ہو جائے گا۔ یوں تو ہم اخبارات
میں دیکھتے اور سنتے آرہے ہیں کہ زمین پر زلزلے آتے ہی رہتے ہیں۔ کہیں معمولی سا
جھٹکا ہوتا ہے تو کہیں اس کی شدت رہتی ہے پھر کہیں ذرا سی دیر میں یہ کیفیت
دفع ہو جاتی ہے تو کہیں اس کا سلسلہ دیر تک قائم رہتا ہے مگر جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ
زمین کے ایک مخصوص حصے کی حد تک رہتا ہے اگرچہ اس خطہ پر بسنے والوں کے حق میں
قیامت سی آجاتی ہے لیکن دوسرے اہل زمین کو اس کی خبر تک نہیں ہونے پاتی۔ مگر
قرب قیامت کا زلزلہ وہ بھی قیامت سے کم نہیں۔ چنانچہ خود اللہ سبحانہ نے دوسری
جگہ فرمایا:۔ انّ زلزلۃ الساعۃ شیئ عظیم۔ ساعت قیامت کا زلزلہ

بڑا (سنگین پُر شکوہ) واقعہ ہے۔" اس کی تفسیر سورۂ حج کے آغاز میں حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے قلم فیض رقم سے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ بہر حال جب یہ زلزلہ ہو تو سمجھ لیا جائے کہ جزائے اعمال کا وقت آچکا ہے۔ منجملہ اور نشانیوں کے یہ بھی قیامت کی ایک کھلی اور واضح نشانی ہے۔

نفخ ثانی کے نتائج اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اخرجت الارض اثقالھا۔ زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر نکال لائے گی۔" زمین کے اندر کے بوجھ کیا ہیں؟ ان کی نسبت احادیث شریفہ میں صراحت فرمائی گئی ہے۔ حضرت عطیہ عوفیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ ما فیھا من الکنوز والموتی۔ (ابن ابی حاتم) زمین میں جو کچھ دفینے خزانے اور معادن ہیں۔ نیز اس میں جتنے اموات از آدمؑ تا ایں دم دفن ہوئے ہیں" اُن سب کو زمین باہر نکال لائیگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تقیئ الارض افلاذ کبدھا امثال الاسطوان من الذھب والفضۃ فیجیئ القاتل فیقول فی ھذا قتلت ویجیئ القاطع فیقول فی ھذا قطعت رحمی ویجیئ السارق فی ھذا قطعت یدی ثم یدعونہ فلا یاخذون منہ شیئا۔ (مسلم شریف) زمین اپنے جگر پارے سونے اور چاندی کے ستونوں کی مقدار میں اگل دیگی۔ پھر کوئی

قاتل ہوگا تو وہ آئے گا اور سونے چاندی کے ان ستونوں اور ناٹوں کو دیکھ کر کہیگا کہ میں نے قتل نفس جیسا سنگین جرم جو دنیا میں کیا تھا اسی سونے اور چاندی کے لالچ میں کیا تھا۔ کوئی اپنے ہی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا ہوگا وہ بھی آئے گا اور کہنا شروع کرے گا کہ میں نے اسی زر و سیم کی خاطر اپنے ہی عزیزوں اور اہل قرابت سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا تھا۔ کوئی چور ہوگا وہ بھی آئے گا اور اس سونے چاندی کو دیکھ کر کہیگا کہ میں اسی پر اپنی نیت خراب کرکے اس کو چرالے گیا تھا جس کی پاداش میں میرا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر ان سب کو دعوت عام دی جائے گی کہ آؤ اور اس میں سے جتنا لینا چاہتے ہو اٹھالے جاؤ۔ اب وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں لیں گے، کیونکہ اب ان کو یقین آیا کہ یہ سونا چاندی اور یہ مال و دولت سب کچھ ہیچ ہے اس میں سے کچھ بھی کارآمد نہیں۔ اگر کوئی چیز حقیقتًہ میں کارآمد ہے وہ محض خوشنودی حق اور رضائے الٰہی ہے۔ مگر اس عالم کا یہ یقین کیا کام دے سکیگا جبکہ دنیا میں جو امتحان کا مقام تھا ان لوگوں کو یہ یقین نہ آیا اور عمر بھر منکر بنے رہے۔

آثار قیامت کا ظہور زمین اپنے خزانے اور دفینے ہمیشہ ہی نکالتی رہی اور فی زمانا کثرت سے نکال رہی ہے۔ آئے دن اطلاعات ملتی رہتی ہیں کہ فلاں جگہ سونے کی کان برآمد ہوئی۔ فلاں مقام پہ چاندی کی کان دریافت ہوئی ہے۔ سونے چاندی پر ہی

کیا موقوف ہے۔ تانبا، پیتل، جست، لوہا، ابرق، گیرو، پارہ، کوئلہ سبھی کچھ نکل رہا ہے۔ تیل کے چشمے نکل رہے ہیں اور جا بجا پٹرول برآمد ہو رہا ہے۔ ہیرے جواہرات کے معادن دریافت ہو رہے ہیں۔ طبقات الارض کے ماہرین اس کی چھان بین میں لگے ہوئے ہیں۔ لاکھوں، کروڑوں، اربوں روپیہ کی قیمتی اشیاء اسی زمین سے نکلتی جا رہی ہیں جس کو دیکھ کر سلطنتوں میں جنگ زرگری جاری ہے مگر جن کی نظریں عالم آخرت پر ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سب آثار محشر اور اشراط ساعت ہیں کہ ابھی زمین سے دولت ہی نکل رہی ہے۔ اور قیمتی اشیا ہی برآمد ہو رہی ہیں۔ دفینے نکل رہے ہیں تو وہ بھی زر و سیم ہی کی جنس سے ہیں۔ دفن کئے ہوئے انسان برآمد نہیں ہوئے۔ مرے ہوئے جانور زندہ ہو کر نہیں آئے۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ سب برآمد ہوں گے۔ جب زمین اپنے سارے خزائن و دفائن اگل دیگی تو سمجھ لیا جائے گا کہ اب قیامت آ گئی۔ ابھی تو زر و سیم کی قدر و قیمت باقی ہے۔ وقت ہے کہ اس سے وہ کام لیا جائے جو موجب خوشنودی خدا و رسول ہو۔ ورنہ جس دن اس کی بے قدری ہوگی اور کوئی اس کا طلبگار نہ ہوگا۔ حسرت ہی حسرت رہ جائے گی: یٰلیتنی قدّمت لحیاتی۔ اے کاش! میں اپنی آخرت کی دائمی زندگی کے لئے بھی کچھ کیا ہوتا" لیکن اُس وقت یہ موقع کہاں؟

قوم سے خطاب غور کرنے کا مقام ہے کہ انسان جب تک روئے زمین پر تھا زمین کے حق میں بوجھ بنا ہوا تھا۔ خاکی انسان خاک کی صفت اختیار کرنے کے بجائے اپنی خودی کو بھول کر ناری بننے کی کوشش کرتا رہا اور ایسے ایسے کام کرتا رہا جن کا نتیجہ نار جہنم ہو۔ انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں کی ہدایات کو پس پشت ڈالتا رہا۔ جب وہ یہاں سے رخصت ہوا اور اس کی جگہ بطن ارض قرار پائی یعنی قبر میں دفن کیا گیا تو وہاں بھی زمین کے حق میں بوجھ ہی بنا رہا۔ اسی وجہ سے جن و انس کو عربی میں "ثقلین" کہتے ہیں یعنی دو بوجھ۔ قیامت آئے گی تو ثقلین کے ساتھ معدنیات کی قسم کی قیمتی اشیا کو بھی زمین اُگل دے گی۔ یہ سب مل کر اثقال کہلائیں گے اور ان تمام اثقال کو زمین اپنے اندر سے باہر نکال پھینک دے گی۔ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا میں اس کی طرف ایما فرمایا جا رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

وقال الانسان مالھا کی تفسیر وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا۔ اور ایک ایک انسان کہہ اُٹھیگا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا کہ اس نے ہم سب کو اٹھا کھڑا کر دیا۔ اور تمام خزائن اور دفائن اگل دئے۔ یہ مقولہ کفار و منکرین کا ہو گا کیوں کہ ان کا تصور یہی تھا کہ جو کچھ ہے یہی دنیا کی دو روزہ زندگی ہے اس میں جتنا چاہو زندگی کا

لطف اٹھالو۔ جب یہاں سے چلے تو پھر کچھ نہیں۔ نہ حساب ہے نہ کتاب، نہ ثواب ہے
نہ عذاب۔ جیسا کہ یٰسین شریف میں ہے۔ یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا۔ ہائے
خرابی ہماری۔ ہم کو اپنی خوابگاہ سے کس نے اٹھا کھڑا کردیا؟ اور سونے چاندی کے یہ
ڈھیر لگا دیئے ہیں۔ اس پریشانی میں اس کو لے کر کیا کریں؟ رہے اہل ایمان
وہ فرطِ مسرت سے کہنے لگیں گے: ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔
یہی تو وہ دن ہے جس کا بے حد مہربان خدا نے وعدہ دیا تھا اور (اس کے بھیجے ہوئے
پیغمبروں نے پیش از پیش اس دن کے آنے کی خبر دی تھی اور اس کے آثار و علامات
جو کچھ بتلائے تھے کہ زمین سارے خزانے اگل دیگی سب صحیح ثابت ہوئے) ان
تمام پیغمبروں نے بہت سچ فرمایا" علیہم الصلوات والتسلیمات۔ کفار قبروں سے
نکل کر ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں گے کہ ہائیں! یہ کیا ہوگیا؟ ہمارا خیال اور عقیدہ
کیا تھا اور یہ واقعہ کیسے درپیش ہوا۔ ہمارے تمام خیالات اور عقائد باطل قرار
پاگئے اور پیغمبروں کی بات ہی درست نکلی۔

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۙ اس دن 99-4 99-5

بتادیگی وہ اپنی باتیں، اس واسطے کہ آپ کے رب نے حکم بھیجا اس کو"

تحدث اخبارھا کی تفسیر	یعنی جب مذکورۂ بالا تمام واقعات ظہور پذیر

ہوں گے اور دوبارہ زندہ ہوکر سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور کفار تعجب کے مارے کہنے لگیں گے کہ زمین کو یہ کیا ہوا کہ اس پر ایسا شدید زلزلہ آیا اور وہ اپنے اندر سے تمام خزائن و دفائن باہر نکال چکی تو اس کے جواب میں زمین اپنی جملہ باتیں بتانا شروع کرے گی اس وجہ سے کہ پروردگار عالم نے زمین کو ایسا حکم دیا ہے۔ حکم الٰہی کی تعمیل سے اس کو مفر نہیں ہے اور نہ کسی چیز کو گریز ہو سکتا ہے۔ رہا یہ امر کہ زمین کا اپنے اوپر کئے ہوئے تمام کاموں کو بتلا دینا زبان حال سے ہوگا یا زبان قال سے۔ دونوں احتمال ہیں۔ زبان حال سے اس طرح کہ اس وقت حالات ایسے رونما ہوں گے کہ جو کوئی ان کا مشاہدہ کرے گا وہ بے ساختہ کہہ اٹھیگا کہ یہ واقعہ ایسا ہے اور یہ اس بنا پر ہے۔ جیسے مجرم کی صورت دیکھتے ہی حاکم رائے قائم کر لیتا ہے کہ یہ واقعی مجرم ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ زمین کا اس طرح ایک ایک امر کو بتانا زبان قال سے ہو۔ جمہور مفسرینؒ کی یہی رائے ہے نیز اس خیال کی تائید احادیث شریفہ اور آیات قرآن کریم سے ہوتی ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الارض لتخبر یوم القیامۃ بکل ما عمل علی ظہرھا وقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زلزلت الارض زلزالھا حتیٰ بلغ یومئذ تحدث اخبارھا قال اتدرون ما اخبارھا جاءنی

جابریل قال خبرھا اذا کان یوم القیامۃ اخبرت بکل عمل عمل علی ظھرھا۔ (ابن مردویہ بیہقی) حضور رسول دوجہاں علیہ صلوات الرحمان نے ارشاد فرمایا کہ زمین بھی ان تمام اعمال کی شہادت دینے والی ہے جو اس کی پشت پر کئے گئے ہیں۔ پھر آپ نے اذا زلزلت کو پڑھنا شروع کیا جب یومئذ تحدث اخبارھا پر پہنچے تو دریافت فرمایا۔ کچھ جانتے بھی ہو کہ اس زمین کا خبر دینا کیا ہوگا؟ میرے پاس جبرئیل آئے تھے انھوں نے کہا کہ زمین کا بتلا دینا یہ ہے کہ جب قیامت ہوگی تو اس پر جو جو کام کئے گئے تھے وہ ان سب کی خبر دیگی" حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی مضمون کی روایت آئی ہے جس کو حضرت امام احمدؒ عبد بن حمید ترمذی بروایت صحیحہ نسائی ابن جریر ابن المنذر حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ اور بیہقیؒ نے روایت کیا ہے۔ اس میں اتنا اضافہ ہے:۔ تقول عمل کذا وکذا فی یوم کذا وکذا فھذہ اخبارھا۔ زمین کہیگی کہ اس شخص نے فلاں فلاں روز ایسا ایسا عمل کیا۔ بس یہی اس کی خبر دہی ہے"

زمین ہمارے ہر کام کی خبر دیگی

حضرت ربیعہ جرشیؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تحفظوا من الارض فانھا امکم وانہ لیس من احد عامل علیھا خیرا وشرا الا وھی

مخبرۃ بہ (طبرانی) حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے اپنا تحفظ اور بچاؤ کرتے رہو کیونکہ وہ تمہاری ماں ہے (تم اسی سے پیدا ہوئے اور اسی کی گودی میں رہتے بستے ہو) اور یقین جانو کہ اس پر رہتے بستے ہوئے جو کوئی بھی کوئی عمل اچھا یا برا کرتا رہیگا (بھلائی برائی سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوگی پھر جب قیامت ہوگی اور رب العالمین اس سے ایک ایک شخص کی نسبت دریافت فرمائے گا کہ تیری گودی میں رہ کر اور تجھ پر رہتا بستا ہوا کون کون کیا کام بھلا یا برا کرتا رہا اس کو بتادے۔) تو زمین (ایک ایک عمل کو جو اس پر کیا گیا) صاف صاف بتادیگی "

زمین سے ہمارا کوئی کام چھُپ نہیں سکتا

یہاں یہ بتانا منظور رہے کہ انسان نفس اور شیطان کے غلبے سے گناہ کرتا ہے تو اپنے آپ کو چھپانا چاہتا ہے تاکہ گناہ کرتا ہوا کوئی اس کو نہ دیکھے اور لوگوں میں اس کی نیک نامی متاثر نہ ہو۔ اس تصور سے وہ اندھیری رات کا وقت تلاش کرتا ہے ایسا کہ دوسرے تمام لوگ سوتے ہوں اور ایسی جگہ ڈھونڈتا ہے جو لوگوں سے خالی ہو۔ اور ایسی چال چلتا ہے کہ اس کی آہٹ بھی کوئی نہ سن سکے۔ اپنی ہیئت بدل لیتا ہے تاکہ اگر کوئی اس کو دیکھ بھی لے تو اس کو پہچان نہ سکے۔ چور اپنے منہ پر ڈھاٹا باندھ لیتے ہیں۔ خود کو چھپائے

رکھنے کا یہ سب کچھ سامان اور اہتمام کرتا ہے مگر جو کچھ یہ کھیل ہو رہا ہے اپنی ماں (زمین) ہی کی گودی میں ہو رہا ہے اور ماں اس کو دیکھ رہی ہے۔ زمین سے انسان کی کوئی حرکت چھپ نہیں سکتی۔ اسی نکتہ پر آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے ناداں انسان! تو اپنے گناہ کو زمین سے کس طرح چھپا سکیگا۔ وقت آئے گا تو وہ سب کچھ بتا دیگی۔ اگر لوگوں میں مدۃ العمر نیک نام بھی بنا رہا تو یہ نیک نامی تیرے کیا کام آئیگی؟ ؎

نیک باشی و بدت گوید خلق　　بہ کہ بد باشی و نیکت خوانند

سات گواہ ہیں مادر زمین پر ہی کیا موقوف ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ پڑھو تو معلوم ہوگا کہ انسان کے اعمال کی شہادت دینے والے ایک دو نہیں سات گواہ ہیں :- (۱) **مکان** یعنی جگہ، کہ جہاں کوئی کام کیا گیا - آیہ کریمہ یومئذ تحدث اخبارھا میں اسی جانب ایما فرمایا گیا ہے - (۲) **زمان** یعنی کسی کام کے کرنے کا وقت، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے :- ینادی کل یوم انا یوم جدید وانا علی ما تعمل شھید "ایک ایک دن جب آتا ہے تو یہ منادی کرتا رہتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور اے انسان تو اس میں جو کچھ کریگا اس کا گواہ ہوں" (۳) **لسان** یعنی خود انسان کی زبان، اسکی گواہ ہے وقت پر گواہی دے گی - ارشاد باری ہے :- یوم تشھد علیھم السنتھم

روز قیامت ایسا دن ہوگا کہ مجرمین کی زبانیں خود ان کے خلاف گواہی دیں گی۔"

(۴) **ارکان** یعنی انسان کے ہاتھ پاؤں اور سارے اعضاء جو شریک جرم رہے وہ بھی گواہی دیں گے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم۔ خود ان کے ہاتھ ہم سے ہم کلام ہوں گے۔ اور ان کے پاؤں بھی گواہی دیتے جائیں گے۔" عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

روز محشر ہر نہاں پیدا شود ہر کسے از دست خود رسوا شود

دست گوید من چنیں وزدیدہ ام لب بگوید من چنیں بوسیدہ ام

پائے گوید من شدم سوئے منا فرج گوید من بکردستم زنا

(خواہش نفس)

Continued on page 3525

تصحیح

تفسیر ہذا کی جلد ۱۶ حصہ ۴ کے صفحہ ۳۴۶۳ سطر ۲ پر سہواً سورۂ آل عمران چھپ گیا ہے۔ بجائے اُس کے سورۂ بقرہ ہونا چاہیے۔ حسبہٗ اصلاح فرمالی جائے۔

(ادارہ)

(۵) **فرشتگان** ۔ دو فرشتے کراماً کاتبین جو انسان کے اعمال لکھنے کے لئے ہر شخص کے پاس متعین ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :۔ وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون ۔ یقیناً تم پر محافظ فرشتے باعزت مقرر ہیں جو اعمال نامے لکھتے رہتے ہیں تم جو کچھ کرتے ہو ان سب اعمال کو وہ جانتے ہیں " یہ فرشتے بھی گواہ ہیں جو تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے ۔

(۶) **دیوان** ۔ دفتر اعمال جس میں تمام لوگوں کے اعمال از آدم تا ایں دم لکھے ہوئے محفوظ ہیں ۔ قیامت کے دن یہ دفتر کھولا جائے گا اور ہر شخص کو اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا ۔ جیسا کہ باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :۔ ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق ۔ (مجرمین سے کہا جائے گا کہ آج تم اپنے کاموں کا انکار کر رہے ہو) یہ ہمارا لکھا ہے جو تمہارے خلاف حق حق بول رہا ہے "

(۷) **رحمٰن** ۔ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ خود تمہارے احوال و اعمال افعال اور اقوال کا گواہ ہے ۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا :۔ انا کنا علیکم شھودا ہم خود تم پر گواہ اور ہر موقع پر حاضر و ناظر تھے "

ان شہادات سے بچنے کا طریقہ	اب نفس و شیطان کے پھندوں میں پھنسے ہوئے اور ہوا و ہوس کے بندوں کے لئے مقام غور ہے کہ ایسی قوی ترین

شہادت کی موجودگی ہیں جس سے بڑھکر اور کوئی شہادت متصور نہیں ہو سکتی کونسا موقع اس سے گریز کا رہ جاتا ہے اور اثبات جرم اور تجویز سزا کے لئے اور کون امر مانع ہو سکتا ہے؟ مگر خدائے رحمن و رحیم اور علیم و حکیم نے جو صورت علاج اپنی کمال رحمت و عنایت سے بتلا دی ہے اس پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ وہ یہ کہ مادر زمین کو جس طرح اپنی غفلت سے اپنے گناہوں کا گواہ بنا لیا ہے فوراً توبہ و انابت سے کام لے کر رجوع الی اللہ کا گواہ بھی بنا لیا جائے تاکہ شہادت پیش ہونے کا وقت آئے تو دونوں شہادتیں مخالف اور موافق ایک ساتھ پیش ہو جائیں بلکہ مخالف شہادت پیش ہونے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ کیونکہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ جو شخص گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔" توبہ کے بعد اچھے کاموں میں لگ جائے۔ کیونکہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا: اتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا۔ برائی کے بعد بھلائی کر لیا کرو۔ یہ بعد کی بھلائی اگلی برائی کو مٹا دیتی ہے۔" اب زمین کی گواہی تمہاری بھلائی کی بابت ہی پیش ہوگی۔ ایک زمین ہی پر کیا موقوف ہے اور پر جتنی چیزوں کا بیان کیا گیا ہے وہ سب آپکے فائدے کے گواہ ہوں گے۔

مادر زمین پوشیدہ نیکیوں کی گواہ بھی ہوگی	انسان جس طرح لوگوں کی نظر سے

بچ کر برا کام کرتا ہے۔ بندگان خدا ایسے بھی ہیں کہ بھلے کام بھی اسی طرح نظروں سے بچ کر کرتے ہیں اور شرع شریف میں نوافل کے بارے میں ایسی ترغیبات دی گئی ہیں حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اطعموا الطعام وافشوا السلام وصلّوا والنّاس نیام۔ کھانا کھلاتے رہو اور سلام کی اشاعت کئے جاؤ اور نماز ایسے وقت پڑھا کرو جبکہ اور لوگ سو رہے ہوں " تا کہ گھر والوں کو بھی تمہاری تہجد گزاری کی خبر نہ ہونے پائے۔ خیرات کی نسبت ہدایات ہیں کہ داہنے ہاتھ سے اس طرح دو کہ بائیں ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہ ہونے پائے " کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان نمازوں اور ایسی خیر خیرات کا کوئی گواہ نہیں ؟ اور یہ تمام نیکیاں بے اثر رہ جائیں گی۔ نہیں نہیں۔ مادرِ زمین ان تمام خیرات وحسنات کی بھی گواہ ہوگی۔ اور وقت پر ایسی گواہی بھی دیگی۔

حضرت ابوامیہؓ کا زمین کو گواہ رکھنا

جناب حکمؓ فرماتے ہیں:۔ رأیت ابا امیة صلی فی المسجد الحرام المکتوبة ثم تقدم فجعل یصلی ھھنا وھھنا فلما فرغ قلت له ماھذا الذی رأیتك تصنع قال قرأت ھذہ الآیة اذا زلزلت الارض زلزالھا الی قوله یومئذ تحدث اخبارھا فاردت ان تشھد لی یوم القیامة (عبد بن حمید) میں نے ابوامیہ رضؓ کو

دیکھا کہ مسجد حرام میں فرض نماز ادا کی پھر آگے بڑھکر یہاں وہاں نمازیں پڑھنے لگے۔
جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا کر رہے تھے؟ انھوں نے فرمایا
کہ میں نے سورۂ اذا زلزلت کی یہ آیت کریمہ پڑھی:۔ یومئذ تحدث اخبارہا
تو میں نے چاہا کہ (جب زمین گواہی دینے والی ہے ان تمام کاموں کی جو اسکی پیٹھ پر
کئے گئے ہیں تو) وہ میرے ان نمازوں کی بھی گواہ بنی رہے بلکہ اس کا ایک ایک
چپہ گواہ رہے۔" فقہ کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ مصلی جب نماز فرض سے فارغ ہو جائیں تو
وہ صفیں توڑ دیں اور داہنے بائیں آگے پیچھے ہٹ کر سنن و نوافل ادا کریں تاکہ
زمین کا ایک ایک حصہ اس کا گواہ بنا رہے۔ نیز باہر سے آنے والوں کو یہ شبہہ
نہ پیدا ہو کہ ابھی جماعت قائم ہے۔ امام کو بھی اپنی جگہ بدل دینی چاہئے۔

اوحیٰ لہا کی تفسیر | بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا۔ کہ تمہارے پروردگار نے زمین کو
حکم بھیجا ہے" ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک روئے زمین پر جس نے جو
کام کیا ہے اس کو بے کم و کاست اور بلا رو و رعایت من و عن بیان کرتی جائے۔
اچھے کام کئے ہیں تو ان کو بیان کرے اور اگر برے کام کئے گئے ہیں تو ان کو بھی بیان
کردے۔ ظاہر ہے کہ جب خالق الارض جو خالق کائنات ہے اسی نے روز ازل یہ حکم
دے رکھا ہے تو وقت آنے پر اس کی کماحقہ تعمیل ہو رہیگی۔ اس میں اچنبھے کی کیا

بات ہے؟ رہی یہ بحث کہ یہ بیان، لسان حال سے ہوگا یا لسان قال سے؟ اس کی وضاحت بارہا ہوچکی ہے کہ لسان حال سے بیان کرنا تو بدیہی امر ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اور زبان قال سے بیان کرنا یہ بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں۔ یا ارض ابلعی ماءک و یا سماء اقلعی، یا جبال اوبی وغیرہ خطابات، جمادات سے ہوئے ہیں۔ اور زمین و آسمان اور پہاڑوں کو مخاطب فرمایا گیا ہے تو یہ حکم بھی ازاں قبیل سمجھ لیا جائے۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ اس دن 99-6

ہوجائیں گے لوگ گروہ گروہ، تاکہ ان کو دکھائے جائیں ان کے کارنامے"

انسانوں کی اجتماعی زندگی انسان جب تک دنیا میں تھے ملی جلی زندگی گزار رہے تھے گو وہ اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے باہم اختلاف رکھتے تھے۔ مومن، کافر، منافق، ملحد، زندیق، سب ایک جگہ رہتے بستے تھے ہر شخص بزعم خود خوش تھا کہ وہ جس طریق پر قائم ہے وہی راہ راست ہے۔ عالم برزخ میں پہنچا اور قبر میں دفن کیا گیا تو وہاں بھی زائرین قبور کو کیا خبر کہ یہ مدفن کس کا ہے؟ لیکن جب قبروں سے اٹھیں گے تو اہل ایمان بکھیرے بیض الوجوہ و الثیاب آمنین روشن نورانی، لباس سفید پاکیزہ صاف ستھرا پہنے ہوئے ہشاش بشاش امن و عافیت

کے ساتھ ہوں گے جس طرف سے انکا گزر ہو گا منادی ندا کرے گا ھذا ولی اللّٰہ یہ اللہ کا ولی اس کا دوست اور اس کا محبوب ہے۔ کافر و زندیق اور ملحد وغیرہ کا حال ہو گا سود الوجوہ حفاۃ عراۃ مع السلاسل والاغلال فزعاین۔ چہرے سیاہ برہنہ پا برہنہ تن زنجیر طوق اور طوق میں جکڑے ہوئے گھبرائے ہوئے پریشان حال پراگندہ بال جس طرف جائیں گے منادی ندا کرتا ہو گا ھذا عدوّ اللّٰہ۔ یہ اللہ کا دشمن ہے۔

عالم برزخ کا حال کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور نبوی دربار رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ نے سلام فرمایا ہے مگر انھوں نے دیکھا کہ حضور کچھ دلگیر اور محزون و مغموم سے معلوم ہو رہے ہیں۔ سبب حزن و ملال دریافت کیا تو فرمایا:۔ یا جبرائیل قد طال تفکّری فی امر امّتی یوم القیامۃ۔ جبرئیل! میں اپنی امت کے بارے میں بہت دیر سے متفکر و متردد ہوں کہ قیامت کے دن ان پر کیا گزرے گی؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کونسی امت کی نسبت فکر اندیشہ ہے۔ کیا امت دعوت یعنی کفار و مشرکین کے باب میں یا امت اجابت یعنی مومنین مسلمین کے بارے میں؟ فرمایا امت دعوت کے باب میں نہیں (ان کا حال تو

معلوم ہے کہ انھوں نے میری دعوت قبول ہی نہیں کی تو ان سے مجھے کیا واسطہ رہا)
میرا تردد تو تفکر امت اجابت سے متعلق ہے۔ بل فی امراھل لا الٰہ الا اللہ۔
بلکہ لا الٰہ الا اللہ کے ماننے والے اور اس کا اقرار کرنے والوں سے ہے" کہ انھوں نے
کلمۂ توحید کو صدق دل سے پڑھا اور اسی پر قائم رہے لیکن میدان عمل میں جیسا چاہیے
پیش پیش نہ رہ سکے۔ یہ سنکر جبرئیل علیہ السلام آپ کو بنی سلمہ کے قبرستان پر لے گئے اور
ایک قبر پر اپنا داہنا پر مار کر کہا۔ قم باذن اللہ۔ اللہ سبحانہ کے حکم سے اٹھ
کھڑا ہو۔ ساتھ ہی ایک شخص نورانی چہرے والا" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
الحمد للہ رب العالمین کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا" اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے
کہا۔ عُد۔ اپنی اصلی حالت سابقہ پر لوٹ جا" چنانچہ وہ جہاں سے آیا تھا وہاں
چلا گیا۔ پھر بائیں طرف کا پر اور ایک قبر پر مارا۔ اور اسی طرح قم باذن اللہ
فرمایا۔ ساتھ ہی ایک شخص سیاہ رو، نیلی آنکھوں والا نمودار ہوا اور وہ یہ کہہ رہا تھا
واحسرتاہ، واندامتاہ، واسوأتاہ کیا ہی حسرت کا مارا ہوں، کیا ہی ندامت
میں ڈوبا ہوا ہوں۔ کیا ہی بدحالی میں گرفتار ہوں"۔ یہ دکھا کر جبرئیل علیہ السلام نے
اس سے بھی فرمایا :۔ عُد۔ اپنی حالت سابقہ پر عود کر جا۔ چنانچہ وہ بھی چلا گیا۔
اس کے بعد جبرئیلؑ نے عرض کیا :۔ ھکذا یبعثون یوم القیامۃ علی ما ماتوا علیہ

یہ تمام لوگ اسی طرح قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اسی حالت پر جس پر کہ ان کی موت واقع ہوئی تھی " مومن ایمان پر اور کافر کفر پر۔ (روح البیان)۔

عالم آخرت حضرت ابن جریج یصدر الناس اشتاتا کی تفسیر میں فرماتے ہیں :- یتصدعون اشتاتا فلا یجتمعون بعد ذلک آخر ما علیہم وکان یقال ان ھذہ السورۃ الفاذۃ الجامعۃ۔ (ابن المنذر) لوگ قیامت کے دن گروہ گروہ) پھٹ جائیں گے۔ پھر کبھی جمع نہ ہوسکیں گے۔ یعنی ایک گروہ دوسرے سے کبھی مل نہ سکے گا۔ یہ ان کی سب سے آخری یکجائی ہوگی۔ چنانچہ اسی آیہ کریمہ کی بنا پر سورۂ اذا زلزلت کو جمع کرنے والا اور متفرق کرنیوالا سورہ بھی کہتے ہیں "۔

لیروا اعمالھم کی تفسیر لِّیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ ۔ تاکہ ان کو دکھائے جائیں انکے کام " یعنی قیامت کے دن تمام لوگ اپنے اعمال و عقائد کے لحاظ سے گروہوں میں بانٹ دیئے جائیں گے تاکہ ان کو ان کے کئے ہوئے اعمال اور مانے ہوئے عقائد اور خیالات کا برأی العین مشاہدہ کرا دیا جائے کیونکہ عقیدہ اور خیال بھی عمل قلب ہے۔ اور ہر شخص کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ یہ اس کے کئے ہوئے اعمال اور مانے ہوئے عقاید اور خیالات تھے اور ان اعمال و عقاید کے موجب جو

جزا مترتب ہوئی ہے وہ بالکل ٹھیک ٹھیک ہے۔ اس میں کسی طرح کی فروگزاشت نہیں ہوئی اور نہ کسی نوع کی تعدی عمل میں لائی گئی ہے۔ عقائد کے اعتبار سے مومن، کافر مشرک، منافق، یہودی، نصرانی، ملحد، زندیق وغیرہ۔ اور اعمال کے لحاظ سے صالح، فاسق، فاجر، بدعتی وغیرہ۔ پھر صالحین کے بھی اپنے مدارج کے اعتبار سے طبقات ہوں گے۔ اور فساق و فجار وغیرہ بھی مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیئے جائینگے زانیوں کا گروہ الگ، اور چوروں کا گروہ الگ، نشہ باز جدا اور سود خوار جدا، یتیموں کا مال کھا جانے والے علیحدہ، اور جہاد فی سبیل اللہ سے منہ پھیرنے والے علیحدہ۔ صالحین کو نہ صرف اپنی صالحیت کا مشاہدہ ہوگا بلکہ انکی صالحیت کا مشاہدہ تمام اہل محشر کر سکیں گے۔ اسی طرح بدکاروں کو نہ صرف اپنی بدکاری دکھائی دیگی بلکہ میدان محشر کے تمام لوگ دیکھتے ہوں گے۔ اس سے روز قیامت کی اہمیت کا اندازہ کر لیا جائے اور اپنی اپنی نجات کی راہ ڈھونڈ لی جائے کہ ابھی وقت ہے۔ ؎

حساب کار خود امروز کن کہ فرصت ست　　زخیر و شر بشکر تا چہا حاصل تو

اگر بنقد نکوئی تو انگری خوش باش　　درت بغیر بدی نیست وای بر دل تو

اعمال سے جزائے اعمال مراد ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

لیروا جزآء اعمالھم ۔ لوگوں کا گروہوں میں بانٹ دیا جانا اس لئے ہے کہ ان کے اعمال کی جزا دکھادی جائے "بھلی ہو یا بُری ۔ گویا "اعمال" سے جزائے اعمال مراد ہے جو آنکھ سے دکھائی دے سکتی ہے ۔ بالفاظ دیگر اعمالھم سے پہلے لفظ "جزا" محذوف یا مقدر ہے ۔ بعض مفسرین کرام نے "اعمال" سے نامہ اعمال مراد لیا ہے گویا یہاں لفظ کتاب محذوف یا مقدر ہے ۔ یعنی لوگوں کو ان کے اعمال نامے دکھائے جائیں گے محذوف و مقدر ماننا اس بنا پر ہے کہ "اعمال" جنس اعراض سے ہیں اور اعراض قائم بالذات نہیں ۔ مگر بعض مفسرین کا قول ہے کہ عالم آخرت کا حال حیات دنیا سے مختلف ہے ۔ یہاں کے اعراض آخرت میں جواہر ہوں گے یعنی قائم بالذات اور یہاں کے جواہر وہاں اعراض کی شکل اختیار کریں گے ۔ اس اعتبار سے کسی لفظ کو محذوف یا مقدر ماننے کی ضرورت نہ ہوگی ۔ اس کو یوں سمجھ لیا جائے کہ انسان جو نیکی یہاں کرتا ہے اس سے ایک نورانی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر کوئی بدی سرزد ہو تو اس سے ظلمانی کیفیت پیدا ہوگی ۔ اور یہ نورانیت یا ظلمانیت ایسی کیفیات ہیں جن کا آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ۔ بعض حضرات نے رویت سے علم و اطلاع مراد لی ہے ۔ یعنی اعمال خیر و شر کا علم کرا دیا جائے گا ۔ مگر یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ رویت کو تاکید کے ساتھ بعد کی آیات کریمہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے ۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ 99-7
ع ۱ ۲۴ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ پھر جس کسی نے کی ہوگی ذرہ بھر نیکی وہ اس کو دیکھ لے گا اور 99-8
جس کسی نے کی ہوگی ذرہ بھر برائی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

شانِ نزول حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں: لما نزلت ویطعمون الطعام علی حبہ کان المسلمون یرون انھم لا یوجرون علی الشیٔ القلیل اذا اعطوہ فیجیٔ السائل الی ابوابھم فیستقلون ان یعطوہ التمرۃ والکسرۃ فایردونہ ویقولون ما ھذا بالشیٔ انما نوجر علی ما نعطی ونحن نحبہ وکان آخرون یرون انھم لا یلامون علی الذنب الیسیر کالکذبۃ والنظرۃ والغیبۃ واشباہ ذلک ویقولون انما وعد اللہ النار علی الکبائر فرغبھم فی الخیرا لقلیل ان یعملوا فانہ یوشک ان یکثر وحذرھم الیسیر من الشر فانہ یوشک ان یکثر فمن یعمل مثقال ذرۃ یعنی وزن اصغر النمل خیرا یرہ یعنی فی کتابہ ویسرہ ذلک۔ (ابن ابی حاتم) آیہ کریمہ ویطعمون الطعام علی حبہ نازل ہوئی تو مسلمان یہ خیال کرنے لگے کہ اگر کوئی خیرات ذرا سی کریں تو اس کا کچھ شمار نہ ہوگا چنانچہ ان کے گھر پر کوئی سائل آتا تو اکا دکھجور یا روٹی کا

ٹکڑا ان کے نزدیک بے حقیقت تھا اس لئے ایسی خیرات کو حقیر سمجھ کر سائل کو خالی ہاتھ
ہی واپس کر دیتے تھے اور کہتے کہ یہ خیرات نہیں۔ ثواب تو وہ ہے جس کو ہم اپنے لئے
پسند کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کا یہ خیال تھا کہ معمولی گناہ مثلاً ذرا سی جھوٹ
یا بد نظری یا غیبت وغیرہ قابل ملامت نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بڑے
بڑے گناہوں پر نار دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ ان خیالات کو دفع کرنے کے لئے
حق تعالیٰ شانہ نے آیات کریمہ فمن یعمل اور ومن یعمل نازل فرمائیں تاکہ
عمل خیر ذرہ بھر بھی کیوں نہ ہو اس کی ترغیب ہو اور ایسے چند کام مل کر وہ ایک
نمایاں کام بن جائے۔ اسی طرح ان کو برے کام سے بچتے رہنے کی عادت ہو جائے
ورنہ یہ سب جمع ہو کر بڑے گناہ کی شکل اختیار نہ کریں۔ لہٰذا جو کوئی شخص ذرہ بھر
نیکی بھی کرے تو نامۂ اعمال میں اس کا داخلہ لکھا ہوا دیکھ لے اور اسے دیکھ کر اس کو
خوشی حاصل ہو۔ یہی حال برائی سے بچنے کا ہے۔

مثل مشہور ہے:۔ ذرہ ذرہ خیلے شود قطرہ قطرہ سیلے گردد۔ ؎

اندک اندک بہم شود بسیار دانہ دانہ ست غلہ در انبار

مومن کے دنیوی تکالیف سیئات کا کفارہ	حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ بینما ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یاکل مع النبی

صلی اللہ علیہ وسلم اذ نزلت علیہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ فرفع ابوبکر رضی اللہ عنہ یدہ وقال یارسول اللہ انی لراء ما عملت من مثقال ذرۃ من شر فقال یا ابابکر ارأیت ما تری فی الدنیا مما تکرہ مثاقیل ذر بشر ویدخر لک مثاقیل ذر الخیر حتی توفاہ یوم القیامۃ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، تاریخ حاکم، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز حضور سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات کے ساتھ شریک طعام تھے اتنے میں یہ آیات کریمہ فمن یعمل نازل ہوئیں۔ ان کو سنتے ہی حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ روک لیا اور عرض کیا یارسول اللہ! کیا میں اپنی کی ہوئی ہر برائی کو دیکھوں گا؟ تو ارشاد ہوا۔ ابوبکر! تمہارا کیا خیال ہے کہ دنیا میں جو ناگوار معاملہ تمہارے ساتھ درپیش ہوتا ہے ان سے ذرہ ذرہ برائیوں کا بدلہ ہوجائے گا۔ اور ذرہ ذرہ بھر نیکیاں جو تمہارے ہاتھ سے ہوتی رہیں وہ سب جمع ہوکر قیامت کے دن ان کا ذخیرہ تم کو اکٹھا مل جائے گا'' اس روایت کو حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوادریس خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی بیان فرمایا ہے۔ جو متعدد کتب احادیث شریفہ میں

موجود ہے۔

کافر کی نیکی مردود اور مومن کی برائی مغفور

حضرت ابن عباسؓ آیات کریمہ فمن یعمل اور ومن یعمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ لیس من مؤمن ولا کافر عمل خیرا و شرا فی الدنیا الا اراہ اللہ ایاہ فامّا المؤمن فاریہ اللہ حسناتہ وسیئاتہ فیغفرلہ من سیئاتہ و یثیبہ علی حسناتہ واما الکافر فیریہ حسناتہ وسیئاتہ فیرد حسناتہ و یعذب بسیئاتہ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی)

جس کسی مومن، اور جس کسی کافر نے دنیا میں کوئی عمل خیر یا کوئی عمل شر کیا ہوگا اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہر ایک کو اس کا ہر ہر عمل (قیامت میں) ضرور دکھائیگا۔ پھر مومن کو جب اس کی تمام نیکیاں اور جملہ برائیاں دکھا دیگا تو اس کی برائیوں میں سے (جتنی چاہے) بخش دیگا اور اس کی تمام نیکیوں کا ثواب مرحمت فرمائے گا۔ رہا کافر اس کو بھی اس کی تمام نیکیاں اور اس کی جملہ برائیاں دکھا دی جائیں گی۔ پھر اس کی تمام نیکیاں رد کردی جائینگی۔ اور اس کی جملہ برائیوں پر عذاب دیا جائے گا۔" یعنی کافر کی کوئی نیکی جو اس نے دنیا میں کی تھی، آخرت میں اس کے کام نہ آسکے گی۔ یہ اس لئے کہ نیکیوں کے قبول ہونے کے لئے ایمان شرط ہے اور قرآن کریم میں جہاں کہیں اعمال صالحہ کو سراہا گیا ہے وہاں ایمان کو شرط مقدم قرار دیا گیا ہے۔

ہر جگہ یہی ارشاد ہوا ہے: ـــ الذین آمنوا وعملوا الصالحات ۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے"۔ اور اگر کہیں عمل صالح کا ذکر سب سے پہلے فرمایا گیا تو ساتھ ہی ایمان کی قید لگا دی گئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ـــ من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن ۔ جس کسی مرد یا عورت نے اچھا کام کیا درحالیکہ وہ مومن ہو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل صالح کی جزا اُسی وقت ملیگی جب کہ اس سے پہلے وہ ایمان لا چکا ہو۔ جب شرط ایمان کسی میں نہیں پائی گئی تو بحکم اذا فات الشرط فات المشروط اس کا عمل صالح قبول نہ کیا جائے گا۔ جب عمل مقبول نہیں تو اس کی جزا بھی نہ مل سکے گی۔

ایک تمثیل اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ صحت نماز کے لئے طہارت (وضو وغسل) شرط ہے۔ اگر کوئی شخص بلا طہارت نماز ادا کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی پھر جب نماز ہی درست نہیں تو اس کو کوئی صلہ بھی نہ مل سکیگا۔ بلکہ بعض اوقات ایسے عمل سے بجائے نفع کے ضرر کا اندیشہ لگا رہیگا۔ فقہائے کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ نماز نہ پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن دانستہ طور پر بے طہارت نماز پڑھنا کفر ہے اس لئے کہ یہ صورت دین سے استہزاء اور تمسخر کی ہے اور استہزاء بالدین کفر ہے۔ (العیاذ باللہ) کیا آپ نہیں جانتے کہ دوا کے ساتھ پرہیز بھی ہوتا ہے

اگر کوئی بیمار دوا تو استعمال کرے لیکن طبیب نے جو پرہیز اس کے ساتھ بتلایا ہے اس پر عمل نہ کرے تو دوا نفع نہ دے گی۔ بلکہ بعض اوقات الٹا نقصان پہنچائیگی جیساکہ آپ نے ایسی صورتیں بارہا دیکھی ہوں گی یا ایسے واقعات کم از کم سنے ہونگے۔

خیر کی جزا کافر کو اور شر کی جزا مومن کو دنیا میں

حضرت محمد بن کعب قرظیؒ نے ان آیات کریمہ کی تفسیر میں فرمایا:۔ من یعمل مثقال ذرۃ من خیر من کافر یری ثوابھا فی الدنیا فی نفسہ واھلہ ومالہ وولدہ حتی یخرج من الدنیا ولیس عندہ خیر ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا من مؤمن یری عقوبتہ فی الدنیا فی نفسہ واھلہ ومالہ وولدہ حتی یخرج من الدنیا ولیس علیہ شیئ۔ (عبدالرزاق عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر) کافر کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس کا صلہ دنیا ہی میں وہ دیکھ لیتا ہے یہ صلہ (اس کام کی اہمیت کے لحاظ سے) یا تو اس کی ذات کو ملتا ہے اور کبھی اس کے اہل وعیال کو بھی ملتا رہتا ہے۔ اس کے مال میں ترقی ہوتی ہے بلکہ اس کی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ ملتا جاتا ہے۔ تا آنکہ نیکی کرنے والا کافر دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو اس کے عمل کا کوئی حصہ آخرت کے لئے باقی رہنے نہیں پاتا۔ پورا پورا معاوضہ دنیا ہی میں اس کو مل جاتا ہے اور آخرت میں وہ خالی رہ جاتا ہے۔ اس مضمون کو سورۂ ہود میں وضاحت کے ساتھ

بیان فرمایا گیا ہے ارشاد ہے:۔ من کان یرید الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون۔ اولٓئک الذین لیس لھم فی الآخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا و باطل ما کانوا یعملون۔ جو کوئی چاہتا ہے صرف دنیا ہی کی زندگی اور اس کی خوب صورتی تو ان کے اعمال کا صلہ ہم دنیا ہی میں پورا پورا دے دیتے ہیں اور انکی دنیا میں کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں فقط نارِ دوزخ ہے اور دنیا میں انھوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ سب اکارت گئے اور انھوں نے جو کچھ کیا وہ سب بے نتیجہ قرار پایا۔ کیونکہ ان کو آخرت پر نہ تو یقین تھا اور نہ آخرت میں کام آنے کے لئے انھوں نے کچھ کیا۔

حضرت سلیمان بن عامرؓ فرماتے ہیں:۔ انہ قال یا رسول اللہ ان ابی کان یصل الرحم و یفی بالذمۃ و یکرم الضیف قال مات قبل الاسلام قال نعم قال لن ینفعہ ذلک ولکنھا تکون فی عقبہ فلن تخزوا ابدا ولن تذلوا ابدا ولن تفتقروا ابدا۔ (ابن جریر) سلیمان بن عامرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ! میرا باپ صلۂ رحمی کیا کرتا تھا اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتا اور مہمان نواز تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ مسلمان ہونے سے پیشتر

مر گیا؟ انھوں نے عرض کیا ہاں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس کے یہ اعمال حسنہ (آخرت میں) اس کو کچھ بھی فائدہ نہ دیں گے لیکن ان اعمال خیر کے اثرات اس کی اولاد میں باقی رہیں گے۔ لہذا تم لوگ کبھی رسوا نہ ہوں گے اور نہ کبھی تم پر ذلت آئے گی اور نہ کبھی محتاج ہوگے۔" یہ بھی اللہ سبحانہ کا فضل وکرم ہے اور کار خیر کی برکت کہ دنیا کے لئے یہاں جو بھلا کام کیا گیا اس کا ثمرہ اس کی اولاد کو ملتا رہتا ہے۔

ان آیات کی جامعیت حضرت صعصعہ بن معاویہؓ جو فرزدق شاعر مشہور کے چچا ہیں ان کا واقعہ ہے:- انّه اتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم فقرأ علیہ فمن یعمل مثقال ذرّۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرّۃ شرّا یرہ فقال حسبی لا ابالی ان لا اسمع من القرآن غیرھا۔ (ابن مبارک امام احمدؒ عبد بن حمید، نسائی، طبرانی، ابن مردویہ) صعصعہؓ ایک دفعہ حضور جامع الکلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو یہ دو آیات کریمہ فمن یعمل اور ومن یعمل پڑھ سنائیں۔ یہ آیات کریمہ جو جملہ خیر و شر پر حاوی تھیں ان کے سننے کا ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ بے ساختہ بول اٹھے میرے لئے یہی دو آیتیں از بس کافی ہیں۔ ان کو سن لینے کے بعد قرآن کریم کو مزید نہ سنوں

تو بھی مجھے اس کی پرواہ نہیں" کہ اس میں تمام امورِ خیر و شر سب کچھ جمع ہو گئے۔ مزید کی حاجت نہ رہی۔ حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطب ؓ فرماتے ہیں: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی مجلس ومعھم اعرابی جالس فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ فقال الاعرابی یا رسول اللہ امثقال ذرۃ قال نعم فقال الاعرابی واسوتاہ ثم قام وھو یقولھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد دخل قلب الاعرابی الایمان (سعید بن منصور) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مجلس میں یہی دو آیات کریمہ تلاوت فرمائیں۔ اس مجلس میں ایک دیہاتی گنوار بھی سب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کو سن کر اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ذرہ برابر بھی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ یہ سنکر وہ بول اٹھا۔ ہائے خرابی! یہ کہہ کر وہ چلتا بنا اور وہ ان ہی آیات کو دہراتا رہا۔ اعرابی کا یہ تاثر مشاہدہ فرما کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اس اعرابی کے دل میں ایمان جگہ کر گیا"۔ حضرت زید بن اسلم ؓ سے بھی ایسا ہی ایک واقعہ مروی ہے۔

ذرۃ کی تفسیر چیونٹیوں میں سب سے چھوٹی چیونٹی کو عربی میں "ذرہ" کہتے ہیں۔ نیز آفتاب کی شعاعوں میں چھت کے کسی سوراخ سے اڑتا ہوا غبار جو نظر آتا ہے

اس کے ایک ایک ریزے کو بھی ذرّہ کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام ھبآء بھی ہے جیساکہ دوسری جگہ اللہ سبحانہ نے فرمایا :۔ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھبآءً منثورا۔ اور ہم متوجہ ہوئے (کافروں کے کئے ہوئے) ایک ایک عمل کی طرف، پھر کر دیا اس کو ھبآء یا ذرّہ بکھرا ہوا" نہ اس کا کوئی وزن اور نہ اس کا کوئی ثواب۔ اس طرح کافروں کے اعمال خیر آخرت میں رائگاں جائیں گے۔

حضرت حبرالامہ ابن عباسؓ نے فرمایا :۔ اذا وضعت راحتك على الارض ثم رفعتها فكل واحد مما لزق بها من التراب ذرة۔ جب تم اپنی ہتھیلی یا ہاتھ زمین پر رکھو پھر اس کو اٹھالو تو ہاتھ یا ہتھیلی کو جو مٹی یا غبار لگا ہوا ہو اس کا ایک ایک ریزہ، ذرّہ ہے" ایک دفعہ حضرت موصوف سے لوگوں نے "ذرہ" کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے مٹی میں ہاتھ ڈال کر نکالا پھر اس کو پھونکا اور فرمایا کہ اس پھونکنے سے جو ریزے ہوا میں اڑتے دکھائی دے رہے ہیں یہی ذرات ہیں۔

حضرت یحییٰ بن عمارؒ فرماتے ہیں :۔ حبة الشعير اربع ارزات والارزة اربع سمسمات والسمسمة اربع خردلات والخردلة اربعة اوراق نخالة وورق النخالة ذرة۔ جو کا ایک دانہ = ۴ چاول۔ اور ایک چاول = ۴ تل اور ایک تل = ۴ دانے رائی کے۔ اور ایک رائی مساوی بھوسی کی ۴ پتیوں کے اور

ہر بیج مساوی ذرہ کے ۔"

ام المومنینؓ کا استدلال

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں :۔ ذکر لنا ان عائشۃ رضی اللہ عنہا جاءھا سائل فسأل فامرت لہ بتمرۃ فقال لھا قائل یا ام المومنین انکم لتصدقون بالتمرۃ قالت نعم واللہ ان الخلق کثیر ولا یشبعہ الا اللہ اولیس فیھا مثاقیل ذر کثیرۃ۔ (عبد بن حمید) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک سائل آیا اور اس نے کچھ مانگا۔ تو انھوں نے ایک کھجور دے دینے کا حکم دیا۔ اسکو دیکھ کر کسی نے عرض کیا۔ ام المومنین! آپ حضرات کھجور کا ایک دانہ بھی خیرات میں دیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ خدا کی قسم! مخلوق بہت ساری ہے۔ ان سب کو شکم سیر کھلانا' اللہ سبحانہ ہی کا کام ہے۔ پھر فرمایا کیا کھجور کے ایک دانے میں کئی ذرے شریک نہیں ہیں؟" اسی قسم کے واقعات حضرت فاروق اعظم اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جن کے پاس انگور کا خوشہ رکھا ہوا تھا اور انھوں نے اس سے ایک دانہ خیرات میں دیا۔ اور فرمایا کہ اس میں بہت سارے ذرات شریک ہیں۔ حضرت سعد بن مالکؓ کا ایک واقعہ ہے :۔ اتاہ سائل وبین یدیہ طبق علیہ

تمر فاعطاہ تمرۃ فقبض السائل یدہ فقال سعد ویحک تقبل اللّٰہ منا مثقال الذرۃ والخردلۃ وکم فی ھذہ من مثاقیل الذرۃ (سعد)

ان کے پاس ایک سائل آیا ایسے حال میں کہ ان کے پاس ایک طبق میں کھجوریں رکھی تھیں آپ نے ان میں سے سائل کو کھجور کا ایک دانہ دیا۔ اس حالت کو دیکھ کر سائل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ تو ہماری خیرات کا ایک ایک ذرہ اور رائی کا ایک ایک دانہ قبول فرمائے (اور تو کھجور کا دانہ قبول نہیں کرتا دیکھتا نہیں کہ) اس میں کتنے ذرے شریک ہیں۔" ان روایات میں یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ سائل کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیئے اس کو خالی ہاتھ واپس نہ کیا جائے۔ انسان میں جب یہ صفت پیدا ہو جائے تو وہ کسی کو خالی ہاتھ واپس نہ کرے گا اور اپنے حالات کے لحاظ سے کم زیادہ دیتا ہی رہے گا۔ اور ایسا عمل ہر شخص کر سکتا ہے۔ کوئی بار نہ ہو گا۔ دارومدار صدقِ نیت اور اخلاص پر ہے۔ خیرات کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں۔

حضورؐ انور کا ایک خطبہ حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں:۔ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ایھا الناس کونوا من ابناء الاٰخرۃ ولا تکونوا من ابناء الدنیا فانّ کلّ امّ یتبعھا ولدھا

اعملوا وانتم من اللہ علی حذر، واعلموا انکم معروضون علی اعمالکم وانکم ملاقوا اللہ لا بدّ منہ فمن یعمل مثقال ذرّۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرّۃ شرّا یرہ۔ (حسین بن سفیان، ابونعیم) میں نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: لوگو! تم فرزندان آخرت بنو۔ اور ابنا والدنیا نہ بنو۔ کیونکہ (آخرت میں) ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے جائے گا۔ کوئی کام کرو اللہ سبحانہ کا خوف تمہارے پیش نظر رہے۔ اور خوب جانو کہ تم کو اپنے اعمال سے سابقہ پڑے گا۔ اور بالضرور تم کو اللہ سبحانہ سے ملنا ہے لہٰذا جو کوئی شخص ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لیگا اور جو کوئی ذرہ بھر بھی برائی کرے گا وہ اسکو بھی دیکھ لے گا۔"

حضرت ابوالدرداؓ کا اثر حضرت ابوالدرداءؓ فرمایا کرتے تھے: لولا ثلاث لاحببت ان لا ابقی فی الدنیا وضعی وجھی للسجود لخالقی فی اختلاف اللیل والنھار اقدمہ لحیاتی وظمأ الھواجر ومقاعدۃ اقوام ینتقون الکلام کما تنتقی الفاکھۃ وتمام التقوی ان یتقی اللہ تعالی العبد حتی یتقیہ فی مثقال ذرّۃ حتی ان یترک بعض ما یری انہ حلال خشیۃ ان یکون حراما حتی یکون حاجزا بینہ وبین الحرام ان اللہ

قد بین للناس الذی ھو بصیرھم الیہ قال فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ
ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ فلا تحقرن شیئا من الشران تتقیہ
ولا شیئا من الخیران تفعلہ۔ (امام احمدؒ ابن المنذر) اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو
میں دنیا میں گھڑی بھر کے لئے رہنے پر بھی آمادہ نہ ہوتا۔ ایک یہ کہ دنیا میں میرے لئے
موقع ہے کہ بدلتے ہوئے لیل و نہار میں اپنا سر اپنے خالق کے آگے سجدہ کرنے کے لئے
جھکاتا رہوں۔ یہ اس لئے کرتا ہوں کہ اپنی اخروی زندگی میں میرے کام آئے دوسرا
یہ کہ عین دوپہر میں راہ خدا میں سفر کرتے ہوئے بھوک پیاس کی تکلیف برداشت
کرنے کا موقع ملتا ہے۔ تیسرا یہ کہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں تاکہ
ان کی مفید باتوں کا انتخاب کیا جائے جیسا کہ میوہ کے اچھے برے کا انتخاب کیا جاتا
ہے۔ اور کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ذرہ ذرہ میں بھی ڈرتا رہے
اور بعض حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دے اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو۔ اور
یہی احتیاط اس کو حرام سے دور رکھ سکتی ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے وہ تمام چیزیں
بیان فرما دی ہیں جن سے انسان کو سابقہ پڑنے والا ہے چنانچہ اللہ پاک نے
فرما دیا۔ پھر جو کوئی ذرہ بھر نیکی کریگا وہ اس کو دیکھ لیگا اور جو کوئی ذرہ بھر برائی
کریگا وہ اس کو بھی دیکھ لیگا۔ لہٰذا کسی برائی سے بچنے اور کسی کار خیر کے کرنے سے

کبھی نہ چوکو۔ اور نہ اس کو حقیر سمجھو۔"

نجات کا سامان کرو نیکی کرکے یا شر سے بچکر

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:۔ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اتقوا النار ولو بشق تمرۃ ثم قرأت فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ (ابن مردویہ)

میں نے رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرمایا کرتے تھے کہ دوزخ کی آگ سے بچتے رہو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی راہ خدا میں دیکر کیوں نہ ہو۔" اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ اعلموا ان الجنۃ والنار اقرب الی احدکم من شراک نعلہ۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ (ابن مردویہ) یقین جانو کہ جنت اور دوزخ تم میں سے ایک ایک شخص سے اس کی جوتی کے تسموں سے بھی قریب تر ہے۔ لہذا جس نے ذرہ بھر نیکی کی وہ اس کو دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ اسکو بھی دیکھ لیگا۔

بھلائی برائی سواریوں میں

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ الخیل لثلاثۃ لرجل اجر ولرجل ستر ولرجل وزر الحدیث قال وسئل عن الحمر فقال ما انزل علیّ فیھا الا ھذہ الآیۃ الجامعۃ الفاذۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل

مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ (امام مالکؒ امام احمدؒ بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ) گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ ایک کے لئے موجب اجر ہیں اور ایک کے لئے موجب پردہ پوشی، اور ایک کے لئے بارعظیم۔ (اجر اس کے لئے جو فی سبیل اللہ باندھ رکھا ہو۔ اور ستر و پردہ پوشی اس کی جو اپنی ضروریات کے لئے پالتا ہو۔ اور بوجھ اس کے حق میں جو اپنی شان دکھانے اور تکبر و غرور کی نیت سے رکھتا ہو) اتنے میں کسی نے عرض کیا کہ گدھوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ تو فرمایا کہ ان کے بارے میں مجھ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر آیۃ جامعہ فمن یعمل ومن یعمل میں جو کچھ بتایا گیا ہے کہ جس نے ذرہ بھر نیکی کی تو وہ اس کو دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی تو وہ اس کو بھی دیکھ لیگا۔"

دعا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو نیکی کی توفیق دے اگرچہ وہ بظاہر کتنی ہی چھوٹی دکھائی دیتی ہو۔ اور ہر برائی سے محفوظ رکھے گو وہ کیسی ہی حقیر و بے مایہ ہو۔ آمین یا رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ الطیبین واصحابہ اجمعین۔

سورۃ اذا زلزلت کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنہ۔

100 AADIYAATH Makky Verses 8

سورۂ عادیات

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اس میں گیارہ آیتیں ہیں

سورۂ عادیات مکی ہے یا مدنی اس سورت شریفہ کا مکہ مکرمہ میں نازل ہونا حضرات عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ انصاری، حسن بصری، عکرمہ اور عطار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے۔ نیز سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی تفسیر سے جو آگے آرہی ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت انس رض قتادہ، نیز حضرت ابن عباس رض کی ایک روایت سے پایا جاتا ہے کہ یہ سورت شریفہ مدنیہ ہے۔ چونکہ اکثر روایات اس کے مکیہ ہونے کی موید ہیں اس لئے ہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی بحث آگے آئے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا سورت ماقبل سے ربط اور مناسبت دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ سورۂ اذا زلزلت میں انسان کے جملہ اعمال و افعال جو اس نے دنیا میں کئے تھے خواہ وہ اچھے ہوں یا برے اور خواہ وہ چھوٹے ہوں

یا بُرے، آخرت میں ان سب کو دکھا دیا جانے کا بیان فرمایا گیا تھا۔ اور یہاں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو راہ خدا میں مال، جان، سب کچھ قربان کردینے کے لئے تیار رہیں بلکہ وقت آن پڑے تو قربان کردینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور اکثر وہ ہیں جو سب کچھ سن لینے کے باوجود، بُرائی کی طرف مائل رہے خیر میں سے کچھ حصہ نہ لیا۔ دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورت سابقہ میں واخرجت الارض اثقالھا کا بیان فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے قریب زمین اپنے تمام خزینے اور دفینے اُگل دے گی۔ یہاں بھی ارشاد ہورہا ہے:۔ افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور و حصل ما فی الصدور کیا (انسان) نہیں جانتا کہ (ایک وقت ضرور ایسا آئیگا کہ) قبروں میں جو کچھ مدفون ہے سب کو اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اور دلوں میں جو کچھ بسا ہوا ہے سب کو ظاہر کردیا جائے گا۔" اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت شریفہ بھی ماقبل سورت کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

سورہٴ عادیات کی فضیلت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم..... والعادیات تعدل نصف القرآن (محمد بن نصر) سورہٴ والعادیات نصف قرآن کریم کے برابر ہے۔" نیز حضرت حسن بصری سے بھی ایک حدیث شریف اسی طرح مروی ہے۔ (ابوعبید) یہ اسی بنا پر ہے کہ اس میں

قیامت کا بیان ہے جس کا تعلق دار آخرت سے ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے یا تو اس کا تعلق دار دنیا سے یا دار آخرت سے۔ لہذا دار آخرت کا بیان نصف قرآن ہوا۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِیْرٰتِ 100-1
صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ 100-3
الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ قسم ہے دوڑنے والی (سواریوں) کی 100-5
پھر آگ نکالنے والیوں کی ٹاپ مار کر، پھر تاراج کرنے والوں کی صبح سویرے پھر

ع الضبح صوت انفاس الفرس تشبیها بالضُباح وهو صوت الثعلب وقیل هو حفیف العدو (مفردات) وفی السمین الضبح صوت یسمع من صدور الخیل عند العدو ولیس بصهیل گھوڑے کے ہانپنے کی آواز کو ضبح کہتے ہیں یہ لفظ ضباح سے لیا گیا ہے جس سے لومڑی کی آواز مراد ہے۔ کسی نے کہا وہ دوڑنے کی آواز ہے۔ نیز دوڑتے وقت گھوڑے کے سینے جو آواز نکلتی ہے اس کو ضبح کہتے ہیں۔ یہ ہنہنانے کی آواز نہیں۔

اڑاتی ہیں اس وقت غبار، پھر گھس جاتی ہیں اسی حال فوجوں میں، بے شک آدمی اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔"

حبر الامہ کی تفسیر حبر الامہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ۔ بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ الی العدو فابطأ خبرہا فشق ذلك علیه فاخبرہ اللہ خبرھم وما کان من امرھم فقال والعادیات ضبحا قال ھی الخیل والضبح نخیر الخیل حین تنخر فالموریات قدحا قال حین تجری الخیل توری نارا اصابت بسنابکھا الحجارۃ فالمغیرات صبحا قال ھی الخیل اغارت فصبحت العدو فاثرن به نقعا قال ھی الخیل اثرن بحوافرھا یقول تعد والخیل والنقع الغبار فوسطن به جمعا قال الجمع العدو۔ (ابن مردویہ) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لئے ایک فوج روانہ فرمائی۔ پھر چند دنوں تک ان کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی تو یہ امر آپ پر شاق گزرا۔ اس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی خبر دی اور ان پر جو کچھ گزری اس سے اس طرح مطلع فرمایا کہ والعادیات ضبحا۔ قسم ہے تیز رو گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے حملہ آور ہو رہے ہیں۔ گھوڑے کی ناک سے جو آواز تیز دوڑتے وقت نکلتی ہے اس کو "ضبح" کہتے ہیں۔ فالموریات قدحا۔ پھر

قسم ہے چنگاریاں نکالنے والوں کی۔ یعنی جس وقت گھوڑ دوڑ شروع ہوتی تو ان کے سُم پتھریلی زمین پر پڑتے ہیں تو پتھروں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی جاتی ہیں۔ (جیسے چقماق سے آگ نکلتی ہے) فالمغیرات صبحا۔ پھر قسم ہے تاخت وتاراج کرنے والوں کی صبحدم۔ (شجاعان عرب کی عادت ہے کہ وہ شبخون مارنے کو بزدلی سمجھتے ہیں اس لئے) صبح سویرے حملہ کرتے ہیں اور صبح ہوتے ہوتے دشمن کے سر پر پہنچ جاتے ہیں۔ فاثرن بہ نقعا۔ پھر اڑاتے ہیں اس گھوڑ دوڑ میں غبار، یعنی گھوڑوں کے ٹاپ زمین پر پڑتے ہیں جبکہ وہ تیز دوڑ رہے ہوں تو ٹاپوں کی زد سے زمین کھُد کر غبار اڑانے لگتی ہے۔ "نقع" غبار کو کہتے ہیں۔ فوسطن بہ جمعا۔ پھر گھس جاتے ہیں اسی حالت میں دشمن کی فوجوں کے قلب میں۔ گویا اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باخبر کیا گیا کہ سریۂ اسلام کی طرف سے کسی تردد اور فکر کی ضرورت نہیں بلکہ وہ جماعت جس کام کے لئے روانہ کی گئی ہے اس کی انجام دہی میں ہمہ تن مشغول ومنہمک ہے۔ سواریاں بھی قابل تعریف ہیں اور سوار بھی قابل ستائش ہیں۔ عکرمہ، مجاہد، قتادہ، عطاء اور عطیہ نے بھی عادیات کی تفسیر گھوڑوں ہی سے کی ہے۔

حضرت باب العلم کی تفسیر	حضرت باب العلم سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے

ان آیات کریمہ کی تفسیر دوسری طرح مروی ہے ۔چنانچہ امام الائمہ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہ تفسیر سنائی گئی تو ارشاد فرمایا :۔ واللہ ان اول غزوۃ فی الاسلام لبدر وما کان معنا الا فرسان فرس للزبیر وفرس للمقداد بن الاسود فکیف یکون العادیات ضبحا۔ خدا کی قسم اسلام میں پہلا غزوہ جو ہوا وہ غزوہ بدر تھا۔ اس میں ہمارے ساتھ کُل دو گھوڑے تھے ۔ایک گھوڑا زبیر بن عوامؓ کا تھا، اور دوسرا مقداد بن الاسودؓ کا ۔پھر والعادیات ضبحا سے (جو بصیغہ جمع ارشاد ہوا ہے اور جمع کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوسکتا) ہانپنے والے گھوڑے کیونکر مراد ہوسکتے ہیں؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ والعادیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوا مسلمان جب تک یہاں تھے نہ کوئی غزوہ درپیش ہوا اور نہ کسی جگہ سریہ بھیجنے کی نوبت آئی ۔تمام غزوات اور سرایا ہجرت مدینہ منورہ کے بعد درپیش ہوئے ۔ لہٰذا ان آیات کریمہ کی تفسیر یوں ہوگی :۔ انما العادیات ضبحا من عرفۃ الی المزدلفۃ اوروا الی النیران والمغیرات صبحا من المزدلفۃ الی منی فذلک جمع واما قولہ فاثرن بہ نقعا فھو نقع الارض حین تطؤہ بخفافھا وحوافرھا۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ)

والعادیات ضبحا سے مراد صرف (اونٹ ہی ہوسکتے ہیں یعنی) سواریاں حج عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوتی ہیں (وہاں رات کے وقت پہنچکر حجاج) آگ روشن کرتے ہیں (پکانے کھانے کے لئے یہ تفسیر ہوئی فالموریات قدحا کی) اور والمغیرات صبحا سے مراد ہے روانگی مزدلفہ سے منیٰ کی طرف۔ (جو نماز فجر اندھیرا رہتے پڑھی اول وقت پڑھکر بعد میں عمل میں آتی ہے) فوسطن بہ جمعاً سے مزدلفہ کا قیام مراد ہے (کیونکہ مزدلفہ کا دوسرا نام جمع ہے) یا ارشاد باری تعالیٰ فاثرن بہ نقعا اس سے زمین کا غبار مراد ہے جس وقت اونٹ رفتار میں ہوتے ہیں (اور خوشی خوشی دوڑتے ہیں) تو ان کے سموں سے غبار اٹھتا ہے۔" خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہوا کہ اونٹوں پر سوار ہوکر جب حجاج کے قافلے حج کے ارادے سے منیٰ و عرفات اور مزدلفہ ہوتے ہوئے منیٰ پہنچتے پھر وہاں سے فارغ ہوکر مکہ مکرمہ آتے ہیں تو یہ آمد و رفت بھی چونکہ فی سبیل اللہ اور فریضہ اسلام کی ادائی کے لئے ہے اس لئے ان اونٹوں کی اور شتر سواروں کی تیز ان کی ایک ایک حالت اور ایک ایک ادا کو سراہا جا رہا ہے اور قسم کھا کھا کر اظہار خوشنودی فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوصالح وغیرہم نے بھی اسی طرح مروی ہے۔

عرض فقیر | ہمارے نزدیک ان دونوں تفسیروں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

روانہ ہونے والی سواریوں اور سواروں سے اللہ سبحانہ کی رضا و خوشنودی کا اظہار مقصود ہے۔ خواہ وہ سواری گھوڑا ہو یا اونٹ اور سفر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہو یا حج بیت اللہ شریف کے لئے۔ گھوڑے اور اونٹ پر ہی کیا موقوف ہے، فی زمانا جدید سواریاں، ریل، موٹر، جہاز، طیارے ایجاد ہوئے ہیں یا آئندہ کوئی اور سہولتیں سواری کی ایجاد ہوں وہ تمام اس میں داخل ہوں گی۔ اسی طرح روانگی راہ خدا میں ہو خواہ وہ جہاد ہو یا حج، یا طلب علم دین وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ اسی لئے والعادیات کی تفسیر ہم نے سواری سے کی ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ اور راہ خدا سے مراد لیا ہے جو بھی مقصد خیر ہو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ سورت شریفہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جمہور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں اس وقت جہاد فی سبیل اللہ کی وہاں کوئی صورت نہ تھی۔ البتہ اونٹوں پر حج ادا کیا جاتا تھا۔ اس وقت تک حج کی فرضیت کے احکام بھی نہیں ہوئے تھے۔ جہاد کے احکام ہجرت کے بعد صادر ہوئے اور حج کی فرضیت بھی اس کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی لیکن ملت ابراہیمی کے احکام کے مطابق حج ہر سال ادا ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام بھی حج میں شرکت فرماتے تھے۔ اس اعتبار سے حضرت شیر خدا باب العلم کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی تفسیر پاک کی صحت میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھیجی ہوئی جماعت کی کوئی خبر نہ ملنے سے آپ کو جو
تردد لاحق ہوا اس کے دفعیہ کے لئے اس سورت شریفہ کی جانب صرف ایما فرما دیا گیا جو
بہت زمانہ پیشتر مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران میں آپ پر نازل ہو چکی تھی جس سے آپ کا
تردد رفع ہو گیا۔ وللہ الحمد۔

کنود کی تفسیر اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ۔ بے شک انسان اپنے
پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔" حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا:۔ اتدرون ما الکنود
قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ھو الکفور الذی یضرب عبدہٗ ویمنع
رفدہٗ ویأکل وحدہٗ۔ (ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ طبرانیؒ ابن مردویہؒ بیہقیؒ ابن عساکر
بسند ضعیف) کیا تم جانتے ہو کہ "کنود" سے کیا مراد ہے؟ صحابہ کرام نے (جو
اس وقت مجلس مبارک میں حاضر تھے اپنی عادت کے مطابق) عرض کیا کہ اللہ
سبحانہٗ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا وہ ناشکر گزار ہے
جو اپنے غلام کو مارتا، اور اپنی داد و دہش کو روک لیتا، اور اکیلا کھاتا ہے۔" (کسی
دوسرے کو کھانے میں شریک نہیں کرتا۔ نیز حضرت قتادہؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے
مروی ہے کہ انھوں نے ان الانسان لربہ لکنود کی تفسیر میں فرمایا:۔

الکفور للنعمۃ البخیل بما اعطی الذی یمنع رفدہ ویجیع عبدہ ویأکل وحدہ ولا یعطی النائبۃ تکون فی قومہ ولا یکون کنودا حتی تکون ھذہ الخصال فیہ۔ (بیہقی) بڑا ہی ناشکر گزار نعمتوں کا اکو (اللہ سبحانہ کے پاس سے) جو کچھ دیا گیا ہے (اس میں سے دیگر مستحقین کو دینے سے) بُخل کرتا ہو۔ جو اپنی عطا سے دوسروں کو محروم رکھتا، اور اپنے غلام کو بھوکا مارتا، اور خود اکیلا کھاجاتا ہو اور اگر اس کی قوم پر کوئی آفت آجاتی ہو تو ان کی امداد کے لئے کچھ نہیں دیتا۔ یہ تمام خصلتیں جب تک کسی میں جمع نہ ہوں اس کو "کنود" نہیں کہہ سکتے۔" حضرت حسن بصری نے یہ بھی فرمایا:۔ یعدّ المصیبات و ینسی نعمۃ ربہ عزّوجلّ۔ (سعید بن منصور عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) "کنود" وہ ہے جو مصائب کو تو گن گن کر بتاتا رہتا ہے اور اپنے پروردگار عزّوجل کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے" جو ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہیں۔

عرضِ فقیر یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ گھوڑے اور اونٹ کو دیکھو جو تمہاری سواری کا کام دیتے اور تم کو اور تمہارے سامان کو ایک مقام سے دوسرے دور دراز مقام پر پہنچاتے ہیں۔ بھوک پیاس کی تکالیف برداشت کرتے، دھوپ برسات، سردی کی پرواہ نہیں کرتے۔ سنگلاخ اور دشوار گزار راستوں سے رات کی تاریکی میں، مصیبتیں

جھیلتے ہوئے خاموشی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اگر تم کو دشمن سے سابقہ پڑتا ہے تو تیر و تفنگ کا اندیشہ کئے بغیر اپنی جان پر کھیل کر تمھارا ساتھ دیتے ہیں۔ خود زخموں میں چور ہوتے بلکہ جان تک دے دیتے ہیں مگر اپنے مالک کی رفاقت نہیں چھوڑتے۔ اس کے اشارے پر کام کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ معمولی دانے چارے کی خاطر، جو ان کے مالک کی طرف سے اس کو ملتا رہا۔ جانور کی اپنے آقا کے سوا نہ کسی سے دوستی اور نہ دشمنی لیکن جنگ چھڑ جانے پر اپنے مالک کے دوست کو اپنا دوست اور اپنے مالک کے دشمن کو اپنا دشمن تصور کرکے وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو اپنے دوست یا دشمن کے ساتھ کرنا چاہئے جانور کی وفاداری اور حق شناسی کا یہ حال ہے جبھی تو اللہ سبحانہ نے اس کی ایک ایک خوبی اور ایک ایک ادا کی قسم کھائی۔ مگر انسان جس کو اللہ سبحانہ نے پیدا کیا اقسام کی نعمتوں سے سرفراز کیا۔ اشرف المخلوقات بنایا۔ اور ساری کائنات کو اس کے لئے مسخر اور تابع فرمان کیا۔ پڑھو : ولقد کرّمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البرّ والبحر ورزقناھم من الطیّبات وفضّلنا ھم علی کثیر ممّن خلقنا تفضیلا۔ اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت دی۔ اور ان کو خشکی اور تری میں (سواریاں دیں جو) ان کو اٹھالے جائیں۔ اور ان کو حلال پاکیزہ رزق (کھانے پینے کو) دیا اور بہتیری مخلوقات پر ان کو خاصی برتری دی" با ایں ہمہ اس انسان کا یہ حال ہے کہ

نہ وہ اپنے خالق کو پہچانتا، نہ ہماری نعمتوں کی قدر جانتا، نہ ہمارا حکم سنتا، نہ ہمارے کام میں لگا رہتا۔ سچ ہے اولئك كالانعام بل هم اضل سبيلا۔ ایسے لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ نہ اس کو ہمارے دوستوں سے دوستی ہے اور نہ ہمارے دشمنوں سے دشمنی۔ بلکہ اس کے خلاف وہ ہمارے دوستوں کا تو دشمن بنا ہوا ہے اور ہمارے دشمنوں سے دوستی جوڑتا رہتا ہے۔

عرب کے تین مشہور اشخاص | کہتے ہیں کہ عرب میں تین شخص، تین صفات میں ضرب المثل تھے۔ حاتم طائی سخاوت میں، اور ابوحباحب بخل میں، اور اشعب حرص میں۔ حاتم طائی کی سخاوت تو مشہور ہے۔ ابوحباحب کے بخل کا یہ حال تھا کہ لوگ جب تک جاگتے رہتے اپنا چولھا نہ سلگاتا۔ جب تمام لوگ سو جاتے تو یہ چولھا سلگاتا۔ اور اگر اتفاق سے کوئی نیند سے اٹھ جائے تو فوراً بجھا دیتا تاکہ اس کی آگ سے کسی کو فائدہ نہ پہنچنے پائے۔ اور اشعب کی حرص و لالچ کا یہ عالم کہ اگر کسی کو دیکھتا کہ وہ کھجانے کے لئے بھی اپنا ہاتھ گردن کے پاس لے گیا ہے تو اشعب یہ سمجھتا کہ وہ اپنا قمیص اتار کر اس کو دینا چاہتا ہے اور اگر کبھی دیکھ لیا کہ راستے سے کوئی برات آرہی ہے تو فوراً اپنے گھر کے سامنے جھاڑو دے دیا کرتا اس توقع پر کہ برات اسی کے گھر آرہی ہے۔ بہرحال یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ بخل اور طمع صفات مذمومہ ہیں ان سے انسان کو دور رہنا چاہیے۔ اور صفات

فاضلہ کا خود کو خوگر بنانا چاہیے۔ جیسے سخاوت و قناعت وغیرہ۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۞

اور یقیناً وہ انسان اپنے اس حال پر گواہ ہے۔ اور یقیناً وہ مال کی چاہت میں 100-7 100-8
بڑا ہی سخت ہے۔"

علی ذلک لشہید کی تفسیر

وانہ علی ذلک لشہید کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے۔ حضرت مجاہد و قتادہ نے انہ کی ضمیر کا مرجع لربہ کو قرار دیا ہے جو اس سے پیشتر کی آیۂ کریمہ ان الانسان لربہ لکنود میں مذکور ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ بے شک پروردگار عالم انسان کے ناسپاس ہونے کا گواہ ہے۔ اس سے کسی کی کوئی بات یا پوشیدہ صفت چھپ نہیں سکتی۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ضمیر کا مرجع قریب کے کلمہ کو قرار دینا ممکن ہے تو قریب کے کلمہ ہی کو مرجع قرار دینا اولیٰ و انسب ہے۔ ظاہر ہے کہ انہ کی ضمیر سے ان الانسان لربہ میں لربہ قریب تر ہے اور الانسان اس کے مقابلے میں بعید ہے۔ چنانچہ حضرت مجاہدؒ وانہ علی ذلک لشہید کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ۔ اللہ عزّ وجلّ ۔ (ابن ابی حاتم) بے شک خدائے عزوجل انسان کی ناشکری کا گواہ ہے۔" اور حضرت قتادہ یوں تفسیر فرماتے ہیں: ۔

وان اللہ علی ذلک لشہید وان الانسان لحب الخیر لشدید۔ (عبد بن

حمید، ابن جریر) بقیناً اللہ سبحانہ تعالیٰ انسان کے ناشکرگزار ہونے کا گواہ ہے اور بیشک انسان مال کی محبت میں بڑا ہی سخت ہے۔" اکثر مفسرین کرام نے یہی تفسیر فرمائی ہے۔

مگر حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؒ اور محمد بن کعب نے انّہ علی ذلك اور انّہ لحب الخیر دونوں جگہ انّہ کی ضمیر کا مرجع الانسان کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے وانہ علی ذلك لشھید کی تفسیر میں فرمایا:۔ الانسان (ابن المنذر) یعنی انسان اپنے آپ پر گواہ ہے۔" اسی طرح حضرت محمد بن کعب فرماتے ہیں:۔ الانسان شاھد علی نفسہ۔ (ابن ابی حاتم) انسان خود اپنی ذات پر آپ گواہ ہے۔" کہ وہ کنود ہے یعنی اپنے منعم حقیقی کا ناشکرگزار ہے۔ اس کے ثبوت میں کسی شاہد کو پیش کرنے کی حاجت نہیں بلکہ انسان بجائے خود غور کرے تو اس کا ضمیر ہی گواہی دیگا کہ وہ پرلے درجہ کا ناسپاس ہے۔ ہمارے نزدیک یہی تفسیر اولیٰ و انسب ہے کیونکہ اس صورت میں انہ علی ذلك اور انہ لحب الخیر دونوں انہ کی ضمیر کا مرجع بدلتا نہیں

لحب الخیر لشدید کی تفسیر

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ۔ اور بے شک انسان مال کی محبت میں بڑا ہی سخت ہے۔" یہاں مفسرین کرام نے خیر کی تفسیر مال ہی سے کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ الخیر قال المال۔ (ابن المنذر) خیر سے یہاں مال مراد ہے۔" اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔

وانہ لحب الخیر قال ھو المال۔ (ابن ابی حاتم) یہاں حب خیر سے حب مال
مراد ہے" ان دونوں آیات کریمہ میں انسان کی ناسپاسی اور مال کی محبت کو بیان کیا
گیا ہے کہ مال کی چاہت اس پر غالب ہے اور اس بارے میں انسان بہت سخت ہے
جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ لو کان لابن آدم وادیان لابتغی ثالثا۔
اگر آدم کے بیٹے کے لئے دو ندیاں (مال وزر کی) ہوتیں (ایک میں چاندی بہتی رہتی
اور دوسری میں زر سرخ) پھر بھی وہ تیسری وادی کی طلب میں لگا رہتا" حضرت
سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا:؎

چشم تنگ مرد دنیادار را — یا قناعت پر کند یا خاک گور

تفسیر روح البیان میں ہے:۔ شیخ الاسلام قدس سرہ فرمودہ کہ اگر مال را دوست
می داری بدہ تا باز بتو دہند و برائے وارث منہ کہ داغ حسرت بر دل تو نہند ؎

مال نہاں بہ کہ بیاران دہی — گر بدہی بہ کہ بخاکش نہی

زر ز پئے منفعت است اے حکیم — بہر نہادن چہ سفال و چہ سیم

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ 100-

ع ۱۱ ۲۵ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۧ کیا پھر نہیں جانتا وہ انسان جب کہ 100-
اٹھا لایا جائے جو کچھ قبروں میں ہے اور نمایاں کیا جائے جو کچھ سینوں میں (چھپا ہوا) ہے

یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان سب کے احوال سے خوب ہی باخبر ہے۔"

بعثر ما فی القبور کی تفسیر

کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں قبروں میں دفن کیے ہوئے مردے اٹھا کھڑا کیے جائیں گے خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان، اس وقت یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کتنا مال جمع کیا اور کیا اندوختہ چھوڑا؟ مال کی محبت میں اس کے پیچھے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک تمھیں ایک ہی دھن لگی ہوئی تھی کہ روپیہ روپیہ، پیسہ پیسہ۔ حالانکہ سورۂ زلزال میں جتا دیا گیا ہے کہ جس مال و دولت کی طلب میں لگے ہوئے ہو قیامت کے قریب زمین تمام دفینے اور خزینے اگل دیگی اور کہا جائے گا کہ ڈھیروں مال و دولت سے جتنا چاہو لے جاؤ مگر وہ ایسی سراسیمگی کا عالم ہو گا کہ اٹھا لے جانا تو بڑی بات ہے ادھر کوئی رخ تک نہ کرے گا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ من فی القبور کی جگہ ما فی القبور ارشاد ہوا تا کہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کو شامل رہے دفن کئے ہوئے انسان اور زیر زمین محفوظ کئے ہوئے خزانے بھی مراد ہوں، یا یہ کہ انسان جب تک قبر میں بحالت مردگی تھا تو لا یعقل ہی تھا اسلئے ما فی القبور کلمۂ ما کے ساتھ ارشاد ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو قیامت میں زندہ ہو کر اٹھنا کیا معلوم نہیں ہے؟ اگر اب تک معلوم نہ تھا تو اب اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ

ایسا ایک دن آنے والا ہے جس میں سب کے سب قبروں سے زندہ کرکے اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ اور اگر معلوم ہے تو پھر اس نے اس دن کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس پر ہر شخص کو غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس دن کے آنے کا جو وعدہ دیا گیا ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔ ٹلنے والا نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ منکرین اپنے انکار پر ہی اڑے ہوئے رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر انسان روز قیامت اور یوم الجزا کیا ہے اس کو آج نہیں جانتا اور اس کا یقین نہیں کرتا ہے تو جس وقت تمام مردے زندہ ہو کر اپنی اپنی قبروں سے نکل کر باہر آ جائیں گے اس دن ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان ربھم بھم یومئذ لخبیر۔ ان کا پروردگار ان کے جملہ احوال سے پوری طرح باخبر ہے" اور جب باخبر ہے تو ہر عمل کی جزا دے گا۔ ان خیرا فخیر وان شرا فشر۔ کوئی عمل نیک ہو تو اس کی جزا بھی نیک اور جو عمل برا ہو تو اس کی جزا بھی بری" جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

وحصل ما فی الصدور کی تفسیر وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ۔ اور نمایاں کیا جائے جو (چھپا ہوا ہے) سینوں میں" یعنی انسان اپنے دل میں ایک ایک بات اور ایک ایک منصوبہ جو چھپا یا ہوا تھا اس کو کھول کر رکھ دیا جائے گا کیونکہ وہ دنیا میں رہنے تک رات دن جو کچھ کرتا یا کہتا تھا یا کرنے اور کہنے کا ارادہ کرتا تھا فرشتے اس کو

نامۂ اعمال میں لکھتے جاتے تھے۔ قیامت ہوگی تو صحائف اعمال جو اسوقت دفتر اعمال میں بند ہیں اس دن کھول کر دکھائے جائینگے اور کس نے کیا کیا اور کیا ارادہ رکھتا تھا وہ سب کچھ ظاہر کر دیا جائے گا اگر نیک کام کرتا رہا اور بہتیرے نیک ارادے بھی رکھتا تھا تو عمل اور نیت دونوں کا اجر پائیگا۔ اور سرخرو اٹھیگا۔ اور اگر عمل بھی برا تھا اور نیت بھی بری تو صرف بدکاری کی سزا ملیگی۔

یومئذ لخبیر کی تفسیر اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ۔ یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان کے احوال سے بخوبی باخبر ہے" یعنی جب قبروں سے تمام مردے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور سب کے صحائف اعمال کھول کر رکھ دیئے جائینگے تو منکرین کے لئے وہ وقت کیسا کٹھن اور دشوار گزار ہوگا؟ صحائف اعمال اور مادی شہادات جن کا بیان سورۂ زلزال کی تفسیر کے سلسلے میں گزر چکا یہ سب رہے ایک طرف۔ خود ان کا پروردگار بھی ایک ایک کے احوال اچھی طرح باخبر ہے۔ پھر منکرین کے لئے چارۂ کار کیا ہوگا؟ اس پر ہر شخص کو ابھی سے غور کرنا چاہیئے ورنہ حسرت وندامت ہی رہ جائے گی۔ جو اس وقت کچھ کام نہ دیگی۔ مقام حیرت ہے کہ سواری کا جانور جسکو معمولی طور پر دانہ چارہ ڈالا جاتا ہے اس کی وفا شعاری کا یہ عالم کہ بڑے بڑے معرکوں میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کرتا اور اپنی ساری توانائیوں کو مالک کی خدمت میں لگا دیتا بلکہ اپنی جان پر کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ مگر انسان کا یہ حال ہے کہ اپنے پروردگار کی نعمتوں سے مالامال ہو کر بھی اس کو بھولا ہوا بلکہ اس کا منکر بنا ہوا ہے۔ افسوس صد افسوس۔ موجود الوقت فرصت کو غنیمت جان کر یہیں سے کچھ سامان کر لیا جائے تو بروقت کارآمد ہو ورنہ پروردگار کے ساتھ بیوفائی اور ناشکری کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ واللہ الموفق

الحمدللہ کہ سورۂ عادیات کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

101 Qaariah Makky Verses 11

سورۂ قارعہ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورۂ ماقبل سے اس سورت شریفہ کا ربط اور مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ وہاں انسان کی جبلت اور فطرت کا بیان فرماتے ہوئے قیامت کا خوف دلایا گیا تھا تاکہ انسان اپنے محسن حقیقی کو پہچان کر اسی کا ہو رہے اور یہاں قیامت کی ہولناکی کا بیان فرماتے ہوئے مخلصانہ عمل کی ترغیب دی جا رہی ہے اور دکھاوے سناوے کے اعمال کی بے حقیقتی پر روشنی ڈالی جا رہی ہے اور ہر ایک کے نتائج کی خبر دی جا رہی ہے تاکہ انسان غفلت کو چھوڑ کر اپنے مولیٰ کی یاد میں لگا رہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔ 101-1

اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ 101-2

101-3

وہ کوٹ ڈالنے والی' کیا ہے وہ کوٹ ڈالنے والی' اور آپ نے کیا سمجھا کیا ہے وہ کوٹ ڈالنے والی ؟ ۔

قارعہ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں : ۔ القارعة من اسماء یوم القیامة (ابن جریر' ابن ابی حاتم' ابن المنذر' ابن مردویہ) قیامت کے ناموں میں سے اس کا ایک نام "قارعہ" ہے جو قرع سے ماخوذ ہے ۔ ایک چیز سے دوسری چیز کو زور سے مارنا جس سے سخت آواز پیدا ہو وہ قارعہ ہے ۔ صور پھونکنے یا زلزلہ قیامت سے زبردست دھماکہ ہوگا اور نہایت سخت آواز سنائی دے گی دل دہلا دینے والی' کانوں کو بہرا بنا دینے والی' دماغ کو پاش پاش کر دینے والی' یہ تاثر تو ان تو لکا ہوگا ۔ آسمان پھٹ جائیں گے اور ان میں جا بجا شگاف پڑ جائیں گے ۔ اور زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑتے جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر بے نور ہو کر گر جائیں گے ۔ ساعت قیامت جس کی یہ صفت ہو اس کا حال کیا بتائیں اور کس کو کیا معلوم کہ وہ ساعت کیا ہے اور کیسی ہولناک ہے ؟ ہم ہی اس کا کچھ احوال بتا دیتے ہیں تاکہ خوابیدۂ غفلت انسان چونک جائے اور اپنی نجات کا سامان کرلے ۔ یہ ارشاد اسی طرز پر ہے جیسا کہ اس سے پیشتر انتیسویں پارے کی تفسیر میں الحآقة ما الحآقة وما ادرٰلك ما الحآقة ۔ گزر چکا ہے ۔ اسی پر اسکو بھی سمجھ لیا جائے ۔

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ 101-4

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝ جس دن ہو ویں لوگ جیسے پتنگے بکھرے ہوئے، اور 101-5

ہو ویں پہاڑ جیسی رنگین اون دھنی ہوئی۔

کالفراش المبثوث کی تفسیر حضرت قتادہ کالفراش المبثوث کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ ھذا ھو الفراش الذی رأیتم یتھافت فی النار۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) "فراش" سے یہی پتنگے اور پروانے مراد ہیں جن کو آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ وہ آگ پر (یا چراغ پر) ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یعنی کوٹ ڈالنے والی قیامت کی گھڑی اس دن آئے گی جبکہ اس کی دھاکو آواز سن کر لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں اور پروانوں کی طرح نہایت بدنظمی کے ساتھ اِدھر اُدھر بے تحاشا دوڑتے پھریں گے پریشانی اور کس مپرسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو اتنی تمیز بھی نہ رہیگی کہ وہ غور کرسکے کہ میں کون ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیے چراغ کو دیکھ کر پروانے جس طرح ہر طرف سے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اور ایک دوسرے پر تہ بتہ گرتے جاتے ہیں یہی حال انسانوں کا ہوگا۔ پتنگوں کی کثرت، ان کا انتشار ان کی ذلت وحقارت، اور آمد و رفت کی بے قاعدگی، اور ہر طرف سے اُڑ اُڑ کر چراغ کے اطراف جمع ہونا جو منظر پیش کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ اضطراب وانتشار کے

عالم میں داعی کی دل دہلا دینے والی آواز پر ہر سمت سے لوگوں کا دیوانہ وار اکٹھا ہونا ایک خاص سماں پیش کرے گا۔

کالعھن المنفوش کی تفسیر

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۔ اور ہوجائینگے پہاڑ مانند دھنی ہوئی رنگین روئی یا اون کے؛ یعنی یا تو پہاڑوں کا ثقل ہی جاتا رہیگا۔ اور جیسے روئی کے گالے ہوا میں ادھر اُدھر اڑتے نظر آتے ہیں اس دن بڑے بڑے عظیم الشان پہاڑ اُڑتے دکھائی دیں گے۔ یا یہ کہ پہاڑوں کا ثقل تو بدستور ان میں موجود ہوگا مگر ہوا اس زور کی ہوگی کہ تمام عالم تہ و بالا ہوگا اور بلند بلند پہاڑ اپنی جگہ سے نکل کر روئی کے رنگ برنگ گالوں کی طرح اڑتے جائیں گے۔ روئی کی رنگا رنگی پہاڑوں کے رنگ کے لحاظ سے ہوگی کیونکہ پہاڑ رنگ برنگ کے ہیں۔ سیاہ، سرخ، سبز، سفید وغیرہ۔ جب وہ ہوا میں اُڑتے رہیں گے تو روئی کے رنگین گالوں کی طرح نظر آئیں گے۔ جب بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح دکھائی دیں گے تو انسان کا پروانے کی طرح ہونا کونسی تعجب کی بات ہوگی۔ اسی سے قیامت کی ہولناکی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسی نازک اور کٹھن ساعت کے آنے میں تو کوئی کلام ہو نہیں سکتا۔ منکرین لاکھ انکار کریں مگر یہ ساعت اپنے وقت پر آکر رہیگی۔ جب آنا مسلم ہوا تو اس کی

ہولناکی سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔ کیونکہ انسان کی عقل

ایسے مواقع پر رہنمائی کرتی ہے کہ بچاؤ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے تو اس کو ہاتھ سے

جانے نہ دیا جائے۔ اسی کے مدنظر ارشاد باری ہو رہا ہے:۔

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ فَھُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ 101-

پھر جس کا پلہ بھاری ہو گا وہ من مانے عیش میں ہو گا" 101-

میزان عدل اور وزن اعمال

قیامت کے ابتدائی احوال یعنی تمام لوگوں کی پروانہ وار سراسیمگی اور پریشانی اور پہاڑوں کا روئی کے گالوں کی

طرح اُڑنا یہ کیفیات عام طور پر ظہور پذیر ہونے کے بعد انسانوں کے دو گروہ

ہو جائیں گے۔ ایسا اس وقت ہو گا جبکہ اُن کے اعمال تولے جائیں گے۔ اور تولنے

کے لئے میزان عدل رکھی جائے گی۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے:۔

و نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا۔ اور ہم

قیامت کے دن میزانات عدل قائم کریں گے۔ پھر کسی نفس پر کچھ بھی ظلم نہ ہو گا"

جس نے جیسا عمل کیا ہو گا اس کا ٹھیک ٹھیک وزن' میزان عدل بتا دے گی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ انہ میزان لہ لسان و کفتان لا یوزن

فیہ الا الاعمال۔ یقیناً وہ سچ مچ ترازو ہو گا جس میں ایک "چوٹی" اور

دو پلڑے ہوں گے۔ اس ترازو میں صرف اعمال ہی تولے جائیں گے " تاکہ علی روس الاشہاد ہر ایک کے اچھے بُرے عمل کا وزن اور اس کی قدر و قیمت نمایاں ہو جائے۔ اور کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے :۔ الوزن حقٌّ والمیزان الحق۔ اعمال کا تولا جانا حق ہے اور اس کے لئے میزانِ عدل قائم کیا جانا بھی حق ہے " اللہ سبحانہ کا ارشاد بھی یہی ہے : الوزن یومئذ الحق۔ اس دن (یعنی روز قیامت اعمال کا) تولا جانا حق ہے "

ثقلت موازینہ کی تفسیر

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فھو فی عیشۃ راضیۃ

پھر جس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوگا وہ اپنی پسند کے مطابق عیش میں ہوگا " یعنی اس سے کہا جائے گا کہ تم جیسی زندگی اور گزران چاہتے ہو اس کے مطابق سب کچھ تمہارے لئے مہیا کر دیا جائے گا۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت قائم ہونے کے بعد کا عالم جس کو عالم آخرت کہتے ہیں اس کی شان ہی اور ہوگی بلند و بالا عظیم الشان پہاڑوں کا وزن تو بے حقیقت ہو کر رہ جائے گا۔ اس دن ثقل اور وزن کسی چیز کا ہوگا تو عمل کا۔ اور اعمال میں سے بھی عمل خیر کا۔ دنیا میں اعمال اعراض کی قسم میں شمار ہوتے ہیں جن کا کوئی وزن نہیں ہوا کرتا مگر عالم آخرت کی کیفیت ہی جداگانہ ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اعمال نامے تولے جائیں گے۔ کسی نے

فرمایا کہ ہر عمل کو اس کی مناسبت اور موزونیت کے لحاظ سے جوہری شکل میں نمودار کیا جائے گا۔ اعمال خیر ہیں تو پاکیزہ اچھی شکل میں اور اگر برے عمل ہوں تو کریہ المنظر بخس صورت میں، بہرحال اعمال تولے جائیں گے جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا یہ علامت اس کے مومن صالح ہونے کی ہوگی جس نے مدۃ العمر اپنی مرضی کو مرضیٔ الٰہی کے تابع بنائے رکھا تھا اور وہ کام کرتے تھے جو اس قابل ہیں کہ ان کو خاطر میں لایا جائے اور ان کی قدر کی جائے آج اس سے کہا جائے گا کہ تم جیسی زندگی اور جیسا سامان اپنے لئے پسند کرتے ہو ہم تمہاری مرضی کے مطابق سارے انتظامات کئے دیتے ہیں۔

موازین بصیغہ جمع کی توجیہ | میزان جس سے اعمال تولے جائیں گے وہ تو ایک ہی ہوگی لیکن موازین بصیغہ جمع جو ارشاد ہوا ہے وہ اشخاص کے اعتبار سے ہے جن کے اعمال وزن کئے جائیں گے۔ یا ایک ہی شخص کے مختلف اعمال (نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ) کے جدا جدا طور پر تولے جانے کے اعتبار سے ہے۔ ہر تول کا وزن الگ الگ ہوگا۔ اور یہ سب مل کر برائی کے پلہ پر غالب ہو جائیں تو یہ اس کی کامیابی کی صورت ہوگی۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موازین (آلات وزن کشی) متعدد ہوں گے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ اس صورت میں کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

ایمان سے وزن پیدا ہوتا اور اخلاص سے وزن بڑھتا ہے | یہاں یہ بات بھی

ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عمل کا وزن ایمان پر منحصر ہے اگر ایمان کے ساتھ عمل ہے تو
اس عمل میں وزن بھی ہو گا والا فلا۔ اور اخلاص کی وجہ سے وزن میں زیادتی ہوتی ہے
تھوڑا سا عمل جو خالصاً لوجہ اللہ ہو ان اعمال سے زیادہ وزنی ہے جن میں اخلاص نہ ہو
پھر اخلاص کے بھی مدارج ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لو ان اہل السماوات السبع والارضین السبع
فی کفۃ ولا الہ الا اللہ فی کفۃ مالت بہم۔ (ابن حبان، نسائی بزاعن ابن عمرؓ)
اگر ساتوں آسمانوں اور ہفت اقلیم کے ساکنین ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں
اور لا الہ الا اللہ ایک پلڑے میں ہو تو لا الہ الا اللہ کا پلڑا ہی ان سب پر
غالب ہو گا۔" حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ لا الہ الا اللہ کی فضیلت کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:۔
ھی التی علمہا نوح ابنہ فان السموات لو کانت فی کفۃ لرجحت بہا
ولو کانت حلقۃ لضمتہا۔ (ابن ابی شیبہ) یہ وہ کلمہ طیبہ ہے جس کی حضرت
نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے (ابو العرب حضرت سام) کو (جنہیں حضرت نوح
علیہ السلام نے اپنے بعد اپنا وصی قرار دیا تھا) تعلیم دی کہ اگر تمام آسمان ترازو کے
ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور لا الہ الا اللہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں ہو تو

یہ آخری پلہ ہی جھک جائے گا۔ اور اگر تمام آسمانوں کو ایک حلقہ قرار دیا جائے اور اس پر کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کو رکھ دیا جائے تو اس کے بوجھ سے آسمانوں کا حلقہ دب جائے گا۔" اس سے ثابت ہوا کہ اعمال کا اصل ثقل اور وزن ایمان سے ہے اگر یہ نہیں تو عمل کا کوئی وزن نہیں۔ اس کے بعد درجہ ہے اخلاص کا یعنی مومن اگر کوئی عمل خیر کرتا ہے تو اس کا وزن اس کے اخلاص کے لحاظ سے ہوگا جس درجہ اخلاص ہوگا اس درجہ اس کا وزن ہوگا۔ جیسا کہ حدیث اعمال میں بتایا گیا ہے کہ ہر نیکی کا اجر دہ گونہ سے سات سو تک۔ پھر فضل الٰہی بھی ساتھ ساتھ ہے کما قال تعالیٰ واللہ یضاعف لمن یشاء۔ اور اللہ جس کو چاہے اپنے فضل سے اضعافا مضاعفۃ اجر مرحمت فرمائے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۭ اور رہا وہ 101-8
101-9
جس کی تولیں ہلکی ہوئیں تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے۔"

خفت موازینہ کی تفسیر

رہا دوسرا گروہ جن کا پلہ ہلکا رہا اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کے اعمال نامہ میں کوئی نیکی درج ہی نہ تھی اور دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ نیکیاں لکھی تو ہیں مگر برائیوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ برائی کا پلہ ہی غالب ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کا ٹھکانا گڑھا ہوگا

کیونکہ ایسا شخص یا کافر ہوگا یا منافق ۔ اوپر عرض کیا گیا ہے عمل کا وزن ایمان سے ہے جس سے کافر اور منافق عاری ہے ۔ تو وہ کیسے ہی اعمال خیر کرتا رہے اس کے اعمال میں ثقل ہی نہیں ۔ فحبطت اعمالھم ۔ فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزناً ۔

ھاویہ کی تفسیر حضرت قتادہ نے ھاویۃ کی تفسیر میں فرمایا : ۔ ھی النار ماواھم وامھم ومصیرھم ومولاھم ۔ (عبد بن حمید ابن جریر) وہ دوزخ کی آگ ہے جو ان کا ٹھکانا بنے گی اور ان کی اصل ثابت ہوگی اور ان کا مرجع قرار پائے گی اور ان کا دوست اور آقا کہلائے گی ۔ ماویٰ (ٹھکانا اور جائے پناہ) اس اعتبار سے کہ ہر شخص کا ایک ٹھکانا ہوتا ہے ۔ انسان روزانہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں نکلتا اور تمام دنیا میں دن بھر پھرتا اور شام کو اپنے ٹھکانے پر آتا ہے اسیطرح یہ شخص بھی ہے کہ اس کا ٹھکانا دوزخ تھا ۔ وہاں سے نکل کر دنیا بھر میں پھرتا رہا جب وقت آخر آیا تو اپنے ٹھکانے پر آ کر پناہ لی ۔ اسیطرح اُم کی تفسیر سمجھ لی جائے کہ دوزخ ماں تھی اور دوزخی اس کا بچہ ۔ دن بھر باہر کھیلتا رہا آخر اپنی ماں کی گود میں پناہ لی ۔ مصیر اور مولیٰ کی تفسیر کو بھی اس پر قیاس کر لیا جائے ۔

ارواح کی ملاقات حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں : ۔ اذا قبضت نفس العبد تلقاھا اھل الرحمۃ من عباد اللہ کما یلقون البشیر فی الدنیا

فیقبلون علیه لیسألوہ فیقول بعضهم لبعض انظروا اخاکم حتی یستریح فانه کان فی کرب فیقبلون علیه یسألونه ما فعل فلان ما فعلت فلانة هل تزوجت فاذا سألوہ عن الرجل مات قبله قال لهم انه قد هلك فیقولون انا لله وانا الیه راجعون ذهب به الی امه الهاویة فبئست الام وبئست المربیة ۔ (ابن المبارک) جب بندے کی روح قبض کی جاتی ہے تو بندگان خدا جو اللہ سبحانہ کی رحمت میں ہیں اس سے ملنے آتے ہیں جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے کہ کوئی دور سے آیا اور کوئی خوشخبری لایا ہو تو لوگ اس سے ملنے آتے ہیں۔ چنانچہ لوگ آتے ہیں تاکہ اس سے حالات دریافت کریں پس اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کو دیکھنے جاؤ تاکہ اسکو راحت حاصل ہو کیونکہ وہ اب تک سختی میں تھا۔ یہ کہنے پر سب لوگ اس کے پاس آتے اور حالات دریافت کرتے ہیں کہ فلاں شخص کیا ہو گیا اور فلاں عورت کیا ہو گئی؟ کیا اس کی شادی ہو گئی؟ (غرض اس قسم کے سوالات کرتے جاتے ہیں اسی سلسلے میں اگر وہ کسی ایسے شخص کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جو اس مرنے والے سے پیشتر ہی مر چکا ہو تو ان سے کہہ دیتا ہے کہ وہ تو پیشتر ہی ہلاک ہو چکا۔ یہ سنتے ہی وہ انا للہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کو "ہاویہ" میں پہنچا دیا گیا جو اس کی ماں تھی۔ وہ بہت

بری ماں اور بری تربیت کرنے والی ہے "یعنی دوزخ میں عذاب ہی عذاب ہے۔
اسی مضمون کی روایات حضرت انسؓ، حسن بصریؒ وغیرہم سے بھی مروی ہیں۔

زندوں کے احوال سے ارواح کا باخبر ہونا

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:۔ عن سعید بن جبیر انہ قیل لہ ھل یاتی الاموات اخبار الاحیاء قال نعم ما من احد لہ حمیم الا یاتیہ اخبار اقاربہ فان کان خیراً سر بہ وفرح بہ وان کان شراً ابتاس لذلک وحزن حتی انھم لیسألون عن الرجل قد مات فیقال الم یأتکم فیقولون لقد خولف بہ الی امہ الھاویۃ (ابن المبارک) حضرت سعید بن جبیرؓ سے دریافت کیا گیا کہ مرے ہوئے لوگوں کے پاس کیا زندوں کی خبریں آتی رہتی ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں آیا کرتی ہیں۔ کوئی کسی کا دوست ہوتا ہے تو اس کے پاس اسکے قرابتداروں کے احوال (روزانہ مرنے والوں کے ذریعہ) آتے رہتے ہیں۔ اگر اچھی خبر آتی ہے تو وہ اس سے مسرور ہوتے اور خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور اگر بری خبر آتی ہے تو وہ اس سے دلگیر اور غمگین ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ سلسلہ بہ سلسلہ کیفیات دریافت کرتے ہوئے کسی ایسے شخص کا حال بھی دریافت کرجاتے ہیں جو اس سے پہلے ہی انتقال کرچکا ہے تو وہ (نووارد بندہ) کہتا ہے کیا وہ آپ لوگوں کے پاس ابھی تک نہیں آیا؟

یہ سنتے ہی وہ (سمجھ جاتے ہیں کہ وہ بیشتر ہی ہو چکا اور یہاں نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ)
اس کو اپنی ماں کے پاس جو "ھاویہ" ہے سر کے بل پہنچا دیا گیا ہے۔"

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا هِيَهۡ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ اور کیا سمجھا آپ نے کہ 101-10
101-11
وہ (ہاویہ) کیا ہے؟ آگ ہے دہکتی ہوئی۔"

ھاویہ کی ہولناکی یعنی ھاویہ جس کا بیان اوپر گزرا اے نبی کریم! آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ ھاویہ کیا ہے؟ بظاہر دیکھنے کو تو ایک گڑھا ہے لیکن اسکی حقیقت یہ ہے کہ بس آگ ہی آگ ہے دہکتی ہوئی۔ ٹھنڈی ہونے کا نام نہیں۔ ہر آن اور ہر لمحہ دہکتی ہی جاتی ہے۔ ایسی آگ نہ کبھی دیکھی جا سکی اور نہ کہیں سننے میں آئی۔ دنیا میں جو کچھ اس سلسلہ میں دیکھا یا سنا گیا ہے اس کا حال یہ ہے کہ ہر ایک نوع کی آگ ایک وقت سلگائی جاتی ہے تو دوسرے وقت بجھائی بھی جاتی ہے۔ اگر بجھائی بھی نہ جائے جیسے آتش کدہ کی آگ تو جس ایندھن سے اس کو روشن کیا گیا ہے اسکے ختم ہوتے ہی وہ آگ خود بخود سرد پڑ جاتی ہے تاآنکہ اوس میں دوسرا ایندھن نہ ڈالا جائے مگر ہاویہ اُس آگ کا گڑھا ہے جو کبھی بجھی ہے نہ بجھے گی بلکہ اس کی شدت میں دمبدم اضافہ ہی اضافہ ہوتا رہے گا۔ نسأل اللہ منھا العافیۃ۔ آمین۔

بحث وزن اعمال آخر پر وزن اعمال کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہے۔

حضرت سیدنا ابن عباسؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ میزان عدل کی ایک چوٹی اور دو پلے ہوں گے" نیز حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : خلق اللّٰہ عزّ و جلّ کفتی المیزان مثل السماء والارض ۔ (ابن مردویہ) خدائے عزوجل نے میزان عدل کے دونوں پلے آسمان اور زمین کے مانند وسیع و کشادہ بنائے ہیں" جس میں تمام بنی آدم کے اعمال از آدم تا ایں دم تولے جائیں گے۔ ہر ایک شخص کے وہ تمام اعمال جو اس نے عمر بھر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کئے تھے۔ وزن اعمال کا حکم عام ہے کافر، منافق، مومن، فاسق، سبھی اس میں داخل ہیں۔

عرض فقیر جب کسی چیز کے تولنے کا ذکر آتا ہے تو تصور میں ہمیشہ یہ بات آتی ہے کہ تمام سامان وغیرہ ترازو میں تولے جاتے ہیں اور اس کے دو پلے ہوتے ہیں۔ مگر اب سائنس کی مادی دنیا میں ناپ تول کے اتنے مختلف پیمانے نکلے ہیں کہ انکو دیکھنے کے بعد اعمال و افعال و کلام اچھے برے یہ سب محفوظ ہوئے جا رہے ہیں۔ تولے جا رہے ہیں، ناپے جا رہے ہیں۔ ان کے اندازے کئے جا رہے ہیں۔ رتی برابر بلکہ ذرات تک بھی حسابی حدود سے باہر نہیں رہے مثلاً انسان کے ایک بخار ہی کی کیفیت کو لیجئے جب تک مقیاس الحرارۃ ایجاد نہیں ہوا تھا بخار کا ناپنا یا تولنا مشکل

نظر آتا تھا۔ مگر اب روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان کی حرارت غریزی جب صحت کی حالت میں ہو تو اس کو نارمل کہتے ہیں۔ پارہ ۹۸ ½ رہتا ہے جب مزاج میں کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے تو وہی پارہ حد اعتدال سے بڑھ جاتا یا گھٹ جاتا ہے جس کو خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ اس حرارت کو ہم مقیاس الحرارت کے ذریعہ تول لیتے ہیں ناپ لیتے ہیں۔ اس مقیاس الحرارۃ کو زبان کے نیچے رکھ کر یا بغل کے نیچے رکھ کر آدھے منٹ میں کہہ دیتے ہیں کہ حرارت اتنی ہے۔ اسی طرح جب حرارت غریزی انسان کے جسم سے رفتہ رفتہ کم ہونے لگتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ پارہ ۹۵ ہوا۔ اگر اس سے بھی نیچے گر جائے تو اس کو جان کا خطرہ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ایک میزان ہے۔ ناپ تول ہے۔ اسی طرح سردی گرمی معلوم کرنے کے بھی مقیاس ہوتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آج پارہ حرارت ۱۰۱ ہے یا ۱۱۰ ہے شدید گرمی ہے۔

ہوائی جہاز طیارے فضا سما میں ہزاروں میل کا سفر کرتے ہیں اور انہیں پیمانوں کے ذریعہ یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ طیارہ اتنی بلندی پر ہے اس رفتار سے جارہا ہے۔ جب انسان ضعیف البنیان نے اپنے علم ناقص کے زور سے پیمانوں اور ترازوؤں اور میزانوں کے اس طرح مختلف النوع ایجادات کرلئے ہیں اور یہ روزانہ کے مشاہدات ہیں نیز رکاڈوں کے ذریعہ آواز کا حسن و قبح اس کی بلندی و پستی۔ زبانوں کا اختلاف

ترکی، ایرانی، افغانی، اردو، عربی یہ سب آوازیں اعراض ہیں مگر سب کا رکارڈ محفوظ ہوتا ہے ان رکارڈوں کے ذریعہ ہی آوازوں کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ کتنی بلند ہے اور کتنی پست ہے کیسی سریلی ہے اور کیسی کرخت ہے۔ یہ ہیں آوازوں کے پیمانے۔

پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اعمال حسنات وسیئات تولنے کے لئے دو پلے والی ترازو ہی کو مخصوص قرار دیں۔ میزان کیسی ہے اسکو علم الٰہی کے حوالہ کرنا ہی اولیٰ ہے۔

اہل محشر کے طبقات علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے اہل السنۃ والجماعۃ نے تمام لوگوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں۔ ایک طبقہ متقین ابرار کا جن سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا۔ صغیرہ کا کیا ذکر کہ ان کا کفارہ ہوتا ہی رہا۔ ایک ایک نیک کام کیا گیا تو ان الحسنات یذھبن السیئات کے بموجب صغائر دور ہوتے رہے۔ قیامت میں ان کے اعمال تولے جائیں گے تو نورانی روشن پلہ جس میں نیکیاں ڈالی جائیں گی جھک جائے گا۔ اور ظلمانی تاریک پلہ خالی ہی ہوگا اس لئے وہ اوپر اٹھ جائے گا۔ دوسرا طبقہ کفار کا، ان کا کفر اور معاصی ظلمانی پلے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس کے ساتھ اگر کسی کافر نے کچھ نیک کام بھی کئے تھے۔ جیسے صلہ رحمی وغیرہ تو وہ دوسرے پلے میں ڈالے جائیں گے۔

مگر ظاہر ہے کہ کافر کتنی ہی نیکیاں کرے آخرت میں ان کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا کیونکہ دنیا ہی میں اس کا بدلہ دے دیا گیا ہوگا ولو بالفرض کچھ وزن تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان کا وزن کفر کے مقابلے میں بے حقیقت اور ہیچ ہوگا جیسا کہ صحیحین کی حدیث شریف ہے۔ حضور اقدس و اشرف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہ لیاتی الرجل العظیم السمین یوم القیامۃ لا یزن عند اللّٰہ جناح بعوضۃ ثم قرأ فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا۔ ایک ایک قد آور موٹے چکنے کافر کو قیامت کے دن لایا جائے گا مگر اللہ سبحانہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی اس کا وزن نہ ہوگا۔ پھر آپ نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی (جو اوپر سنائی گئی جس کا ترجمہ یہ ہے) قیامت کے دن ان کفار کا ہم کچھ بھی وزن شمار نہ کریں گے" اللہ سبحانہ کے نزدیک جب کافر کی ہی کوئی قدر نہیں تو اس کے عمل کا کیا ٹھکانا ہوگا؟ حبطت اعمالھم۔ تیسرا طبقہ فساق مومنین کا ہوگا۔ جن کی نیکیاں ترازو کے نورانی روشن پلے میں اور برائیاں ظلمانی تاریک پلے میں ڈالی جائیں گی۔ اس کے بعد اگر حسنات کا پلہ غالب رہا تو اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اگر برائیوں کو غلبہ رہا تو اس کا فیصلہ مشیئت الہٰی پر موقوف رہیگا اگر اللہ سبحانہ چاہے تو بقدر گناہ اس کو سزا دے اور اگر چاہے تو اس کو بخش دے

اور داخل جنت فرمائے۔ اور اگر دونوں پلڑے مساوی رہیں ایک کو دوسرے پر غلبہ اور ترجیح نہ ہو تو ان کا مقام اعراف ہوگا۔ جہاں ایک طرف جنت کو دیکھکر ترستے اور دوسری طرف دوزخ کو دیکھ کر سہمے رہیں گے۔ اسی حالت میں ایک عرصہ تک گزاریں گے۔ پھر فضل الٰہی سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ایسا اس صورت میں ہوگا جبکہ گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔ اور اگر حقوق العباد متعلق ہوں تو نیکیاں کاٹ کاٹ کر صاحب حق کو دلائی جائینگی جس کی حق تلفی کی گئی تھی۔ اگر نیکیاں تمام کی تمام دے دی گئیں پھر بھی حقوق العباد کی تلافی نہ ہوسکی تو جن کی حق تلفی کی گئی ان کی برائیاں اس ظالم کے اعمال میں منتقل کردی جائینگی اور اس کی سزا بھگتنی ہوگی اس کے بعد کہیں ایمان کی بدولت اس کا چھٹکارا ہوگا۔

مضمون صدر کی تائید حضرت احمد بن حرب فرماتے ہیں: یبعث الناس یوم القیامۃ ثلاث فرق فرقۃ الاغنیاء بالاعمال الصالحۃ وفرقۃ الفقراء وفرقۃ الاغنیاء ثم یصیرون فقراء مفالیس بالتبعات۔ (مظہری) قیامت میں قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد لوگ تین گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک گروہ اغنیا کا ہوگا جن کی غنا و تونگری اعمال صالحہ کی بدولت ہوگی یعنی ان کے اعمال صالحہ اتنے ہوں گے جو ان کی نجات کے لئے کافی ہوں گے۔

اور ایک گروہ خالی ہاتھ والوں کا ہوگا کہ انھوں نے دنیا میں آکر کچھ بھی نہیں کمایا
جیسے خالی ہاتھ آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ اور ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو
تھے تو اغنیاء مگر ان کے ذمہ لوگوں کے اتنے حقوق لگے ہوئے ہوں گے کہ ان کی
پابجائی ان کے اعمال صالحہ سے کرتے کرتے نوبت یہاں تک پہنچ جائیگی کہ یہ بھی
خالی ہاتھ مفلس رہ جائینگے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حقوق العباد کی اہمیت حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں:۔ انک ان
تلقی اللہ تبارک و تعالی بسبعین ذنبا فیما بینک وبینہ اھون
علیک من ان تلقاہ بذنب واحد فیما بینک وبین العباد۔
اگر تم حقوق اللہ سے متعلق ستر گناہ کرکے اللہ سبحانہ سے جا ملو تو یہ بہت آسان ہے
اس کے مقابلے میں کہ حقوق العباد سے متعلق ایک گناہ کرکے اللہ پاک سے
جا ملو۔ یہ اس لئے کہ اللہ سبحانہ غنی کریم ہے۔ اگر ستر گناہ بھی کرکے جاؤ تو
امید ہے کہ عفو و مغفرت سے کام لے۔ لیکن کسی بندے سے کیا توقع ہوسکتی ہے
کہ وہ اپنی ایک رتی یا ایک پائی چھوڑ دیگا۔ واللہ الغنی وانتم الفقراء۔

میزان کی نزاکت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا:۔
یحاسب الناس یوم القیامۃ فمن کانت حسنا تہ اکثر من سیئاتہ

بواحدۃ دخل الجنۃ ومن کانت سیئاتہ اکثر من حسناتہ دخل النار۔ قال وان المیزان یخف بمثقال حبۃ ویرجح ومن استوت حسناتہ وسیئاتہ کان من اصحاب الاعراف فوقفوا علی الصراط۔ (مظہری) قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کا حساب کیا جائے گا۔ جس کی برائیوں پر ایک نیکی بھی زائد ہوگی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اگر ایک برائی بھی زیادہ ہوگی تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ میزان عدل اس شان کا صحیح تول بتانے والی ہوگی کہ ایک حبہ بھی ہو تو پلہ اٹھ جائے گا اور اگر ایک حبہ زائد ہو تو پلہ جھک جائیگا۔ اور جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں تو (ترازو کے دونوں پلے برابر ہوں گے اور) وہ اہل اعراف میں شامل ہوکر پل (صراط) ہی پر روک دیا جائے گا ؎ نہ آر نہ پار۔ تا آنکہ اس زحمت میں کسی برائی کی تلافی ہو جائے تو نیکی کا پلہ جھک جائے گا اور وہ جنت میں جا داخل ہوگا۔

وہ لوگ جن کے اعمال تولے نہیں جائینگے

علامہ قرطبی یہ بھی فرماتے ہیں کہ میزان عمل ہر شخص کیلئے قائم نہیں کی جائے گی کیونکہ ایسے اصحاب بھی ہیں جن کی نسبت نصوص قطعیہ میں صراحت ہے کہ وہ بغیر کسی حساب و کتاب کے جنت میں بھیج دئے جائیں گے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے فرمایا:۔ السبعون الف الذین یدخلون الجنة بغیر حساب لا یوضع لھم میزان ولا یاخذون صحفا انما ھی براءة مکتوبة ھذہ براءة فلاں بن فلاں۔ ستر ہزار ایسے ہوں گے جو بغیر کسی حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ان کے اعمال تولنے کے لئے ترازو قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو گی اور نہ ان کو اپنا نامۂ اعمال لئے پھرنے کی حاجت ہو گی۔ صرف ایک براءت نامہ تحریر کیا ہوا ساتھ ہو گا جس پر لکھا ہو گا:۔ یہ فلاں بن فلاں کی براءت اور نجات کی دستاویز ہے " یہ وہ لوگ ہیں کہ اذا رأوا ذکر اللہ۔ ان کو دیکھتے ہی خدا یاد آجاتا ہے " اسی طرح انتہائی بد یعنی کفار فجار کے لئے بھی ناپ تول کی ضرورت نہ ہو گی کیونکہ ان کا نتیجہ معلوم ہے۔ کما قال تعالیٰ یعرف المجرمون بسیماھم فیوخذ بالنواصی والاقدام گنہگار مجرم اُن کے بشرے سے پہچانے جائیں گے پھر ان کو پیشانی (کے بال) پکڑ کر اور کسی کو ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹا جائے گا"

اہل بلا کے اعمال بھی نہیں تولے جائینگے

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تنصب الموازین ویوتیٰ باھل الصلاۃ فیوفون اجورھم بالموازین ویوتیٰ باھل الحج فیوفون اجورھم بالموازین ویوتیٰ باھل البلا فلا ینصب لھم میزان ولا ینشر لھم دیوان ویصب لھم الاجر صبا بغیر حساب حتی یتمنیٰ اھل العافیۃ انھم کانوا فی الدنیا تقرض اجسادھم بالمقاریض مما یذھب بہ اھل البلاء من الفضل۔ وذلك انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ (اصبہانی) ترازو نصب کئے جائیں گے اور نمازیوں کو لایا جائے گا پھر (ان کی نمازوں کا) اجر تول تول کر پورا پورا دیدیا جائیگا۔ اور حجاج کو لایا جائے گا ان کو بھی ادائیگی حج کا پورا پورا اجر تول تول کر دیدیا جائے گا۔ (اسی طرح روزہ، زکاۃ، اور تمام طاعات و عبادات، خیرات و مبرات کا ثواب وزن کرکے اہل خیر کو دیا جائے گا۔) پھر ان اصحاب کو لایا جائے گا جو بلاؤں میں مبتلا اور مصائب و آلام کا شکار بنے رہے۔ ان کے لئے ترازو نصب نہیں کئے جائیں گے اور نہ ان کا دفتر اعمال کھولا جائے گا (کیونکہ ان بزرگوں پر جو کچھ گزری کراماً کاتبین کو انکی

کیا خبر؟ وہ نامۂ اعمال میں لکھتے تو کیا لکھتے اور قیامت میں اس کا اجر مشخص کرتے تو تشخیص اجر کا معیار کیا ہوتا؟ اس لئے حکم ہوگا کہ اہل بلاء کو اجر بے حساب دو۔ چنانچہ ان کو بے حساب اجر بھر بھر کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جن کی زندگی عافیت و آرام کے ساتھ گزری ان کو تمنا ہوگی۔ کاش! دنیا میں ہمارے جسم کی ایک ایک بوٹی قینچیوں سے کتر دی جاتی (اور ہم اس کی تکلیف اٹھاتے) اور مبتلایان بلا جیسا بے حساب اجر فضل الٰہی سے لے جا رہے ہیں ہم بھی لے جاتے۔ اس کا ثبوت اس آیۂ کریمہ میں موجود ہے:۔ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ صرف صبر کرنے والے ہی وہ (مبارک گروہ) ہیں جن کو (اپنے صبر کا) پورا پورا اجر بے حساب بھر بھر کر دیا جائے گا۔" اس حدیث شریف میں موازین بصیغہ جمع نصب کیے جانے کی صراحت ہے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور حدیث شریف سے بھی جو حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے جس کو طبرانی اور ابویعلی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے حدیث بالا کی تائید ہوتی ہے۔

اہل بلا کے اقسام اہل بلا صرف وہی نہیں جو آفات و آلام میں مبتلا رہے ان میں وہ عاشقان خدا اور رسول بھی ہیں جو حب فی اللہ کے میدان میں طرح طرح کی آزمائشوں کا نشانہ بنے رہے۔ پھر ان آزمائشوں میں نہ صرف صبر و استقامت کا

ثبوت دیا بلکہ ایک ایک امتحان کو خوشی خوشی گوارا کیا اور اس سے اس طرح راضی اور خوشنود رہے جیسے کسی عطا پر انسان راضی رہتا ہے' علمائے ربانیین جو ایک ایک مسئلہ کی تلاش میں راتوں رات' دنوں دن مشغول و منہمک رہے۔ اور صوفیائے کرام جو دوام ذکر اور ذات و صفات باری میں مستغرق رہے یہ بھی انھیں اہل بلا میں شامل ہیں۔ اسی طرح ایک گروہ اہل بکا کا ہے تضرع وزاری ان کی صفت ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ مامن شیئ الا ولہ مقدار و میزان الا اللہ معۃ فانھا یطفی بھا بحارمن نار (بیہقی) ہر چیز کا ایک اندازہ ہے اور اس کا ایک وزن ہے مگر (اہل بکا وکے) آنسو کہ ان کے (ایک ایک آنسو) سے آگ کے کئی سمندر بجھا دئے جا سکتے ہیں۔"

بعض اہل بلا کے اعمال تولے جاتے ہیں

مبتلایان بلیات کے اعمال تولے نہ جانا جو اوپر بتلایا گیا ہے یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔ ورنہ کتب احادیث شریف میں بعض روایات ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بلاء کے اعمال بھی تولے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ بخ بخ بخمس ما اثقلھن فی المیزان لا الٰہ الا اللہ

وسبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر والولد الصالح یتوفی للمسلم فیحتسبہ (نسائی، ابن حبان، حاکم، بزار، امام احمد، طبرانی) کیا ہی خوشی اور مسرت کی پانچ باتیں ہیں کہ میزان میں ان کا وزن نہایت ہی گراں قدر ہو گا۔ پہلا لا الہ الا اللہ کہ اللہ سبحانہ کے سوا پوری کائنات میں کوئی ہستی لائق عبادت نہیں۔ دوسرا سبحان اللہ۔ اللہ سبحانہ کی ذات والاصفات ہر عیب سے اور ہر ایسے وصف سے پاک ہے جو اس کی خدائی کے شایاں نہیں۔ تیسرا کلمہ الحمد للہ۔ ساری تعریفیں اللہ سبحانہ کے لئے مختص ہیں۔ چوتھا کلمہ اللہ اکبر یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اور پانچواں نیک لڑکا کسی مسلمان کا وفات پاتا ہے اور وہ مسلمان (باپ) اس کا اجر اللہ سبحانہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کا ماں باپ کے سامنے انتقال کر جانا جو بڑی بلا اور مصیبت ہے اس کو تولا جائے گا اور اس کا وزن اور بلاؤں کے مقابلے میں زیادہ بھاری ہو گا۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ بلائیں اور امتحانات جو اللہ سبحانہ کی طرف سے لئے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کو ہر کوئی دیکھتا اور جانتا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی مرض میں مبتلا ہو یا پھوڑا پھنسی نکل آئے یا زخم لگ جائے۔ ایسی بلاؤں کو تولا جائے گا۔ دوسری قسم وہ جو کسی کو نظر نہ آئے جیسے درد اور تکلیف، غم و اندوہ

فکر و تردد وغیرہ جو نہ کسی کو دکھایا جاسکے اور نہ اس کو بیان کیا جاسکے۔ ایسی بلاؤں کو تولا نہیں جائے گا۔ جو لوگ ان بلاؤں پر صبر کریں گے ان کو اجر بھر بھر کر دیا جائے گا۔ جس پر دوسروں کو رشک ہو گا۔ واللہ اعلم۔

ایک انصاری صحابی کا تاثر

مسند ابو یعلی میں ایک انصاری صحابی کا واقعہ لکھا ہے جن کو کوئی چیز پچتی نہ تھی۔ اور حالت نازک سے نازک تر ہوتی جا رہی تھی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ مررت بك وانت تصلی المغرب فصلیت معك وانت تقرأ هذه السورة القارعة ما القارعة الی آخرها نار حامية فقلت اللهم ما كان من ذنب انت معذبی علیه فی الآخرة فعجل لی عقوبة فی الدنیا فنزل بی ماتری یا رسول اللہ! ایک دفعہ میں حاضر خدمت ہوا آپ اس وقت نماز مغرب ادا فرما رہے تھے۔ میں نے بھی آپ کے ساتھ نماز

ادا کی۔ نماز میں آپ سورۂ القارعۃ ما القارعۃ پڑھتے ہوئے جب آخری آیت نارٌ حامیۃ تلاوت فرمائی تو میں نے دعا کی۔ الٰہی! مجھ سے جو کوئی گناہ ایسا صادر ہوا ہو جس پر آخرت میں مجھے سزا ملنے والی ہے تو وہ سزا آج ہی دنیا میں مجھے دے دیجئے۔ اس کے بعد ہی میری صورت حال یہ ہو گئی ہے۔

ارشاد اقدس قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بئس ما قلت الّا سألت اللّٰہ ان یؤتیك فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ ویقیك عذاب النار فامرہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فدعا بذلك ودعا لہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقام کانما نشط من عقال۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے جو التجا کی کچھ ٹھیک کام نہ کیا۔ اللّٰہ سبحانہ سے یہ التجا کیوں نہ کی کہ تم کو دنیا میں بھی بھلائی سے ہمکنار کرے اور آخرت میں بھی اچھا سلوک فرمائے اور تم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے؟ پھر ان کو آپ نے حکم دیا کہ خیر اب یہ دعا کرو:— ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

چنانچہ انصاری صحابی نے یہ دعا کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دعا فرمائی۔ پھر کیا تھا کہ ان کی طبیعت اتنی سنبھل گئی کہ کچھ تھا ہی نہیں۔"

الحمد للہ کہ سورۂ قارعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

102 TAKASUR Makky Verses 8

سورۂ تکاثر

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں آٹھ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا ماقبل سے ربط اور مناسبت ظاہر ہے کہ سورت ماقبل کی ابتدا میں قیامت کا بیان فرمایا گیا تھا۔ اور آخر پر وزن اعمال کا۔ اور اس سورت شریفہ میں سوال کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔ سوال دو جگہ ہوگا ایک برزخ میں یعنی قبر میں۔ ایک حشر میں۔ یہاں سوال قبر کا بیان مراد ہو تو ہو سکتا ہے جس کا تعلق عالم ما بعد الموت سے ہے اور اگر سوال یوم آخرت مراد لیا جائے تو ہو سکتا ہے۔ فیصلہ تو سوال آخرت پر ہی ہوگا لیکن سوال قبر کی اہمیت بھی کیا کم ہے؟ روز قیامت بہت بڑا دن ہوگا جو پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اس میں مختلف امور درپیش ہوں گے۔ کہیں حساب و کتاب کہیں سوال و جواب کہیں عذاب و ثواب۔ وزن اعمال کا تعلق حساب و کتاب سے تھا تو اس سورت شریفہ میں سوال و جواب کی اہمیت ظاہر فرمائی جا رہی ہے۔

سورۂ تکاثر مکیہ ہے یا مدنیہ

سورۂ تکاثر مکہ مکرمہ میں نازل ہوا یا مدینہ منورہ میں؟ اس میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ نزلت بمكة سورة الهاكم التكاثر۔ (ابن مردویہ) سورۂ الہاکم التکاثر مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اکثر مفسرین کرام نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے اس لئے ہم نے بھی انھیں کا اتباع کیا ہے۔ ورنہ بعض روایات اور بھی ہیں جن سے اس سورت شریفہ کا مدنیہ ہونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ نزلت فى قبيلتين من قبائل الانصار فى بنى حارثة وبنى الحرث تفاخروا وتكاثروا فقالت احداهما فيكم مثل فلان و فلان و قال الآخرون مثل ذلك فانزل الله تعالىٰ الهاكم التكاثر۔ (ابن ابی حاتم) یہ سورت شریفہ انصار کے دو قبیلوں کے باب میں نازل ہوئی جنھوں نے ایک دوسرے پر باہم تفاخر جتایا اور اپنی کثرت کو پیش کیا تھا۔ ایک قبیلہ کہتا تھا کہ تم میں ہمارے فلاں وفلاں اشخاص کی طرح کوئی ہے؟ تو دوسرا کہتا کیا تم میں ہمارے فلاں فلاں اشخاص کے مانند کوئی ہے؟ تو اس موقع پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس سورۃ شریفہ کو نازل فرمایا۔"

عذاب قبر حق ہے

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔

ما زلنا نشك فی عذاب القبر حتیٰ نزلت الھاکم التکاثر۔ (ترمذی،

ابن جریر، ابن المنذر) عذاب قبر کے باب میں ہم مدت سے شک میں پڑے ہوئے تھے

(کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ قبر کا عذاب حق ہے یا نہیں) تا آنکہ سورۂ

الہاکم التکاثر نازل ہوا۔ (اور اس کے نازل ہونے سے ہمارا شک دور ہوا،

اور قطعی طور پر معلوم ہوا کہ عذاب قبر حق ہے) اور یہی عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ

کا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ عذاب قبر کا مسئلہ مدینہ منورہ میں ہی بیان فرمایا گیا۔

سورۂ تکاثر کی فضیلت حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الا یستطیع احدکم ان یقرأ الف آیۃ فی کل یوم قالوا ومن یستطیع ان یقرأ الف آیۃ قال اما یستطیع ان یقرأ الھاکم التکاثر۔ (حاکم، بیہقی) کیا تم میں کسی سے نہیں ہو سکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھ لیا کرے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ بھلا ایک ہزار آیات کی تلاوت کرنا کس سے ہو سکتا ہے؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا کیا الھاکم التکاثر کا سورہ پڑھنا بھی نہیں ہو سکتا" مطلب یہ کہ سورۂ الھاکم التکاثر کی قرأت، ایک ہزار آیات کریمہ پڑھنے کے برابر ہے۔ اس حدیث شریف سے اس سورت شریفہ کی فضیلت ظاہر ہے کیونکہ تمام قرآن کریم میں ۶۶۶۶)

آیات ہیں تو گویا یہ سورت شریفہ پورے قرآن کریم کا چھٹا یا ساتواں حصہ ہے
روزانہ ایک دفعہ پڑھ کر یہ اجرِ جزیل حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس میں عالمِ برزخ
کی یاد تازہ ہوتی ہے جس سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی ہونا
چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: حب الدنیا رأس کل خطیئۃ
دنیا کی محبت ہی ہر گناہ اور غلطی کی جڑ ہے" جب گناہ کی جڑ ہی کٹ گئی تو کامیابی
یقینی ہوگی۔ اور یہی مطلوب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے"

102-1 اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُۙ
102-2 حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَؕ غفلت میں
رکھا تم کو بہتات نے، یہاں تک کہ تم جا پہنچے قبرستان میں"

مال واولاد کے لالچ کی مذمت

یعنی ہر شخص کو یہی دُھن لگی ہوئی ہے کہ اس کا مال و دولت
دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہو اور اس کا کنبہ، قبیلہ
دوسرے سے بڑھا چڑھا ہو تاکہ دنیا میں غلبہ اور برتری اسی کو حاصل رہے رات دن
بس اسی دھن میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ زندگی ختم ہوئی اور قبرستان جا پہنچے۔
آخرت کا خیال کبھی نہ آیا اور نہ اس پر یقین تھا۔ اور جب صورت حال یہ تھی

تو ظاہر ہے کہ آخرت کے لئے کسی قسم کی تیاری بھی نہیں کی گئی۔ عمر گزری نہ کبھی خدا یاد آیا اور نہ اس کی عبادت کا کبھی خیال پیدا ہوا۔ نہ اس امر پر غور کرنے کا موقع ملا کہ ہم کون ہیں کہاں سے آئے ہیں۔ یہاں کیوں لائے گئے؟ پھر کہاں جانا ہے؟

انسان کا اپنا مال کونسا ہے

حضرت عبداللہ بن شخیرؓ فرماتے ہیں:۔ انتھیت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقرأ الھاکم التکاثر وفی لفظ وقد انزلت علیہ الھاکم التکاثر وھو یقول ابن آدم مالی مالی وھل لك من مالك الاما اکلت فافنیت اولبست فابلیت اوتصدقت فابقیت۔ (طیالسیؒ سعید بن منصورؒ امام احمدؒ عبد بن حمیدؒ ترمذیؒ نسائیؒ ابن جریرؒ ابن المنذرؒ طبرانیؒ حاکمؒ ابن مردویہ) میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو آپ سورۂ الھاکم التکاثر تلاوت فرما رہے تھے۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ آپ پر سورۂ الھاکم التکاثر نازل ہو چکا تھا اور آپ یہ ارشاد فرما رہے تھے:۔ آدم کا ایک ایک فرزند یہ کہتا ہے کہ یہ میرا مال، وہ میرا مال (رات دن اس کو یہی دُھن لگی ہوئی ہے کہ وہ مالی مالی کا وظیفہ پڑھ رہا ہے کہ میرا مال، میرا مال) اور حال یہ ہے کہ (اے نادان!) تیرا مال تو وہی ہے جسکو

تو نے کھالیا اور کھا کر اس کو فنا کردیا۔ یعنی اس سے اپنی خوراک کا انتظام کیا۔ یا یہ کہ اس کو پہن لیا اور بوسیدہ کردیا۔ یعنی اس مال سے پوشاک اور لباس خرید کر پہنتا رہا یہاں تک کہ وہ لباس بوسیدہ ہوگیا تو اس کو اتار پھینکا۔ یا یہ کہ اپنا مال راہ خدا میں خیرات کیا۔ اور اسکو آخرت کا کارآمد ذخیرہ بنایا۔"

پرایا مال کونسا؟ اسی مضمون کی ایک حدیث شریف حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یقول ابن آدم مالی مالی وانما لہ من مالہ ثلاثۃ ما اکل فافنی اولبس فابلی اوتصدق فابقی وما سوی ذلک فھو ذاھب وتارکہ للناس۔ (عبد بن حمید، مسلم، ابن مردویہ) آدم کا بیٹا کہا کرتا ہے کہ میرا مال میرا مال حالانکہ اس کے لئے اس کے مال کے تین ہی حصے ہیں۔ ایک وہ کہ اس کو کھا کر ختم کردے دوسرے یہ کہ پہن کر بوسیدہ کردے۔ تیسرا یہ کہ خیرات کرکے ذخیرۂ عقبیٰ بنالے۔ ان تین صورتوں کے سوا جو مال ہے اس کا یہ حال ہے کہ خود انسان تو چلا جاتا ہے اور جو مال رہ جاتا ہے وہ لوگوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ یعنی ورثا تقسیم کرلیتے ہیں۔

مال کا لالچ اور اس کا علاج حضرت اُبی بن کعبؓ فرماتے ہیں:۔ کنا نری ھذا من القرآن لو ان لابن آدم وادیین مال لتمنی

وادیا ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ثم یتوب اللہ علی من تاب حتی نزلت سورۃ الھاکم التکاثر الی آخرھا۔ (بخاری ابن جریر) ہم جماعت صحابۂ کرام کا یہ خیال تھا کہ لو ان لابن آدم والی حدیث شریف بھی قرآن کریم ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی فرزند آدمؑ کے لئے مال کی دو ندیاں بہہ رہی ہوں (ایک چاندی کی اور دوسری سونے کی) تو پھر بھی اس کی تمنا یہی ہوتی کہ (اسی پر بس نہیں بلکہ) اور ایک تیسری ندی بھی (مال و دولت کی) ہوتی۔ (دو ندیوں سے بھی کبھی اس کا پیٹ نہ بھرتا) اس فرزند آدمؑ کا پیٹ تو صرف مٹی ہی سے بھر سکتا ہے (یعنی قبر میں دفن ہو جانے کے بعد ہی اس کی حرص و آز کا سلسلہ ختم ہو سکتا ہے)۔ ہاں جو اس طمع و لالچ سے) توبہ کر لے تو اللہ سبحانہ اس کی توبہ قبول فرمالیگا۔" (غرض ہم یہی خیال رکھتے تھے) تا آنکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سورۂ الھاکم التکاثر کو آخر تک نازل فرمایا۔" (اس کے نزول سے ہمارے خیال کی اصلاح ہوئی کہ مذکورۂ بالا مضمون قرآن کریم نہیں ہے بلکہ حدیث شریف ہے)

دوسری تفسیر | دوسری تفسیر ان آیات کریمہ کی وہ ہے جس کی جانب اس سورۃ شریفہ کے مدنیہ ہونے کے بارے میں اس کے آغاز پر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی

تفصیل یہ ہے کہ انصار کے دو قبیلے بنی حارثہ اور بنی حرث باہم فخر کرنے لگے کہ مال و دولت اور مردم شماری کے اعتبار سے ہم تم سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح شمار کرنے میں ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آ گیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے قبیلے نے کہا کہ موجودہ لوگوں میں اگرچہ تمہاری تعداد اور تمہارا تمول بڑھا ہوا ہے لیکن سابقہ لڑائیوں میں ہمارے اغنیا اور نامور لوگ زیادہ کام آ چکے ہیں ذرا قبرستان چلو اور ان ناموروں کی قبریں گن لو۔ اس سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ چنانچہ ہر دو قبیلوں کے لوگ قبرستان گئے اور قبروں کی گنتی کرنے لگے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ تمول اور تعداد، خواہ مُردوں کی ہو یا زندوں کی۔ بس صرف اس کا بڑھا ہوا ہونا حقیقت میں کوئی فضیلت نہیں۔ اور نہ اس پر فخر کرنا اور اترانا آخرت میں کسی کے کچھ کام آ سکتا ہے۔ یہ تو غفلت کا پردہ ہے جو ان کی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔ فضیلت اور بزرگی درحقیقت وہ ہے جو آخرت میں کام آئے وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ مذکورہ دو تفاسیر میں سے ہر ایک بجائے خود درست ہے اس لئے ترجمہ میں ہم نے دونوں تفسیروں کی گنجائش رکھی ہے۔ بہرحال

ان آیات کریمہ میں یہ تعلیم دیجا رہی ہے کہ تعداد اور تمول کا آخرت میں کوئی درجہ نہیں
اور نہ اس میں کسی کا فخر کارآمد ہے۔ مال و دولت اس وقت کارآمد ہے جبکہ اس سے
آخرت کو خریدا جائے۔ اور احکام خدا اور رسولؐ کے مطابق اس سے کام لیا جائے
جس کی صراحت اوپر کی گئی کہ خود کھائے اور دوسرے مستحقین کو کھلائے۔ خود پہنے
اور دیگر مستحقین کو پہنائے۔ اگر ایسا نہیں کیا بلکہ گن گن کر اور جوڑ جوڑ کر جمع
کرتا جائے نہ زکاۃ ادا کرے اور نہ صدقہ فطر دے اور نہ قربانی کرے تو ایسا مال
آخرت میں وبال ہے۔ اولاد بھی وہی کارآمد ہوگی جن کو دین سکھایا جائے اور
خدا اور رسول کی طاعت میں لگایا جائے۔ اگر یہ نہ کیا تو ایسی اولاد بھی کسی کام کی
نہ ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:—

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ کچھ نہیں 102-3 102-4

عنقریب تم جان لوگے، پھر (جتا دیتے ہیں) کچھ نہیں تم عنقریب جان لوگے"

کلا سوف تعلمون کی تفسیر یعنی مال و اولاد کی نسبت تمہارا یہ گھمنڈ کہ یہی دو چیزیں
ہمارے کام کی ہیں جبھی تو تم ان کے پیچھے برباد ہو رہے ہو۔
رات دن ان ہی دو چیزوں کی بہتات کا خیال تم پر غالب رہتا ہے اور اسی
کی حرص ہمیشہ تمہارے دامنگیر ہے۔ مگر ہم بتائے دیتے ہیں کہ یہ تمہارا خیال

خیال خام ہے۔ ان میں سے ایک چیز بھی تمھارے کام کی نہیں۔ نہ مال، اور نہ اولاد۔
عنقریب ایک منزل تمھارے لئے درپیش ہونے والی ہے۔ جب وہاں پہنچو گے
تو ہماری یہ نصیحت تم کو یاد آجائے گی۔ یہاں تو تم کو ہماری نصیحت پسند نہیں
اسی وجہ سے تم اس کو دل لگا کر سننا تک گوارا نہیں کرتے ہو لیکن وہاں پہنچکر
تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری نصیحت ہی نہایت مخلصانہ اور خیر خواہانہ تھی
اور تمہارا خیال محض خیال خام تھا۔ وہ منزل قبر کی ہے جس کا تعلق عالم برزخ
سے ہے۔ جہاں سب کو ایک دن پہنچنا ہے۔ وہاں نہ یہ مال ساتھ ہو گا جسکے
بلا امتیاز حلال و حرام سمیٹنے میں تم مشغول تھے۔ اور نہ یہ تمہاری اولاد ساتھ
دیگی۔ مال تو جہاں تھا وہیں رہ جائے گا۔ ورثاء اس کو بانٹ لیں گے۔ رہی اولاد
وہ بھی ساتھ نہ دے سکیگی۔ بہت ہوا تو اتنا ہو گا کہ قبر تک تمہارے ساتھ آئیگی
پھر آگے کچھ نہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم
نے فرمایا:۔ یتبع المیت ثلاثۃ فیرجع اثنان و یبقی معہ واحد
یتبعہ اھلہ و مالہ و عملہ فیرجع اھلہ و مالہ و یبقی عملہ۔
(بخاری شریف) تین چیزیں میت کے پیچھے پیچھے جاتی ہیں، ایک اس کے قرابت دار،
دوسرا اس کا مال، اور تیسرا اس کا عمل۔ ان میں سے اہل قرابت اور مال تو (قبر تک

جاکر) واپس ہو جاتے ہیں اور اس کا عمل میت کے ساتھ رہ جاتا ہے" اسی کے بموجب اس کو جزا ملے گی۔

ثم کلا سوف تعلمون کی تفسیر

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ پھر ہم بتا دیتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال کہ مال و اولاد ہی سب کچھ ہے۔ یہ خیال باطل ہے۔ منزل قبر کے بعد ایک منزل اور ہے وہ بھی زیادہ دور نہیں۔ وہ ہے منزل حشر جس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ منزل قبر کا تو کوئی منکر نہیں مگر منزل حشر کے منکرین کی دنیا میں کمی نہیں۔ یہ منکرین حشر و نشر کا لاکھ انکار کریں مگر ہم بتاکید اکید بتائے دیتے ہیں کہ یہ منزل بھی در پیش ہونے والی ہے۔ جب تم یہاں پہنچو گے تو تم کو خود معلوم ہو جائیگا کہ جن چیزوں کے پیچھے تم تگ و دو کر رہے تھے وہ بیجا کوشش تھی۔ اگرچہ بعض افراد یا جماعتیں یہاں رہ کر بھی عالم برزخ اور عالم آخرت کو خاطر میں لاتے تھے اور اس کا اعتقاد جازم رکھتے تھے لیکن وہاں پہنچنے کے بعد ہر متنفس کو معلوم ہو جائے گا کہ مال و اولاد کے فائدہ دینے کا خیال لغو تھا۔ فرق اس قدر ہے کہ عالم برزخ (قبر) میں جو علم ہوگا وہ اجمالی علم ہوگا وہاں صرف مشاہدہ کرایا جائیگا کہ ہر متنفس کے لئے عالم آخرت (حشر) میں یہ جزا نیک یا بد تجویز کی گئی ہے اور عالم حشر میں جو عالم آخرت ہے ہر متنفس کو ہر چیز کا تفصیلی علم ہوگا۔

تواضع کا حکم اور تفاخر کی ممانعت

حضرت عیاض مجاشعیؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان اللہ اوحی الیّ ان تواضعوا حتّٰی لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد (مسلم شریف) یقین جانو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تم سب تواضع اور فروتنی کی صفت اختیار کرو تاکہ کوئی بھی کسی پر فخر نہ جتانے پائے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرسکے۔" حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لینتھینّ اقوام یفخرون بآبائھم الذین ماتوا انّما ھم فحم من جھنّم او لیکوننّ اھون علی اللہ من الجعل الذی یدھدہ الخرء بانفہ۔ انّ اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انّما ھو مؤمن تقیّ او فاجر شقیّ الناس کلّھم بنو آدم وآدم من تراب (ترمذی، ابوداؤد) جو اقوام اپنے مرے ہوئے باپ دادا پر فخر جتایا کرتے ہیں ان کو اس سے باز رہنا چاہیے۔ ایسا فخر جتانے والے دوزخ کا کوئلہ بنادئے جائیں گے یا اللہ سبحانہ کے نزدیک گوبر کے اس کیڑے سے بھی ذلیل تر شمار کئے جائیں گے جو نجاست کو اپنی ناک سے ڈھکیل کرلے جاتا ہے۔ یقین جانو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی شدت اور خشونت اور آباو اجداد پر فخر کرنے کی عادت

چھوڑ دی۔ اب جو باقی رہ گئے ہیں ان میں کوئی تو پرہیز گار مومن ہے یا کافر فاجر جو سب لوگوں سے کم نصیب ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ تو مٹی سے بنائے گئے تھے۔" پھر ایک دوسرے پر فخر کس بنا پر جتایا جا سکتا ہے؟

فضیلت دین و تقوی سے ہے محض نسب و مال سے نہیں

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:—

انسابکم ھذہ لیست بمسبۃ علی احد کلکم بنو آدم طف الصاع لم یملؤہ لیس لاحد فضل الا بدین وتقوی کفی بالرجل ان یکون بذیاً فاحشاً بخیلاً۔ (امام احمدؒ بیہقی) تمھارے یہ انساب کسی پر فضیلت کا ذریعہ نہیں ہیں تم سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہو۔ ایک ہی پیمانے کے۔ بھرپور پیمانے کا کوئی بھی نہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔ بجز دینداری اور پرہیز گاری کے۔ (تقوی و دینداری کو چھوڑ کر محض انساب کی بنا پر فضیلت جتانے اور اس پر فخر کرنے والے) انسان کی مذمت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ وہ چرب زبانی سے کام لیتا، کھلم کھلا اپنا فخر جتاتا" (اور مال پر فخر کرنے والے) انسان کی برائی کے لئے اس کا بخیل ہونا ہی بس ہے۔"

تفاخر انساب کا انجام

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات

علیہ افضل التحیات وازکی التسلیمات نے فرمایا:۔ اذا کان یوم القیامۃ امر اللہ منادیا ینادی الا انی جعلت نسبا وجعلتم نسبا فجعلت اکرمکم اتقٰکم فابیتم الا ان تقولوا فلان بن فلان خیر من فلان بن فلان فالیوم ارفع نسبی واضع نسبکم این المتقون۔ (طبرانی)

جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ سبحانہ تعالی ندا کرنے والے (فرشتے) کو حکم دیگا کہ وہ یوں منادی کرے:۔ آگاہ ہو میں نے ایک نسب (موجب فضیلت) قرار دیا اور (اس کے برخلاف) تم نے ایک نسب (تفاخر کا ذریعہ) قرار دے لیا چنانچہ میں نے تم میں بزرگ تر اس کو قرار دیا تھا جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو تم نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا مگر یوں کہنا شروع کر دیا کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے وہ فلاں بن فلاں سے کہیں بہتر ہے۔ (چونکہ اس کا باپ اُس کے باپ سے بہتر تھا۔) لہذا آج میں اپنے نسب کی شان بلند کرتا ہوں اور تمھاری من گھڑت کو گھٹا دیتا ہوں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو مجھ سے ڈرتے تھے؟" حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ سبحانہ سے ڈرتا ہوگا اور اس کے حکم پر چلتا ہوگا وہ اہل اللہ ہوگا۔ اللہ سبحانہ سے اس کو ایک خاص انتساب ہوگا۔ پھر کہاں اس حی وقیوم سے نسبت قرب و وصال رکھنے والے۔ اور کہاں اپنے مردہ آباؤ اجداد کا دم بھرنے والے؟

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۵ کچھ نہیں، اگر تم جانتے ہوتے جاننا 102-5

یقین کا۔"

یعنی تمہارا یہ زعم کہ دنیا میں جو کچھ ہے یہی مال اور اولاد ہے۔ اسی کیلئے سب کچھ کرنا ہے۔ ہرگز درست نہیں۔ اگر تم دلائل شواہد سے اس کا علم حاصل کرتے علم بھی ایسا جس سے یقین کامل حاصل ہو تو صاف طور پر معلوم ہو جاتا کہ آخرت کے مقابلے میں ساری متاع دنیا ہیچ اور ناکارہ ہے۔ اور غفلت کا پردہ جو تمہاری عقل و فہم پر پڑا ہوا ہے وہ اٹھ جاتا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ بیسیوں دلائل و شواہد بتادیئے جانے کے باوجود ان پر غور کرنے کے لئے تم کو فرصت ہی نہیں ملتی اور اسی غفلت میں عمر گزرتی جارہی ہے۔ نہ قرآن کریم پڑھتے، نہ احادیث شریفہ دیکھتے اور نہ بزرگوں کی سنتے۔

علم الیقین کی تفسیر علم اگرچہ از روئے لغت یقین کے معنی دیتا ہے لیکن اس کا استعمال کبھی ظن یعنی گمان کے معنی میں بھی ہوتا ہے اس لئے لو تعلمون پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ علم الیقین کا اس پر اضافہ فرمایا گیا۔ جب تک دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائداری کا یقین کامل حاصل نہ ہو غفلت کا پردہ اٹھ نہیں سکتا اور انسان جس گمراہی میں پھنسا ہوا ہے اس سے نکل نہیں سکتا۔ یقین ہی وہ چیز ہے کہ

اگر وہ حاصل ہو جائے تو ساری غفلت دور اور گمراہی کافور ہو۔ دوسری جگہ اللہ سبحانہ نے صاف و صریح طور پر اس مضمون کو بیان فرما دیا ہے:۔ انما الحیوۃ الدنیا لعب و لهو و زینة و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال والاولاد۔ زندگی دنیا یہی کھیل کود، تماشا اور زیب و زینت اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد کی کثرت پر ناز کرنا ہے۔" حالانکہ ان میں سے ایک بھی آخرت میں کار آمد نہیں۔ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر سورۂ حدید میں گزر چکی وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

حضرت قتادہ نے فرمایا:۔ کنا نحدث ان علم الیقین ان یعلم ان اللہ باعث بعد الموت (فریابی، ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ہم سے بیان کیا جاتا رہا ہے کہ علم الیقین یہ ہے کہ یقین کرے اس بات کا کہ اللہ سبحانہ، ہمارے ایک دفعہ مر جانے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے۔" بعث بعد الموت، دین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ بغیر اس کے انسان مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔ الحمد للہ کہ تمام مسلمان اس پر قائم ہیں مگر افسوس کہ دیگر بہتیری اقوام کی سمجھ میں اب تک یہ بات نہ آ سکی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سورت شریفہ میں اول سے آخر تک کفار سے خطاب فرمایا جا رہا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب عام ہو تاکہ جس مسلمان پر نفس و شیطان کے غلبہ سے غفلت کا پردہ عارضی طور پر پڑ گیا ہو اسکو بھی چونکا دیا جائے۔ اور جو ہمہ مدۃ العمر غفلت میں پڑا رہے تو آخرت میں جس صورت حال سے سابقہ پڑنے والا ہے اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۙ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۙ 102
ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ بے شک تم دیکھو گے 102
102
دوزخ، پھر ضرور ضرور تم دیکھو گے اس کو یقین کی آنکھ سے، پھر تم سے ضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارے میں۔"

لترون الجحیم کی تفسیر یعنی جب تم نے ہماری دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کیا بلکہ ادائے شکر کے بدلے ان نعمتوں پر اتراتے اور فخر کرتے رہے تو ضرور ہے کہ تم کو دوزخ کی صورت دیکھنی ہوگی۔ کیونکہ ناشکر گزار لوگوں کی جزا یہی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: ــ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اگر تم شکر کرو گے یعنی احسان مانو گے تو میں تم کو اور دوں گا۔ اور اگر تم ناشکری کرو گے یعنی میرا حق نہ مانو گے تو یقین جانو کہ میرا عذاب البتہ سخت ہے۔" یہاں "رؤیت" بمعنی علم و معرفت ہے جو

دل و دماغ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ معلوم کرایا جارہا ہے کہ ناشکری کروگے تو یقیناً دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ جو کفرانِ نعمت کرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ یقین علم الیقین ہوا۔ اس کے بعد ارشاد ہورہا ہے:۔

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی تفسیر

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ "پھر تم اس دوزخ کو یقین کی آنکھ سے ضرور بالضرور دیکھ لوگے۔"

یہ "رویت" بمعنی مشاہدہ ہے جو آنکھوں کے ذریعہ کرایا جائے گا۔ یہ "عین الیقین" ہوا۔ اس کا درجہ علم الیقین سے زیادہ ہے کیونکہ علم و معرفت میں تردد، انکار، ریب و شک کی گنجایش ہے۔ عین الیقین جو شاہدہ ہے۔ اس میں سوائے تسلیم کرنے کے اور کسی چیز کی گنجایش ہی نہیں۔ ہاں کوئی ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو اور بات ہے طالب حق تو مشاہدہ کا انکار نہیں کرسکتا۔ اس سے اوپر ایک درجہ اور ہے۔ وہ حق الیقین ہے۔ یعنی وہ یقینی چیز وقوع میں آکر رہے مثلاً جبکہ کفار دوزخ میں ڈال دئے جائیں تو یہ صورت حق الیقین کی ہوگی۔ جہاں نہ ضد کام دے سکتی ہے اور نہ ہٹ دھرمی۔ اگر بفرض محال کوئی اس پر بھی ضد اور ہٹ سے کام لے تو اس حماقت کا کیا علاج؟ سزا دہی کا مقصد تو حاصل ہوچکا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا۔

دوسری تفسیر | بعض مفسرین کرام نے لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا کی تفسیر میں دونوں جگہ لَتَرَوُنَّ سے رویت عین ہی مراد لی ہے۔ اور فرق یوں ظاہر کیا ہے کہ پہلی رویت دور سے اور دوسری نزدیک سے۔ دور سے نار دوزخ کے شعلے دھواں دکھائی دینگے اور تپش وغیرہ کا احساس ہوگا اور اور نزدیک سے نفس آگ نیز جہنم میں سانپ بچھو اور دوسرے اقسام عذاب دکھائی دیں گے۔ بہرحال یقین کے یہ تین درجے ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ ہر شخص کو اپنی موت کا یقین ہے کہ وہ اپنے وقت پر آنے والی ہے۔ یہ علم الیقین کا ہوا۔ پھر جب وہ وقت آپہنچے اور علامات دکھائی دینے لگیں مثلاً ملک الموت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ آنا وغیرہ۔ تو یہ عین الیقین ہوا۔ پھر جب طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے لگا اور ایک ایک عضو سے جان نکلنے لگی تو یہ درجہ حق الیقین کا ہوگا۔ عارف شیرازیؒ نے کیا خوب فرمایا:

کوس رحلت بکوفت دست اجل — اے دو چشم وداع سر بکنید
اے کف دست و ساعد و بازو — ہمہ تودیع یک دگر بکنید
روزگارم بشد بہ نادانی — من نکردم شما حذر بکنید

لتسئلن کی تفسیر | ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ پھر اس دن

تم سے ایک ایک نعمت کے باب میں ضرور پوچھا جائے گا" کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا گیا؟ اس کو کن کاموں میں صرف کیا گیا وغیرہ۔ حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ لَتُسْـَٔلُنَّ کا خطاب کفار سے ہے کہ یہ سوال کافروں سے کیا جائے گا۔ شراح حدیث میں سے علامہ طیبی نے اسی قول کو پسند کیا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ خطاب عام ہو۔ ہر شخص سے سوال کیا جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کی نعمتیں عام طور پر سبھی کے شامل حال ہیں کوئی فرد بشر اس سے محروم نہیں رکھا گیا۔ البتہ سوال سے اگر زجر و توبیخ کے طریق سے سوال مراد ہو تو کفار اور فساق مومنین بھی اس میں داخل ہوں گے۔ یہی رائے اکثر مفسرین کرام کی ہے کہ خطاب عام ہے اور احادیث شریفہ کے مطالعہ سے بھی یہی ظاہر ہے جیسا کہ آگے آئیگا۔

النعیم کی تفسیر رہی یہ بات کہ النعیم سے کیا مراد ہے۔ اس کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ھوالامن والصحۃ۔ (عبداللہ بن احمد) نعیم سے امن و امان اور صحت و تندرستی مراد ہے۔" ظاہر ہے کہ اگر امن و امان قائم ہو، اور صحت و تندرستی حاصل ہو تو ہر طرح کی نعمتیں جو حاصل ہیں ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو دوسری ساری نعمتوں کا وجود ہیچ ہے۔ سیدنا علی مرتضیٰ

کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:۔ النعیم العافیۃ۔ (بیہقی) نعیم سے عافیت مراد ہے "یعنی آسائش و آرام۔ یہ لفظ امن اور صحت دونوں کا جامع ہے صحت انسان کا اندرونی وصف ہے اور امن بیرونی صفت۔ یہ دونوں ایک جگہ جمع ہوں تو اسی کا نام "عافیت" ہوگا۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اکل الخبز والنوم فی الظل وشرب ماء الفرات مبردا۔ (ابن مردویہ) روٹی کھانا، سائے میں سونا اور میٹھا، ٹھنڈا پانی پینا، داخل نعیم ہے"۔ حضرت ثابت بنانیؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ النعیم المسئول عنہ یوم القیامۃ کسرۃ تقوتہ وماء یرویہ وثوب یواریہ۔ (ابن جریر) "نعیم" جس کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا وہ روٹی کا ٹکڑا ہے جو انسانی غذا بنتا ہے اور پانی ہے جو اس کو سیراب کرتا ہے اور کپڑا ہے جو اس کی تن پوشی کرتا ہے"۔ حضرت حسین بن فضلؒ فرماتے ہیں:۔ ھو تخفیف الشرائع وتیسیر القرآن۔ (النعیم جس کے بارے میں سوال ہوگا) وہ احکام شرع شریف کی تخفیف و تسہیل اور قرآن کریم کو آسان بنا دیا جانا ہے"۔ یعنی اللہ سبحانہ کا یہ کرم اور احسان کہ اگلی شریعتوں کے مقابلے میں حضور رحمۃ للعالمین

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت طیبہ کو آپ کی امت مرحومہ کے لئے سہل تر اور آسان تر بنایا۔ روزانہ پچاس نمازوں کے بدلے صرف پانچ وقت کی نماز فرض گردانی گئی اور اس پر پچاس نمازوں کا اجر دئے جانے کا وعدہ دیا گیا۔ نجاست لگ جائے تو پچھلی شریعتوں میں کپڑے اور جلد کا اس قدر حصہ کتر کے پھینکدینے کا حکم تھا۔ امت مرحومہ کو یہ سہولت دی گئی کہ اس کو صرف دھولینا کافی ہے۔ وضو وغسل نہ ہوسکے، پانی نہ ملے یا مرض لاحق ہو تو پاک مٹی پر تیمم کر لینے کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح ہر باب میں سہولتیں دی گئیں۔ یہ تخفیف شرائع تھی۔ توریت شریف کا حفظ کرنا، محض حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے ممکن تھا۔ افراد امت اس کو حفظ نہ کر سکتے تھے۔ قرآن کریم کو اتنا سہل بنایا گیا کہ بچہ بچہ، عورت مرد جوان بوڑھے، سبھی حفظ کر سکتے ہیں۔ پھر چھوٹی چھوٹی سورتوں میں سے کسی کو نصف قرآن، کسی کو ثلث، کسی کو ربع کے مماثل قرار دیا گیا کہ کم از کم اسی کو حفظ کر لیں اور نصف، ثلث، ربع قرآن کا ثواب حاصل کر لیں۔ اس سورۃ شریفہ الھاکم التکاثر کو جس کی صرف آٹھ آیتیں ہیں اور وہ بھی چھوٹی چھوٹی مگر ان کو ایک ہزار آیات کے برابر بتلایا گیا جو قرآن کریم کا تقریباً چھٹا حصہ ہے۔ ایسی تخفیف اور ایسی تسہیل کے بعد بھی جو اس کی قدر نہ جانے، احکام پر عمل نہ کرے اور قرآن کی تلاوت

یا بقدرِ ضرورت حفظ نہ کرے تو اس کی نسبت سوال ہونا نا واجبی قرار نہیں پا سکتا۔ بے شک اس کی نسبت سوال ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم کی تیسیر کا مفصل بیان سورۂ قمر کی آیت کریمہ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر کی تفسیر میں گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

النعیم کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ النعیم جس کی بابت سوال ہوگا وہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس و اعلیٰ ہے کہ آپ کے وجودِ باجود کی کیا قدر کی اور آپ کی سنت مبارکہ پر کس طرح عمل کیا جو تمام عالمین کے حق میں رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گئے تھے۔ اور امۃ مرحومہ کی فتح و نصرت اور نجات و مغفرت کا خیال ہر آن و ہر لمحہ آپ کا دامنگیر رہا کرتا تھا۔ میدان حشر میں جہاں تمام انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام نفسی نفسی فرماتے ہوں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امتی امتی فرماتے رہیں گے تو ایسی نعمت جلیلہ کا کیا شکر ادا کیا؟ جس پر ساری نعمتیں قربان ہیں۔ اور آپ کی آل اطہار اور اصحاب کبار کا کیا حق ادا کیا۔ جن کے دم قدم کی برکت سے اشاعت اسلام ہوئی اور دین حق دنیا کے گوشے گوشے چپے چپے میں پھیل گیا اور جن کی بدولت کروڑوں، اربوں، افراد انسانی مسلمان کہلائے۔

اور امن وچین کی باعزت زندگی نصیب ہوئی ۔

سورۂ تکاثر کی تفسیر حضور انور سے

بعض روایات میں سورۂ تکاثر کی تفسیر حضور اقدس اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح مروی ہے

چنانچہ حضرت زید بن اسلم اپنے والد حضرت اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں :—

قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الھاکم التکاثر قال یعنی عن الطاعۃ حتی زرتم المقابر قال یقول حتی یأتیکم الموت کلا سوف تعلمون یعنی لو دخلتم قبورکم ثم کلا سوف تعلمون یقول لو قد خرجتم من قبورکم الی محشرکم کلا لو تعلمون علم الیقین قال لو وقفتم علی اعمالکم بین یدی ربکم لترون الجحیم وذلک ان الصراط یوضع وسط جھنم فناج مسلم ومخدوش مسلم ومکدوش فی نار جھنم ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم یعنی شبع البطون وبارد الشراب وظلال المساکن واعتدال الخلق ولذۃ النوم ۔ (ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ) ۔

Continued on page no: 3621

حضرت اسلمؓ نے فرمایا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (سورۃ تکاثر کی تلاوت فرمائی اور ساتھ ساتھ اسکی تفسیر یوں بیان فرمائی :-) الھاکم التکاثر یعنی مال و اولاد کی کثرت کی دھن نے تم کو طاعت الٰہی سے غافل کردیا۔ حتیّٰ زرتم المقابر یہاں تک کہ تم کو موت آن پہنچی۔ کلّا سوف تعلمون کچھ نہیں عنقریب تم جان لوگے اگر اپنی قبروں میں جا داخل ہوگے۔ ثم کلا سوف تعلمون۔ پھر کچھ نہیں تم عنقریب جان لوگے جب تم اپنی قبروں سے نکل کر میدان محشر میں آؤگے۔ کلّا لو تعلمون علم الیقین۔ کچھ نہیں اگر تم جانتے جاننا یقین کا اگر تم اپنے اعمال سے واقف ہوتے جو اپنے پروردگار کے سامنے اس کی موجودگی میں کرتے رہے۔ لترون الجحیم۔ ضرور ضرور تم دیکھوگے دوزخ کو۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ پل (صراط) جہنم کی پیٹھ پر رکھا جائیگا اب (لوگ تین قسم میں بٹ جائیں گے) کوئی مسلمان ہوگا جو (پل صراط پر سے صحیح سالم گزر جائے گا اور کوئی مسلمان ہوگا جو خدشے اٹھا اٹھا کر رُک رُک کر پار ہو جائیگا اور کوئی اور لوگ ہوں گے جو کٹ کٹ کر نار دوزخ میں گریں گے۔ ثمّ لتسئلنّ یومئذ عن النعیم۔ پھر تم اس دن ایک ایک نعمت کے بارے میں پوچھے جاؤگے (کہ ان کا شکر کس طرح ادا کیا) نعمت میں داخل ہے پیٹ بھر کھانا

ٹھنڈا پانی پینا' مکان وغیرہ کے سایے میں رہنا' اعضاء و جوارح کا معتدل ہونا' اور آرام کی نیند سونا "

ثم لترونها کی تفسیر نبوی

یہاں اس ایک آیۃ کریمہ ثم لترونہا عین الیقین کی تفسیر' کسی راوی نے فراموش کر دی ہے۔

لیکن اسی مضمون کی حدیث شریف جو حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں اس کی تفسیر موجود ہے جس میں حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :— ثمّ لترونّها عين اليقين في القيامة پھر تم اس دوزخ کو ضرور ضرور دیکھو گے یقین کی آنکھ سے قیامت کے دن " بہرحال نعمت صرف یہی نہیں ہے کہ کسی کو دولت مل جائے۔ یا کوئی باغ' مویشی' زمین' کھیتی وغیرہ کا مالک بن جائے بلکہ پیٹ بھر کھانا' ٹھنڈا پانی' رہنے کو مکان' سیدھے ہاتھ پاؤں' آرام کی نیند وغیرہ بھی نعمت ہے۔ دنیا میں ایسا کون شخص ہوگا جس کو یہ نعمتیں کل یا بعض میسر نہ ہوں ؟ جب ہر کوئی شخص ان میں سے کسی نہ کسی نعمت سے سرفراز ہو تو اس پر اس نعمت کا شکر واجب ہے۔ اسی لئے قیامت میں ایک ایک نعمت کے باب میں پوچھا جائے گا۔

صحابۂ کرام کا استفسار اور اس کا جواب

فی زمانا بعض لوگ گردش ایام کے نظر کرتے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم کو کیا ملا ہے اور ہمارے پاس کیا ہے؟ گویا یہ کہنا مقصود ہے کہ ہم کس چیز پر اللہ سبحانہ کا شکر ادا کریں؟ چنانچہ ایک عصری شاعر نے لکھ مارا۔

لطف پر لطف ہے اغیار کے کاشانوں پہ ۔۔۔ برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پہ

ایسا ہی کلمہ ایک دو دفعہ صحابہ کرام کی زبان پر بھی جاری ہوا تھا۔ دراصل ہماری تعلیم و تنبیہ کے لئے ایسا ہوا تھا۔ اس کا جواب روایات ذیل سے ملتا ہے :۔

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں :۔ لما نزلت هذه الآية ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم قال الصحابة وفي اي نعيم نحن يا رسول الله وانما تأكل في انصاف بطوننا خبز الشعير فاوحى الله الى نبيه ان قل لهم اليس تحتذون النعال وتشربون الماء البارد فهذا من النعيم۔ (عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) جب یہ آیۂ کریمہ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم کونسی نعمت سے مالامال ہیں؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ صرف جو کی روٹی، وہ بھی آدھا پیٹ کھا کر گزارہ کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اللہ سبحانہ نے اپنے پیارے نبی کے پاس یہ وحی بھیجی کہ آپ ان سے فرما دیجئے کیا تم کو جوتیاں میسر نہیں ہیں (جن کو پہن کر تم چلتے پھرتے اور راستہ کے گرد و غبار، کیچڑ، نجاست، کانٹوں وغیرہ سے محفوظ رہتے زمین کی

تپش سے بچے ہوئے رہتے ہو) اور (کچھ نہیں تو کم از کم) تم ٹھنڈا پانی پیا کرتے ہو (جس سے تمہاری پیاس دفع ہوتی اور تسکین قلب حاصل ہوتی ہے؟) پس یہ بھی نعمت میں داخل ہے۔" پانی تو ایسی نعمت ہے کہ اس کے بغیر زندگی ہی دشوار ہے اور ٹھنڈے پانی کا حال کسی پیاسے شخص سے دریافت کرو جبکہ وہ دور دراز مقام سے دھوپ میں تپتا ہوا آیا ہو۔

حضور انور کی ایک پیشین گوئی

حضرت محمود بن لبید انصاریؓ فرماتے ہیں:— لما انزلت الھاکم التکاثر فقرأ حتی بلغ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم قالو یا رسول اللہ عن ای نعیم نسأل وانما ھما الاسودان الماء والتمر وسیوفنا علی رقابنا والعدو حاضر فعن ای نعیم نسأل؟ قال اما ان ذلک سیکون (ابن ابی شیبہ، ہناد، امام احمدؒ، ابن جریر، ابن مردویہ، بیہقی) جب سورۂ تکاثر نازل ہوا اور حضور نے اس کو آخر سورت ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم تک پڑھ سنایا تو صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم سے کونسی نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ ہم کو (جو غذا میسر آرہی ہے وہ) صرف دو کالی چیزیں مل رہی ہیں ایک پانی اور دوسری کھجوریں۔ وہ بھی اس حال میں کہ ہماری تلواریں ہماری گردنوں میں

لٹکی ہوئی ہیں اور دشمن (غنیم کا اندیشہ رات دن) لگا ہوا ہے۔ پھر کس نعمت کے بارے میں ہم سے سوال ہوگا؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ آگاہ رہو عنقریب ایسا ہوکر رہیگا'' مطلب یہ کہ یہ کیفیت جاتی رہے گی وہ دن دور نہیں کہ تم ہر نوع کی نعمتوں سے مالا مال ہوگے۔ پھر تم سے ان نعمتوں کے باب میں ضرور ضرور پوچھا جائیگا کہ ان کا حق تم نے کس طرح ادا کیا۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمانوں کو جو فتح و کامرانی تھوڑے سے عرصے میں نصیب ہوئی وہ ایسی تھی جس کو چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا۔

اسوۂ حسنہ ایک انصاری کی عزت افزائی خود حضور سرور دوجہاں علیہ صلوات اللہ وسلام الرحمان کا اسوۂ حسنہ اس باب میں کیا ہے وہ روایات ذیل سے معلوم ہوسکتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فاذا ھو بابی بکر و عمر فقال ما اخرجکما من بیوتکما ھذہ الساعۃ قال الجوع یا رسول اللہ قال والذی نفسی بیدہ لاخرجنی الذی اخرجکما فقوموا فقاموا معہ فاتی رجلا من الانصار فاذا ھو لیس فی بیتہ فلما رأتہ المرأۃ قالت مرحبا واھلا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم این فلان قالت انطلق یستعذب لنا الماء۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن

کاشانۂ مبارک سے باہر برآمد ہوئے تو کیا ملاحظہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بھی باہر (بیٹھے ہوئے) ہیں۔ تعجب سے فرمایا ایسے غیر وقت میں آپ کو کس چیز نے اپنے گھروں سے باہر نکال لایا؟ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ بھوک۔ ارشاد اقدس ہوا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میرے لئے بھی وہی چیز باعث ہوئی ہے جس نے تم کو باہر نکال لایا۔ پھر فرمایا اٹھو۔ چنانچہ سب اٹھے اور آپ کے ساتھ روانہ ہوے۔ آپ سیدھے ایک انصاری صحابی کے گھر پہنچے اتفاقاً وہ گھر میں نہ تھے۔ ان کی بی بی نے آپکو دیکھ لیا اور کمال مسرت و شادمانی سے عرض کیا مرحباً و اھلاً آپ کی رونق افروزی ہمارے لئے موجب برکت و مسرت ہے۔ آپ اپنے ہی لوگوں میں تشریف لائے ہیں۔" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہیں؟ بی بی نے عرض کیا وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لانے کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

انصاری کی مسرت | اذجاء الانصاری فنظر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ فقال الحمد للہ ما احد الیوم اکرم اضیافا منی فانطلق فجاء بعذق فیہ بسر و تمر فقال کلوا من ھذا واخذ المدیۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک والحلوب فذبح لھم فاکلوا

من الشاة ومن ذلك العذق وشربوا فلما شبعوا ورووا قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر وعمر والذی نفسی بیدہ لتسئلن عن هذا النعیم یوم القیامة ۔ (مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن مردویہ) (یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ) اتنے میں وہ انصاری آگئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دونوں ہم رکاب ساتھیوں کو دیکھتے ہی بیساختہ کہہ اٹھے ۔ خدا کا شکر ہے ۔ آج دنیا میں کوئی بھی میرے معزز مہمانوں سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا ۔ پھر فوراً روانہ ہوئے (اور اپنے باغ سے) ایک خوشہ کاٹ لایا جس میں گدری اور پکی کھجوریں تھیں ۔ اور عرض کیا کہ اس کو ملاحظہ فرمائیے ۔ پھر چھری لی (تاکہ بکری ذبح کریں اس وقت) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہوا ۔ خبردار! دودھ دینے والی بکری کو چھوڑ دو ۔ پھر انصاری نے (حسب ہدایت) دوسری بکری ذبح کی ۔ (اور اس کو بھون کر پیش کر دیا) پھر معزز مہمانوں نے کچھ بکری کا گوشت اور کچھ اس خوشے سے کھجوریں تناول فرمائیں ۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے اور پانی سے سیراب ہوئے تو حضور انور نے حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض سے مخاطب ہو کر فرمایا ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے باب میں پوچھا جائے گا ۔"

یہ انصاری صحابی حضرت ابوالہیثم مالک بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ دیگر روایات میں نام کی صراحت ہے۔

حضور کی مکافات ایک اور روایت میں ہے:۔ فمامکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا یسیرا حتی اتی باسیر من الیمن فجاءتہ فاطمۃ ابنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تشکوا الیہ العمل وتریہ یدیھا وتسألہ ایاہ قال لا ولکن اعطیہ ابا الھیثم فقد رأیتہ وما لقی ھو وامرأتہ یوم ضفتاھم فارسل الیہ واعطاہ ایاہ فقال خذ ھذا الغلام یعینک علی حائطک واستوص بہ خیرا (بیہقی) اس واقعہ پر کچھ ہی آن گزرے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یمن سے ایک قیدی آیا یہ معلوم کرکے سیدہ بتول بنت رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہا حاضر ہوئیں اور گھر کے کام کاج کا شکوہ کیا اور اپنے نازک ہاتھ دکھا کر فرمانے لگیں کہ کام سے انکی کیا حالت ہوگئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس قیدی کو گھر لیجانے کی اجازت ہو۔ حضور انورؐ نے فرمایا کہ ابوالہیثم اس کا زیادہ مستحق ہے جس دن ہم ان کے مہمان ہوئے تھے ان کی اور ان کی بی بی کی مشقت کا مشاہدہ کیا ہے چنانچہ آپ نے ان کو بلوایا اور وہ غلام ان کے حوالہ کیا کہ اس سے باغ کے کاروبار میں تمہیں مدد

ملے گی۔ لیکن اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا۔"

دوسرا واقعہ ابو ایوب کی عزت افزائی حضرت حبر الامہ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔۔

خرج ابو بکر فی الهاجرة الی المسجد فسمع عمر فخرج فقال لابی بکر ما اخرجك هذه الساعة قال اخرجنی ما اجد فی نفسی من حاق الجوع قال عمر والذی نفسی بیده ما اخرجنی الا الجوع فبینما هما كذلك اذ خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ما اخرجكما هذه الساعة فقالا والله ما اخرجنا الا ما نجد فی بطوننا من حاق الجوع فقال النبی صلی الله علیه وسلم والذی بعثنی بالحق ما اخرجنی

غیرہ۔ ایک دن دوپہر کی دھوپ میں حضرت ابوبکرؓ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بھی وہاں نکل آئے اور حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کیا ایسے غیر وقت میں آپ یہاں کیسے نکل آئے۔ فرمایا کوئی بات نہیں سوائے اس کے کہ میں اپنے اندر شدت کی بھوک پاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میرے نکل آنے کا باعث بھی یہی بھوک ہوئی ہے۔ یہ دونوں حضرات یہی گفتگو کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رونق افروز ہوئے اور ان دونوں صاحبوں کے غیر وقت

آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا۔ خدا گواہ ہے کہ ہم اور کسی وجہ سے یہاں حاضر نہیں ہوئے بجز اس کے کہ ہمارے پیٹ میں شدت کی بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ اس پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق دیکر مبعوث فرمایا میرے یہاں نکل آنے کا سبب بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے "

حضرت ابو ایوب کی شادمانی

فقاموا فانطلقوا الی منزل ابی ایوب الانصاری فلما انتھوا الی دارہ قالت امرأتہ مرحبا بنبی اللہ ومن معہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم این ابو ایوب فقالت امراتہ یأتیك یا نبی اللہ الساعۃ فجاء ابو ایوب فقطع عذقا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اردت ان تقطع لنا ھذا الا اجتنیت الثمرۃ قال احببت یا رسول اللہ ان تاکلوا من بسرہ وتمرہ ورطبہ ثم ذبح جدیا فشوی نصفہ وطبخ نصفہ۔

پھر یہ سب حضرات اٹھے اور ابو ایوب انصاری کے مکان کی طرف روانہ ہوئے جب ان کے گھر پہنچے تو ان کی بی بی نے حضور نبی اکرم اور آپ کے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا۔ حضور لامع النور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا

ابو ایوبؓ کہاں ہیں؟ ان کی بی بی نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ! وہ ابھی آتے ہیں۔ اتنے میں ابو ایوبؓ حاضر ہو گئے۔ اور فوراً کھجور کا ایک بڑا خوشہ کاٹ لائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تین کے لئے اتنا بڑا خوشہ کاٹ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ چند منتخب کھجوریں کافی تھیں۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اچھا معلوم ہوا کہ (اس خوشہ میں) گدری، پکی اور پختہ (سبھی قسم کی کھجوریں ہیں ان میں سے جو پسند خاطر ہوں ان کو) آپ حضرات تناول فرمائیں۔ پھر بکری کا ایک بچہ ذبح کیا۔ آدھا بھون لائے اور آدھے کا سالن تیار کیا۔"

لخت جگر کی یاد فلما وضع بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم اخذ من الجدي فجعله في رغيف وقال يا ابا ايوب ابلغ بهذا فاطمة فانها لم تصب مثل هذا منذ ايام فذهب به ابو ايوب الى فاطمة۔ گوشت تیار ہونے کے بعد جب اس کو حضور نبی اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس گوشت میں سے کچھ حصہ لے کر روٹی پر رکھا اور ابو ایوبؓ سے فرمائش کی کہ اس کو حضرت فاطمہ زہراؓ کے ہاں پہنچا دیں کیونکہ انکو ایسا اتفاق کئی دنوں سے نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ ابو ایوبؓ

خود ہی اس کو لے کر جناب فاطمہؓ کے ہاں پہنچا آئے۔"

تلقین حمد و شکر فلما اکلو و شبعوا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبز ولحم و تمر و بسر و رطب و دمعت عیناہ والذی نفسی بیدہٖ ان ھذا لھو النعیم الذی تسألون عنہ قال اللہ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم فھذا النعیم الذی تسألون عنہ یوم القیامۃ۔ (اس کے بعد سب اصحاب نے دسترخوان کا رخ کیا) جب کھانے سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہوا۔ یہ روٹی، گوشت، گدری، پختہ، تازہ کھجوریں (اتنا کہتے ہی بس) آپ کی چشمان مبارک میں آنسو بھر آئے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یقیناً یہ وہی نعمتیں ہیں جن کے باب میں تم سے سوال کیا جائیگا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے پھر تم سے اس دن ایک ایک نعمت کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ پس یہی وہ نعیم ہے جس کی نسبت قیامت کے دن تم سے سوال ہوگا۔"

تعلیم طریقہ شکرگزاری فکبر ذلک علی اصحابہ فقال بلی اذا اصبتم ھذا فضربتم بایدیکم فقولوا بسم اللہ فاذا شبعتم فقولوا الحمد للہ الذی ھو اشبعنا وانعم علینا وافضل فان ھذا کفاف لھا۔

(ابن حبان، ابن مردویہ) یہ تقریر آپ کے اصحاب کرام پر بڑی موثر رہی۔ پھر آپ نے فرمایا ایسا کیوں نہیں ہوگا ضرور ایسا ہی ہو رہیگا۔ جب کبھی تم کو ایسی صورت درپیش ہو یعنی ایسی نعمتیں میسر آئیں اور ان پر تم اپنے ہاتھ ڈالو تو آغاز میں کہو:۔ بسم اللہ۔ ہم اللہ کے نام سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ پھر تم جب فارغ ہو جاؤ تو یوں کہو:۔ الحمد للہ الذی ھو اشبعنا و انعم علینا و افضل۔ شکر ہے خدا کا کہ اسی نے ہم کو شکم سیر کھلایا اور ہم کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا اور بڑا ہی فضل فرمایا۔" جب اول و آخر تم نے اس طرح اللہ سبحانہ کا نام لیا اور شکر ادا کیا تو یہ صورت ان نعمتوں کا شکرانہ قرار پائے گی۔"

ایک اور واقعہ حضرت ابوعسیبؓ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں فرماتے ہیں:۔ خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلا فمر بی فدعانی فخرجت الیہ ثم مر بابی بکر فدعاہ فخرج الیہ ثم مر بعمر فدعاہ فخرج الیہ فانطلق حتی دخل حائطا لبعض الانصار فقال لصاحب الحائط اطعمنا فجاء بعذق فوضعہ فاکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ ثم دعا بماء بارد و شرب و قال لتسئلن عن ھذا النعیم یوم القیامۃ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک دفعہ رات میں برآمد ہوئے اور میرے پاس سے گزرے۔ پھر مجھے یاد فرمایا میں فوراً حاضر خدمت ہوا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے آپ کا گزر ہوا۔ پھر ان کو بلایا وہ بھی فوراً نکل آئے۔ پھر حضرت عمرؓ کے مکان پر گزرے ان کو بھی بلایا وہ بھی حاضر ہو گئے۔ پھر چلے چلے تا آنکہ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لائے۔ اور مالک باغ سے فرمایش کی کہ ہمیں کچھ کھلاؤ۔ وہ کھجوروں کا ایک خوشہ کاٹ لائے اور ملاحظہ انور میں پیش کر دیا۔ جس کو آپ اور آپ کے اصحاب نے تناول فرمایا پھر ٹھنڈا پانی طلب کر کے اس کو نوش فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بابت میں سوال ہو گا۔"

تین چیزوں کا سوال نہ ہو گا فاخذ عمر العذق فضرب به الارض حتی تناثر البسر ثم قال یا رسول اللہ انا لمسئولون عن ھذا یوم القیامۃ قال نعم الا من ثلاث کسرۃ یسد بھا الرجل جوعته او ثوب یستر به عورته او حجر یدخل فیه من الحر والبرد ۔ (امام احمدؒ ابن جریرؒ ابن عدیؒ بغویؒ ابن مندہ ابن عساکرؒ ابن مردویہ بیہقی) پھر حضرت عمرؓ نے اس خوشے کو لیکر زمین پر دے مارا جس سے ساری گدری کھجوریں جھڑ پڑیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم سے ان کھجوروں کی نسبت بھی قیامت کے دن سوال ہو گا؟ ارشاد ہوا

ہاں ہاں (ان کے بارے میں بھی سوال ہوگا) مگر تین چیزوں کی بابت (سوال نہ ہوگا) ایک تو روٹی کا ٹکڑا جس سے انسان اپنی بھوک دفع کرے۔ دوسرا کپڑا جس سے اپنی تن پوشی کرے اور تیسرا جھونپڑا جس میں گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے اپنا سر چھپائے" حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ثلاث لا یحاسب بھن العبد ظل خص یستظل بہ وکسرۃ یشد بھا صلبہ وثوب یواری بہ عورتہ۔ (عبداللہ بن احمد) تین چیزیں ایسی ہیں جن پر بندے سے محاسبہ نہیں کیا جائیگا پھوس کا سایہ جس میں وہ اپنا سر چھپاتا ہے اور روٹی کا ٹکڑا جس سے وہ اپنی کمر ہمت چست کرتا ہے اور کپڑا جس سے اپنی تن پوشی کرتا ہے" اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ما فوق الازار وظل الحائط وخبز یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ ویسأل عنہ۔ (بزار) تہ بند اور دیوار کا سایہ اور روٹی کے علاوہ جو بھی میسر ہو اس پر قیامت کے دن بندے سے حساب لیا جائے گا اور اس کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا"

صحابۂ کرام مسئول نہ ہوں گے	حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت

هذه الآية ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم قالوا يا رسول الله
اي نعيم نسأل عنه سيوفنا على عواتقنا والارض كلها لنا حرب
يصبح احدنا بغير غداء و يمسي بغير عشاء قال عنى بذلك قوم
يكونون من بعدكم انتم خير منهم يغدّى عليهم بجفنته يغد و
في حلة و يروح في حلة و يسترون بيوتهم كما تستر الكعبة ويفشي
فيهم السمن۔ (ابن مردویہ) جب یہ آیۂ کریمہ ثم لتسئلن یومئذ عن
النعیم اتری تو صحابۂ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کونسی نعمتوں کے باب میں
ہم سے پوچھا جائیگا؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہماری تلواریں ہماری گردنوں میں لٹکی
ہوئی ہیں اور ساری زمین ہمارے لئے میدان جنگ بنی ہوئی ہے۔ ہم میں سے
کسی کی صبح ہوتی ہے تو اس کو صبح کا کھانا میسر نہیں اور کسی کی شام ہوتی ہے تو
شام کا کھانا تک اس کے ہاں موجود نہیں۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اس آیۂ کریمہ سے
وہ قوم مراد ہے جو تمہارے بعد ہوگی (تم تو شکر گزار رہو) ان سے کہیں بہتر ہو۔ ان کا حال یہ ہوگا
کہ صبح ہوئی تو دونوں ہاتھ بھر بھر کر صبح کا کھانا ملتا رہیگا اور شام ہوگی تو دونوں ہاتھوں سے
ان کو شام کا کھانا دیا جاتا رہیگا۔ صبح وہ ایک جوڑا پہنے ہوئے نکلیں گے اور شام کو
دوسرا جوڑا بدل کر نکلا کریں گے۔ وہ اپنے گھروں کو تک کپڑے ڈال کر ایسا

مستور رکھیں گے جیسا کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ ان میں موٹا پا عام ہوگا۔" خلاصہ یہ کہ ایسے لوگوں سے وہ سوال ہوگا۔

سوال سے چند چیزیں مستثنیٰ ہیں حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کل شیئ سوی ظل بیت وجلف الخبز وثوب یواری عورته والماء فما فضل عن هذا فلیس لابن آدم فیھن حق۔ (امام احمدؒ) گھر کا سایہ، روٹی کا ٹکڑا، کپڑا جس سے ستر پوشی ہو اور پانی ان چار چیزوں کے سوا (وہ "نعیم" میں داخل ہے) اس سے بڑھ کر جو بھی ہو ان میں ابن آدم کا کوئی حق نہیں ہے۔" (جس کا بطور حق کے مطالبہ کرے اس سے زائد دیا دیا یا نہ دیا نہ دیا۔ دیا تو شکر کرے اور نہ دیا تو شکوہ و شکایت کا کوئی محل نہیں۔) اوپر بتلایا گیا تھا کہ سایہ، روٹی، کپڑا اور پانی بھی نعیم میں داخل ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ چیزیں نعیم میں داخل تو ہیں لیکن ان کی نسبت سوال نہ ہوگا۔ تخفیف شرائع کا بیان جو اوپر گزرا گویا یہ بھی ایک طرح کی تخفیف ہے جو امت مرحومہ کے لئے کی گئی۔

معذور و محتاج بھی منعم علیہ ہو سکتا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم قام رجل محتاج فقال یارسول اللہ هل علیّ من النعمة شیئ قال نعم الظل والنعلان والماء البارد۔ (ابن مردویہ) جب

آیہ کریمہ ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم نازل ہوئی تو ایک محتاج شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا:۔ یارسول اللہ! کیا مجھ پر بھی کوئی نعمت دکھائی دیتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ سایہ اور جوتیوں کا جوڑا اور ٹھنڈا پانی" جو تجھے میسر ہے یہ سب نعمتیں ہیں حضرت عکرمہ کہتے ہیں:۔ مر عمر بن الخطاب برجل مبتلی لجذام اعمی اصم وابکم فقال لمن معہ ھل ترون فی ھذا من نعم اللہ شیئا قالوا لا قال بلی الا ترونہ یبول فلا یعتصر ولا یلتوی یخرج بولہ سھلا فھذہ من نعمۃ اللہ۔ (عبد بن حمید) حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو مبتلائے جذام تھا، اندھا، بہرا، گونگا بھی تھا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا۔ آپ لوگ اللہ سبحانہ کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت اس شخص میں دیکھ رہے ہیں؟ سبھوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ کیا تم اسکو دیکھتے نہیں ہو کہ وہ پیشاب کرتا ہے تو اس میں کسی قسم کی رکاوٹ یا کجی دکھائی نہیں دیتی۔ اس کا پیشاب بسہولت خارج ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے"

ایک پادشاہ کا اپنے غلام پر رشک

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ یالھا من نعمۃ تأکل و تخرج سرحا لقد کان ملک من ملوک ھذہ القریۃ یری الغلام من غلمانہ یأتی الحش فیکتان ثم یجرجر قائما۔ فیقول یالیتنی

مثلك۔ مایشرب حتی یقطع عنقه العطش فاذا شرب کان له فی تلك الشربة موتات یالھا من نعمة تاکل لذة وتخرج سرحا۔ (عبد بن حمید) (اے نفس!) کیا ہی خوشی کی بات ہے کہ تو بڑے مزے سے کھاتا اور آسانی سے اس کو خارج کر دیتا ہے۔ اسی شہر میں ایک بادشاہ تھا وہ اپنے ایک ایک غلام کو دیکھتا کہ حاجت کیلئے بیت الخلاء میں اندر گھستا پھر (اتنا جلد واپس آتا گویا کہ) کھڑا کھڑا ہی فارغ ہو کر واپس آجاتا ہے۔ بادشاہ اس کی یہ حالت دیکھ کر آرزو کرتا اے کاش! میں بھی تیری طرح ہوتا۔ اس بادشاہ کا یہ حال تھا کہ وہ پانی تک نہ پی سکتا تا آنکہ پیاس کے مارے اس کی گردن کٹتی ہوئی نہ معلوم ہو۔ (اس نازک حالت پر پہنچکر جب) وہ ایک دو گھونٹ پی لیتا تو اس میں موت کے کئی اندیشے پیدا ہو جاتے تھے اس بنا پر حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں' اے نفس! تو بڑے مزے میں ہے کہ مزے سے کھاتا پیتا' پھر اس کو آسانی سے خارج بھی کر دیتا ہے۔''

نجات مشیت پر موقوف ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ یعرض الناس یوم القیامة علی ثلاثة دواوین دیوان فیه الحسنات' ودیوان فیه النعیم' ودیوان فیه السیئات فیقابل دیوان الحسنات دیوان النعیم فیستفرغ النعیم الحسنات وتبقی السیئات مشیئتھا الی اللہ عزوجل ان شاء عذب وان شاء غفر۔ (ابن ابی شیبہ) قیامت کے دن' لوگوں کو تین دفاتر میں پیش کیا

جائے گا۔ ایک دفتر ہوگا جس میں ان کی نیکیاں لکھی ہوں گی۔ اور دوسرے دفتر میں تمام نعمتیں درج ہونگی (جو ان کو دی گئی تھیں۔) اور ایک تیسرا دفتر ہوگا جس میں ان کی برائیوں کا اندراج ہوگا۔ پھر دیوان حسنات اور دیوان نعیم ان دونوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ نعمتوں کے مقابلے میں تمام نیکیوں کا حساب چوکتا ہو جائے گا۔ اب صرف برائیاں رہ جائینگی جن سے چھوٹنا اور نجات پانا خدائے عزوجل کی مشیئت پر موقوف و منحصر رہیگا۔ اب مالک دوجہاں کی مرضی، اگر وہ چاہے تو ان برائیوں کی سزا دے اور اگر چاہے تو اس کو بخش دے۔" اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی کامیابی اور نجات خداوند تعالیٰ شانہ کی مشیئت اور اسکے فضل پر موقوف ہے۔ لہذا انسان کو اپنی نیکیوں اور طاعات وعبادات پر غرہ نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اللہ سبحانہ کے فضل وکرم کی درخواست کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر اچھے کاموں میں لگا رہیگا تو امید ہے کہ اس کی بدولت فضل ہو جائے اور اگر برائیوں میں لگا رہیگا تو سزایاب ہونے کا اندیشہ لگا رہیگا۔ وقت ہے کہ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان اپنے حالات کا جائزہ لے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ وباللہ التوفیق

پانی کے آگے تمام حلوے اور شربت بھی ہیچ ہیں	قال رجل للحسن رحمہ اللہ ان لنا جارا لا یأکل الفالوذج ویقول لا اقوم بشکرہ فقال ما اجہل

جاز کم نعمۃ اللّٰہ علیہ بالماء البارد اکثر من نعمتہ بجمیع الحلاوی ولذالک
قال علیہ السلام اوّل ما یسأل العبد عنہ من النعیم الم نصح جسمک الم
نروّک من الماء البارد۔ ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بیان
کیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص ہے جو فالودہ استعمال نہیں کیا کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ
میں اس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ سُنکر انھوں نے فرمایا تمھارا پڑوسی کیسا
جاہل ہے؟ اللہ سبحانہٗ کی ایک نعمت جو اس کو ٹھنڈے پانی کی صورت میں ملتی ہے
تمام قسم کے میٹھوں اور حلووں سے زیادہ ہے جبھی تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندے سے اولاً جس نعمت کا سوال ہوگا وہ یہی کیا ہم نے
تیرا بدن صحت مند نہیں رکھا۔ کیا ہم تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کرتے
رہے؟" پانی پینا اور فالودہ استعمال نہ کرنا عجیب منطق ہے۔

سوال سے محفوظ رہنے کی تدبیر سلف صالحین تو یہی فرماتے آئے ہیں:—

من اکل فسمّٰی وفرغ فحمد لم یسأل عن نعیم ذلک الطعام۔ جس نے کھانا
شروع کرتے وقت بسم اللّٰہ کہا اور فارغ ہوکر الحمد للّٰہ کہا تو اس سے اس
کھانے کی بابتہ سوال نہیں کیا جائے گا"۔ کیونکہ اس نے اپنی بساط کے موافق اس
نعمت کا شکر ادا کیا ہے۔ اور یہی شان مومن کی ہے کہ وہ ہر کام اللہ کا نام لیکر

شروع کرتا ہے اور اس کے سرانجام پانے پر اللہ سبحانہ کی حمد کرتا ہے۔ اور جب تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اللہ سبحانہ کی نعمتیں اس کے شامل حال رہتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر تم شکرگزار بنے رہو تو میں اپنی نعمتیں اور زیادہ دیتا رہوں گا۔"

نعیم کے اقسام بہرحال اللہ سبحانہ کی نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک نعیم جسمانی جس کا شکر احکام شرع شریف کی پابندی سے ادا ہو سکیگا۔ دیگر نعیم روحانی جس کا شکر آداب طریقت کی نگہداشت کا طالب ہے۔ لہذا انسان کا ایک ایک عضو اور اس کی ایک ایک صلاحیت و استعداد اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کا شکر مناسب حال طریق پر ادا کیا جائے۔ ارشاد باری ہے:۔ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك کان عنه مسئولا۔ یقیناً کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کی نسبت سوال ہوگا" کہ تم نے ان کا استعمال کس طرح کیا اور کیا کام لیتے رہے؟ اس کی جوابدہی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ واللہ الموفق۔

سورۂ تکاثر کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنۃ۔ وصلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

103 ASR Makky Verses 3

سورۂ عصر

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں تین آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس سورت شریفہ کا ربط اس طرح ہے کہ
سورت ماقبل یعنی سورۂ تکاثر میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا گیا تھا
جن کو مال و اولاد کی کثرت کے خیال نے اللہ سبحانہ کی یاد سے غافل کر رکھا تھا۔
اس سورت شریفہ میں ان سعادتمند لوگوں کا بیان فرمایا جا رہا ہے جن کو مال و
دولت اور اولاد کے خیال نے یاد الٰہی سے غافل نہیں کیا۔ وہ مدۃ العمر یاد الٰہی
میں لگے رہے۔ یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ تکاثر کے بعد سورۂ عصر کو جگہ
دی گئی ہے۔ نیز سورت سابقہ میں مال و اولاد کی کثرت کے دھن میں لگے
رہنے سے منع کیا گیا تھا اور ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی گئی تھی یہ سلبی پہلو تھا
یہاں یہ سوال ہوتا تھا کہ پھر انسان کو کس دھن میں لگا رہنا چاہیے یعنی اس کا
ایجابی پہلو کیا ہے؟ اس کا جواب اس سورت شریفہ میں دیا جا رہا ہے لہذا
اس اعتبار سے ماقبل کے ساتھ مناسبت اور وجہ ارتباط ظاہر ہے واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے"

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا 103-1
103-2
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ 103-3

قسم ہے زمانے کی۔ بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ مگر جو لوگ کہ یقین لائے
اور کئے اچھے کام اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچ کی اور آپس میں تاکید
کرتے رہے سہنے کی۔"

تمہید | والعصر۔ قسم ہے زمانے کی۔ یعنی سارا زمانہ گواہ ہے اور ثبوت پیش کر رہا ہے اس دعوے کا جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم میں کہیں مکان کی قسم کھائی گئی تھی۔ مثلاً لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد۔ قسم ہے اس شہر (مکہ مکرمہ) کی درحالیکہ آپ اے نبی کریم! فاتحانہ داخل ہونے والے ہیں اس شہر میں۔" بلد حرام کی حرمت کی کوئی پابندی اس وقت آپ پر لازم نہیں رہیگی۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ وھذا البلد الامین اور قسم ہے اس امانت والے شہر (مکہ مکرمہ) کی۔" یہاں زمان کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ بہر حال مکان کی قسم سے جس طرح مکان باعظمت قرار پا چکا ہے

زمان بھی اس کی قسم دی جانے سے با عظمت و احترام ہے۔ اس کی بھی قدر کیجانی چاہیئے۔ رہا یہ امر کہ والعصر سے کیا مراد ہے مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

العصر سے مراد زمانہ ہے

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ والعصر سے الدھر یعنی پورا زمانہ مراد ہے کسی زمان خاص کی تخصیص نہیں۔ اس قول کی تائید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ آپ نے بعض اوقات یوں فرمایا۔ والعصر نوائب الدھر۔ قسم ہے زمانے کی سیجئے زمانے بھر میں جو واقعات وحالات اور حوادث نوبت بہ نوبت یکے بعد دیگرے پیش آتے رہتے ہیں۔" گویا آپ نے والعصر کی تفسیر نوائب الدھر سے فرمائی۔ نیز اس قول کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ زمانہ اگرچہ بظاہر ایک معدوم شئی معلوم ہوتا ہے جس کا خارج میں کوئی وجود خاص نہیں باایں ہمہ اس میں عجب عجب واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ کل تک ایک قوم دنیا میں ذلیل اور ناقابل ذکر خیال کی جاتی تھی۔ آج اس کی دنیا میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ ہر شخص کی زبان پر اس کا چرچا ہے۔ اس کے برعکس کل تک کسی کی حکومت بڑے رعب وجلال کے ساتھ قائم تھی۔ آج اس کا کوئی ذکر نہیں۔ قوموں کا عروج وزوال، روز روز کا تبدل احوال، موسم کا تغیر، موت وحیات، روشنی وتاریکی وغیرہ یہ تمام امور جہہ اسی

زمانہ کی نیرنگی کے کرشمے ہیں۔ چونکہ زمانے کا کوئی خاص وجود خارجی نہیں معلوم ہوتا اسلئے وہ ساکن یعنی غیر متحرک معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ رواں ہے۔ اسکی جو آن گزر جاتی ہے پھر پلٹ کر نہیں آنے پاتی بلکہ دوسری نئی آن ہی سے سابقہ رہتا ہے۔ دنیا کی ایک ایک چیز فنا ہوتی نظر آتی ہے مگر زمانہ فنا ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس سے زمانہ کی طوالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ استاد جلیل نے کیا خوب فرمایا:۔

زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے یہ دریا ہے کہ بہتا جا رہا ہے

ایک عرب شاعر کہتا ہے:۔

واری الزمان سفینۃ تجری بنا نحو المنون ولا نری حرکاتہ

میں زمانے کو خیال کرتا ہوں کہ وہ ایک کشتی یا جہاز ہے جو ہم سب کو اس میں سوار کر کے موت کی سمت تیزی سے رواں دواں ہے اس کے باوجود اس کی حرکت ہمیں نظر نہیں آتی۔"

زمانہ کی اہمیت العصر یعنی زمانے کی قسم اس لئے کھائی گئی کہ انسان کو جو مصائب اور آفات پہنچتے ہیں ان کو وہ زمانے کی طرف ہی منسوب کرتا ہے اور شکایت کرتا رہتا ہے کہ عجب زمانہ سے سابقہ پڑ رہا ہے کہ مجھے ایسی تکالیف

اور نقصانات کا منہ دیکھنا پڑا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بھی اسی زمانے کو گواہ رکھکر اس سورت شریفہ کی ابتدا فرمائی کہ واقعی زمانہ ایک مہتم بالشان حقیقت ہے لیکن مصائب وآلام اور نفع وضرر کو زمانے کی طرف منسوب کرنا اور اس کی شکایت کرتے رہنا صحیح نہیں بلکہ اس کا اصلی سبب انسان کی کوتاہ فہمی اور سوء تدبیر ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا: ـ ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم "تم کو جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے" اور حدیث شریف میں آیا: ـ لا تسبوا الدھر فان اللّٰہ ھو الدھر۔ "زمانے کو بُرا نہ کہو کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے" یعنی زمانہ کی گردش اسی کے ہاتھ ہے تم اچھا کام کرتے رہو تو زمانہ بھی تمہارا ساتھ دیگا ورنہ اپنے کئے کو آپ بھگتے جاؤ۔

عصر سے آخر نہار مراد ہے

العصر کی دوسری تفسیر آخر نہار کے ساتھ کی گئی ہے۔ حضرت قتادہؒ اور ابومسلم خراسانی کا یہی قول ہے۔ اللہ سبحانہ نے دوسرے مقامات پر جہاں والفجر اور والضحیٰ فرمایا جس سے اول نہار مراد ہے اور فجر صادق کو گواہ ٹھہرایا گیا جبکہ لوگ نیند سے بیدار ہوتے اور چاشت کے وقت اپنے کاروبار شروع کرتے ہیں۔ یہاں العصر یعنی آخر نہار کو گواہ ٹھہرایا جارہا ہے۔ رات کو مردے کی طرح دراز ہوکر بے حس وحرکت پڑے رہنے کے بعد صبح

3647

جاگ کر اور چاشت کے وقت کاروبار شروع کرتے اور اپنی زندگی کا ثبوت دیتے ہیں اور جب دن ختم ہونے آتا ہے تو پھر ان پر مُردنی چھا جاتی اور اپنے گھروں کو واپس آتے ہیں لہٰذا غور طلب امر یہ ہے کہ اس دن بھر میں کیا کام کیا اور اس میں کیا کمایا؟ اگر کچھ نہیں کیا اور نہ کچھ کمایا تو ابھی موقع ہے کہ کچھ کر لے اور کما لے۔ اگر اس غنیمت موقع کو بھی اپنی غفلت سے کھو دیا تو خالی ہاتھ رہ جانا پڑے گا اور کف افسوس ملنا ہوگا جس سے کچھ حاصل نہیں۔

عصر سے مراد نماز عصر بعض مفسرین کرام نے العصر سے نماز عصر مراد لی ہے۔ کیونکہ دنیائے اسلام میں اس سے نماز عصر ہی عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ جو وارد ہوا ہے کہ نمازوں کی حفاظت کرو یعنی ان کو اپنے وقت مقرر پر ادا کرو خصوصاً درمیانی نماز کی (حفاظت کا زیادہ اہتمام کرو)" غزوۂ احزاب میں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز عصر قضا ہو گئی تو آپ نے لشکر کفار کے بارے میں فرمایا:۔ ملأ اللہ قبورھم نارا حیث شغلونا عن الصلاۃ الوسطیٰ۔ خدا ان کی قبروں میں آگ بھر دے کیونکہ انھوں نے درمیانی نماز کو وقت پر ادا کرنے کا موقع نہ دیا" یہاں آپ نے صلوٰۃ وسطیٰ کی تفسیر نماز عصر سے فرمائی۔ نماز عصر کے باب میں

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ من فاتتہ صلاۃ العصر فکأنما وتر اھلہ ومالہ۔ جس کی نماز عصر قضا ہو گئی گویا کہ اس کا سارا خاندان اور تمام مال ومتاع برباد ہو گیا۔ فرض کرو کہ کسی نے عصر کے وقت سب کچھ کمایا لیکن نماز عصر ہی ادا نہ کی تو گویا اس نے اپنی ساری کمائی برباد کر لی اور خود بھی معہ اپنے خاندان کے ہلاک و برباد ہوا۔ نماز عصر کا اہتمام زیادہ تر اس وجہ سے بھی منظور ہے کہ عموماً یہ وقت ٹھنڈا سہانا ہوتا ہے۔ لوگ کاروبار میں زیادہ مشغول رہتے ہیں۔ بازار کھلے رہتے ہیں۔ لوگوں میں چہل پہل رہتی ہے۔ ان حالات میں اکثر اندیشہ رہتا ہے کہ لوگ دنیوی کاروبار میں مشغول رہ کر اس فریضۂ الٰہی سے جو بہت مہتم بالشان ہے کہیں غافل نہ رہ جائیں۔ آخرت سے غافل رہ کر اگر کسی نے ساری دنیا کمائی تو وہ کس کام کی؟ فانی کے پیچھے باقی کو ضائع کر دیا۔

العصر سے مراد عہد مبارک نبوی بعض مفسرین نے العصر سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم میں رونق افروز رہنے کا زمانہ مراد لیا ہے۔ جو تمام زمانوں سے (خواہ وہ ماضی ہو یا حال یا مستقبل) اولیٰ افضل اعلیٰ اور اکمل ہے۔ اس اعتبار سے یہ قسم اسی طرح ہو گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔۔۔

لعمرک قسم ہے آپ کی عمر شریف اور آپ کی بقا کی " کہ اسی کی بدولت تمام دنیا کی ظلمت کا فور ہوئی اور آپ نے دین اسلام کی وہ روشنی پھیلائی جو قیام قیامت تک کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔ کروڑوں، اربوں نفوس کا تزکیہ ہوا اور قلوب جلا پائے اور تا قیامت کروڑوں اربوں نفوس وقلوب اس نور مجسم کی ضیا پاشیوں سے منور ہوتے رہیں گے۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کا نور جو آپ کی ذات ستودہ صفات میں جلوہ گر ہوا ہے اُس کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھا دیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنے کمال پر پہنچانے کا تہیہ کر لیا ہے اگرچہ یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار ہو "

العصر سے مراد امۃ مرحومہ کا عہد بعض مفسرین کرام نے والعصر سے امۃ مرحومہ کا عہد مراد لیا ہے جو امم سابقہ کے عہد کے مقابلے میں نماز عصر کے وقت کی نسبت رکھتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی اس حدیث صحیح میں ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:۔ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما بقاؤکم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلاۃ العصر الی غروب الشمس اوتی اھل التوراۃ التوراۃ فعملوا حتی اذا

انتصف النہار عجزوا فاعطوا قیراطا قیراطا ثم اوتی اھل الانجیل الانجیل فعملوا الی صلاۃ العصر ثم عجزوا فاعطوا قیراطا قیراطا ثم اعطینا القرآن فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے حضور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرمارہے تھے کہ امم سابقہ کے مقابلے میں تمھاری بقا کی نسبت اتنی ہی ہے جتنی کہ نماز عصر سے غروب آفتاب کے درمیانی مدت ہے۔ تورات والوں کو تورات شریف دی گئی وہ اس پر (صبح سے) عمل پیرا رہے۔ جب نصف النہار ہوا تو وہ تھک گئے (اور کام چھوڑدیا) لہذا انکو ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل مقدس دیا گیا وہ اس پر (نصف النہار سے) عمل کرتے رہے۔ جب عصر کا وقت آیا تو وہ بھی تھک کر بیٹھ گئے۔ ان کو بھی ایک ایک قیراط (ان کے کام کے صلے میں) دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن کریم عنایت ہوا۔ ہم (عصر سے) غروب آفتاب تک کام کرتے رہے (اور کام کی تکمیل کر دی) تو ہم کو دو دو قیراط صلہ مرحمت ہوا۔"

اہل کتاب کا اعتراض اور اس کا جواب

فقال اھل الکتابین ای ربنا اعطیت ھؤلاء قیراطین قیراطین واعطینا

قیراطا قیراطا ونحن اکثر عملا قال اللہ عزّوجل ھل ظلمتکم من اجرکم من شیئ قالوا لا قال وھو فضلی اوتیہ من اشآء۔

اس پر اہل کتاب کے ان دونوں گروہوں نے عرض کیا۔ پروردگارما! آپنے ان لوگوں کو دو دو قیراط مرحمت فرمائے اور ہم کو ایک ایک قیراط ہی عنایت ہوا۔ حالانکہ ہمارا کام ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔ خدائے عزوجل کا ارشاد ہوا۔ کیا ہم نے تمہارے اجر مقرر کردہ میں کسی قسم کی کوئی کمی کی؟ سبھوں نے عرض کیا کمی تو نہیں ہوئی (جس قدر قرارداد ہوئی تھی اس کے مطابق ہی تقسیم عمل میں آئی) اس پر ارشاد باری ہوا کہ (ان لوگوں کو جو دو دو قیراط دئے گئے) یہ ہمارا فضل اور عنایت و مرحمت ہے۔ ہم اس سے جس کو چاہیں سرفراز کریں" پھر شکایت کا کیا محل ہے؟ ۔

جامع تفسیر | بہرحال العصر سے جو بھی مراد لی جائے ہر ایک تفسیر اپنی جگہ درست ہے خواہ پورا زمانہ لیا جائے یا اس کا کوئی جزو خاص۔ ہمارے نزدیک پورا زمانہ مراد لینا ہی اولیٰ ہے جس میں تمام مخصوص زمانے بھی داخل ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے والعصر سے پورا زمانہ مراد ہونا لکھا ہے یعنی سارا زمانہ گواہ ہے اُس دعوے کے صحیح ہونے کا جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ اور اس کا ایک ایک جزو ثبوت پیش کررہا ہے اس امر کا کہ آگے جو تقریر آرہی ہے وہ اپنی جگہ اٹل ہے جس کی تردید نہیں ہوسکتی۔ وہ دعویٰ یہ ہے:۔

ان الانسان لفی خسر کی تفسیر | ان الانسان لفی خسر۔ "بیشک انسان سخت گھاٹے میں ہے" اب یہاں انسان سے کیا مراد ہے۔ اس میں بھی مفسرین کرام کے اقوال ہیں۔ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ انہ اراد جماعۃ من المشرکین کالولید بن المغیرۃ والعاصی بن وائل والاسود بن عبد المطلب۔ (نیشاپوری) یہاں الانسان سے مشرکین کی ایک جماعت مراد ہے۔ جیسے ولید بن مغیرہ عاص بن وائل اور اسود بن عبدالمطلب" وغیرہ جو کٹر مشرکین تھے

اور اہل مکہ کے سردار مانے جاتے تھے۔ اور حضرت مقاتل فرماتے ہیں :۔ انه ابو لھب۔ یہاں الانسان سے ابولہب مراد ہے۔" جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ اور حضور کی قرابت کا کچھ بھی پاس و لحاظ نہیں کرتا تھا۔ اور اسی دشمنی کے باعث حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں جو اس کے بیٹوں سے منسوب تھیں ان کو اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی تھی۔ جس کی مذمت میں سورۂ تبت ید ابی لھب نازل ہوا۔ اور ایک حدیث مرفوع میں ہے :۔ انه ابو جھل۔ یہاں الانسان سے ابوجہل لعین مراد ہے۔" جس کی دشمنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشہور ہے۔ یہ سب کہا کرتے تھے :۔ ان محمدا لفی خسار۔ یقیناً محمد گھاٹے میں ہیں۔" جو ہمارے آلھہ کو چھوڑ کر اللہ واحد کی عبادت کرنے کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ بھلا تین سو ساٹھ خداؤں سے منہ موڑ کر خدائے واحد کے پیچھے جا کر کیا فائدہ کمائینگے اور اتنے زیادہ خداؤں کی مخالفت مول لے کر ان کی گرفت سے کس طرح بچ سکیں گے اور ان سب کے مقابلہ میں ان کا اکیلا خدا کیا کرے گا؟ بجز خسارے کے ان کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر جمہور مفسرین نے الانسان سے تمام افراد انسان مراد لی ہے۔ جس میں ولید، عاص، اسود، ابولہب اور ابوجہل اور ان کے

نیک کام کیا اگر اول درجہ کا نیک کام کیا ہوتا تو اول درجہ کا ثواب حاصل کرتا۔ انسان کی یہ حسرت بھی گونہ نقصان اور گھاٹا ہی ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ سب انسان گھاٹے میں ہیں۔

اِلَّا کی تفسیر اِلَّا۔ مگر" وہ جن کا بیان آگے آرہا ہے وہ اس خُسرِ عظیم سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کو کسی قسم کے نقصان اور گھاٹے کا اندیشہ نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو ایسے نقصانِ عظیم پانے والوں سے دور رکھا ہے۔ اور بالکلیہ ان سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے۔ اِن کا عقیدہ، اُن کے عقیدے سے، اِن کا قول قرار اُن کے قول قرار سے، اِن کا عمل اُن کے عمل سے، اِن کی روش اُن کی روش سے، بلکہ ان کی پوری زندگی، ان کی پوری زندگی سے جداگانہ ہے۔ اگر کوئی ان دونوں گروہوں پر نظر ڈالے تو بادی النظر ہی میں صاف طریقہ پر محسوس ہوتا اور دکھائی دیتا ہے کہ یہ اور ہیں اور وہ اور ہیں۔ دونوں میں باہم کوئی مناسبت اور یکسانیت نہیں۔ جب یہ دونوں گروہ الگ الگ ٹھہرے تو ظاہر ہے کہ ان کا انجام بھی ایک نہ ہوگا بلکہ ہر ایک کا انجام اس کے عقیدے، قول قرار، عمل روش اور طرز زندگی کے مطابق جدا ہوگا۔ یہ مستثنیٰ گروہ کن صفات کا حامل ہے اس کا بیان آگے آرہا ہے:—

جملہ ہم خیال وہم عقیدہ سبھی داخل ہیں۔ ہم نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ اگر فی الواقع
یہ آیۂ کریمہ ان مخصوص مشرکین کے باب میں نازل بھی ہوئی ہو تو بموجب العبرۃ العموم
اللفظ لا لخصوص السبب کے اعتبار عام لفظ کا ہوگا۔ سبب خاص کا اعتبار نہ ہوگا۔
اس اصول کے مدنظر الانسان سے پوری نوع انسانی مراد ہوگی۔ اور آیۂ کریمہ کے
معنی یہ ہوں گے کہ نوع انسان یعنی جس جس شخصیت پر "انسان" کا اطلاق ہو سکتا
ہے وہ سب کے سب بڑے خسارے اور سخت گھاٹے میں ہیں۔ گویا انسانیت ہی
پرلے درجے کے نقصان میں پڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ خسر کی تنوین سے تنوین تعظیم
مراد لی گئی ہے یعنی لفی خسر عظیم۔ انسان سب کے سب بڑے گھاٹے اور خسارے
میں ہیں۔ یہ اس لئے کہ انسان کو جو کچھ کرنا ہے وہ اسی دو روزہ زندگی میں کرنا ہے
اگر نافرمانی اور معاصی میں گزار دیا جائے گا تو نقصان اور گھاٹا ظاہر ہے اور اگر مباحات
میں پڑے رہو گے جن کے کرنے پر نہ کوئی ثواب اور نہ عذاب۔ تو اس کا نتیجہ بھی
لاحاصل ہی رہیگا۔ اور اگر طاعات وعبادات میں مشغول رہو گے تو ان کے مدارج بھی
بے شمار ہیں جس درجہ اخلاص ہوگا اور جتنا ان میں انہماک رہیگا اس سے اعلیٰ وارفع
درجہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یقیناً اعلیٰ و ارفع کی جزا بھی اعلیٰ وارفع ہی ہوگی۔ اس
صورت میں ہر نیک سے نیک تر انسان کو حسرت ضرور رہیگی کہ میں نے دوم درجہ کا

الذین آمنوا کی تفسیر | الذین اٰمنوا۔ (ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ) یقین لائے" (خدائے واحد پر جو تمام صفات کمالیہ کا جامع، اور ہر عیب سے منزہ ہے۔ یعنی جملہ صفات کمالیہ جو خداوند تعالیٰ شانہ کی ذات میں ہونی چاہئیں وہ سب کی سب اس میں موجود اور وہ ان صفات سے موصوف ہے۔ اور جو صفات ایسی ہیں جو شان خداوندی کے لائق نہیں وہ ان تمام صفات سے پاک ہے) مثلاً وہ حیّ ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا۔ اس کو کبھی فنا نہیں۔ وہ علیم ہے سب کچھ جاننے والا۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ سمیع ہے سب کچھ سنتا ہے بہرا نہیں ہے۔ بصیر ہے۔ سب کچھ دیکھتا ہے اندھا نہیں ہے۔ متکلم ہے کلام فرماتا ہے۔ گونگا نہیں ہے۔ اس کا سننا، دیکھنا، کلام فرمانا ہمارے سننے دیکھنے اور کلام کرنے کی طرح نہیں۔ ہم ان صفات کے لئے کان، آنکھ، زبان کے محتاج ہیں اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ اسی کلام کا نتیجہ ہے کہ اس نے کتابیں نازل فرمائیں جن میں عقائد، عبادات اوامر و نواہی، معاملات، اخلاق، آداب سب کچھ بتلا دئے اور ان کے نتائج کا علم کرا دیا گیا۔ نیز ہر چیز کے حدود متعین کئے گئے اور کوئی چیز نہیں چھوڑی گئی جس کی ضرورت ہو۔ وہ مرید ہے۔ ہر کام اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ مجبور نہیں ہے۔ قدیر ہے ہر چیز پر اس کو

—

پوری قدرت ہے۔ عاجز نہیں ہے۔ غرض ہر وصف میں وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں لیس کمثلہ شیئ کوئی چیز بھی اس کی مانند نہیں ہے۔ اور اسی قدرت کاملہ کا ظہور ہے کہ تمام مخلوقات پیدا کیے گئے۔ ملائکہ انبیاء رسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کو امتیاز بخش گیا۔ اور انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کے ذریعہ کتب الٰہی کو پڑھنے، سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے طور طریق بتائے گئے۔ پھر ان تمام بزرگوں کے آخر پر حضرت ختم الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کو مبعوث فرمایا گیا جن کے بعد پھر کوئی نبی نہیں۔ اور آپ پر اللہ سبحانہ کی آخری کتاب قرآن کریم نازل کی گئی جس کے بعد قیامت تک کوئی آسمانی کتاب نازل نہ ہوگی اور آپ کی امۃ مرحومہ کو آخر الامم قرار دیا گیا جس کے بعد حق سبحانہ تعالیٰ کی محبوب و مقبول امت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح اکمال دین اور اتمام نعمت فرمادیا گیا اور اعلان فرمایا گیا:۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آج (۹ ذی الحجۃ الحرام سنہ۱۰ھ کو) میں نے تمہارے دین کو درجہ کمال پر پہنچا دیا اور اپنی پوری نعمت تم پر اتار دی۔ اور تمہارے دین اسلام سے رضامند و خوشنود ہو گیا۔ پس اس کو حرز جان بناؤ اور اس پر ہمیشہ پوری قوت سے قائم و برقرار رہو۔ کوئی قوت اس نعمت جاوید کو تم سے چھین نہیں سکتی

اور کوئی طاقت تم کو اس صراط مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ تم خود اسکی قدر نہ جانو۔ بہرحال الَّذِيْنَ آمَنُوْا میں جملہ ایمانیات داخل ہیں جو ایمان مجمل و مفصل میں بتادیے گئے ہیں۔ اور جن کی صراحت کتب عقائد و کلام میں شرح و بسط کے ساتھ کردی گئی ہے اور ہر امر کا ثبوت دلائل معقول و منقول سے بہم پہنچادیا گیا ہے۔ ان کو پڑھو اگر پڑھنا نہیں جانتے تو جاننے والوں سے دریافت کرلو۔

عملوا الصالحات کی تفسیر وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ ایمان کے بعد درجہ ہے عمل صالح کا۔ یعنی نیز خسران مبین سے وہ گروہ مستثنیٰ ہے جو اعمال صالحہ اور کارہائے شائستہ کے پابند اور خوگر اور ممنوعات و مکروہات سے دور رہیں" چنانچہ حضرت مجاہدؒ ارشاد باری تعالیٰ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :- واد وا ما الزمھم من فرائضہ واجتنبوا ما نھاھم عنہ من معاصیہ۔ (ابن جریر) عملوا الصالحات کا مصداق وہ لوگ ہیں جو فرائض لازمہ کو ادا کرتے رہے اور جن معاصی کے ارتکاب سے ان کو منع فرمایا گیا تھا ان سے اجتناب کرتے رہے" پھر یہ ادائی فرائض اور اجتناب عن المعاصی جو ہر شخص پر واجب ہے وہ ہر ایک کی استعداد اور اس کی استطاعت کے موافق ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی استعداد و استطاعت یکساں نہیں ہوسکتی۔

جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے :۔ فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ۔ کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے اور کوئی ان میں میانہ روی اختیار کرنے والا ہے اور کوئی ان میں ایسے بھی ہیں جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے حکم سے اپنی نیکیوں کو ساتھ لے کر سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں ۔"

نیز حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا ۔ خدائے بزرگ و برتر کسی جان کو اتنا ہی مکلف بنایا ہے جتنی اُس کی وسعت و طاقت ہے ۔" استعداد اور استطاعت سے بڑھ کر کسی کو کسی امر کی تکلیف نہیں دیتا ۔ عوام سے اہل علم کے فرائض متعلق نہیں کئے جاتے ۔ اور اہل علم بھی ایک درجے کے نہیں ہوتے ۔ فوق کل ذی علم علیم ۔ ہر صاحب علم کے اوپر ایسے اصحاب ہیں جو علم و فضل میں بڑھے چڑھے ہوتے ہیں ۔ لہٰذا ہر عالم سے امام وقت کے فرائض متعلق نہیں کئے جائیں گے ۔ یہی حال اہل عرفان کا ہے کہ ان کے بھی مدارج ہیں ۔ کوئی اولیاء اللہ میں شامل ہیں تو کوئی ابدال کے درجہ پر فائز ہیں ۔ کوئی اوتاد کہلاتے ہیں ۔ کوئی قطب وقت، کوئی قطب الاقطاب، کوئی غوث اور کوئی ان سے بھی بڑھ کر غوث اعظم ۔ کوئی تبع تابعین اور کوئی تابعین اور کوئی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ پھر اصحاب رسول کے بھی مدارج ہیں ۔

درجات بعضها فوق بعض۔ یہ مراتب درجات ہیں جو ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں"

سورۂ تین اور سورۂ عصر کی تقریر کا باہمی فرق

سورۂ تین میں بھی اسی طرح ارشاد ہوا تھا۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلهم اجر غیر ممنون۔ بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا بہترین قامت اور انداز میں، پھر اس کو ہم نے لوٹا دیا نچلے سے زیادہ نچلے درجہ میں، مگر جو لوگ یقین لائے اور عمل کرتے رہے نیک اور شائستہ تو ان کے لئے ہے ثواب کبھی ختم نہ ہونیوالا" اور یہاں ارشاد ہو رہا ہے:۔ ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات۔ بے شک انسان گھاٹے اور نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور عمل کرتے رہے نیک اور شائستہ (وہ اس گھاٹے اور نقصان سے دور ہیں)" دونوں جگہ کی تقریر ایک سی ہے فرق اس قدر ہے کہ سورۂ تین میں انسان کی جسمانی ساخت سے بحث فرمائی گئی تھی کہ باوجود اسکو اعلےٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر بنانے کے جب وہ ایمان اور عمل صالح سے دور رہا تو اعلیٰ پیمانہ کی جسمانی ساخت وہ کیسی ہی وضعدار خوبصورت، حسن وجمال کی حامل ہو اسفل سافلین میں

پھینک دینے کے قابل ہوگئی۔ ہاں ان میں سے جو ایمان لائے اور شائستہ کاموں
میں لگے رہے ان کا کیا پوچھنا صورت بھی اچھی اور سیرت بھی نورانی نور علی
نور۔ اور یہاں سورۂ عصر میں نفس انسانی سے بحث ہے کہ اگر وہ ایمان و
عمل صالح سے عاری ہو تو وہ کتنی ہی کثرت تعداد میں ہو اور کیسی ہی دولت و
ثروت رکھتی ہو سراسر گھاٹے اور خسارے میں ہے۔ البتہ انسان اگر اللہ سبحانہٗ
کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین رکھے اور اس کے بتائے ہوئے اعمال و احکام
کا ربند ہو تو اس کی زندگی کامیاب ہے اگرچہ ایسے لوگوں کی تعداد کم ہو اور
دنیوی دولت و ثروت کے اعتبار سے تہی دست ہو۔

دوسرا فرق دوسرا فرق ان دونوں سورتوں میں جو الذین آمنوا و
عملوا الصالحات وارد ہوا ہے یہ ہے کہ سورۂ تین میں انسان کے درجۂ
کمال سے انحطاط کی طرف جانے کا بیان ہوا تھا کہ انسان جب پیدا ہوا تو
وہ احسن تقویم میں تھا۔ مگر ایمان و عمل صالح سے دوری اختیار کرنیکی وجہ سے
اسفل سافلین میں جا پہنچا۔ اور سورۂ عصر میں اس کے برعکس درجۂ تنزل سے
ترقی کی طرف جانے کا بیان ہو رہا ہے کہ جب تک وہ ایمان اور عمل صالح سے
دور رہے گھاٹے میں ہے اور اگر وہ صفت ایمان و عمل صالح سے آراستہ ہو تو

پھر اس کو کسی نقصان اور خسارے کا اندیشہ نہیں۔ بلکہ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ میں جیسی جیسی ترقی کرتا جائے اسی مناسبت سے وہ ترقی کا ایک ایک زینہ طے کرتے ہوئے معراج کمال پر جا پہنچیگا۔

دوسری تفسیر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان دونوں سورتوں میں جو الّا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وارد ہوا ہے اس سے نفس انسانی کی حالت کا بیان مراد لیا جائے۔ فرق صرف اس قدر کہ سورۂ تین میں انسان کی استعداد فطری کی طرف اشارہ مقصود ہو جو بمنزلۂ راس المال کے ہے کہ ہر انسان کی فطری استعداد ایک ہی ہے۔ اور سورۂ عصر میں انسان کے میدان عمل میں قدم رکھنے کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ انسان اپنی فطری استعداد کے ساتھ جب عمل کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو اس کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں۔ ایک وہ جو ایمان وعمل سے دوری اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی فطری استعداد کھوئی گئی۔ اور اگر ایمان وعمل صالح کی صفات سے متصف ہوا تو اس نے راس المال کو محفوظ رکھکر خوب فائدہ کمایا اور اس کی زندگی ہر طرح کامیاب رہی۔

وتواصوا بالحقّ کی تفسیر وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ اور ایک دوسرے کو باہم تاکید کرتے رہے حق پر قائم رہنے کی " تیسرا گروہ جو خسران ونقصان سے

مستثنٰی اور دور ہے ان لوگوں کا ہے جو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ اللہ سبحانہ پر ایمان لانے اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کا یقین کرنے کی بدولت وہ دائمی خسارے سے نجات پا چکے تھے۔ پھر نیک کاموں میں لگے رہنے کی برکت سے وہ اس قابل ہوئے کہ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے حق دار ہوئے۔ کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں اور عمل صالح کے بغیر دوسروں پر حکومت کرنے کا کوئی حق پیدا نہیں ہوسکتا جب یہ دونوں اوصاف کسی میں جمع ہوگئے تو ان کو حق پیدا ہوگیا کہ دوسروں کو بھی حق کی دعوت دے سکیں۔ اب یہ امر تحقیق طلب رہ جاتا ہے کہ حق سے کیا مراد ہے جس کی طرف دعوت دعوت دی جائے؟

الحق سے قرآن مراد ہے حضرت قتادہ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں:۔ الحق کتاب اللہ۔ (ابن جریر) حق سے اللہ سبحانہ کی اتاری ہوئی کتاب (قرآن کریم) مراد ہے" اور حضرت مقاتلؒ فرماتے ہیں:۔ بالایمان والتوحید (مظہری) یعنی ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہتے ہیں ایمان پر قائم رہنے اور اللہ سبحانہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے رہنے کی" ایمان میں وہ تمام ایمانیات داخل ہیں جن کا بیان

ایمان مجمل اور ایمان مفصل میں کیا گیا ہے۔ اور توحید سے مراد اس امر کی تصدیق اور اقرار کہ اللہ سبحانہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے کوئی ہستی کائنات کی اس میں شریک نہیں ہو سکتی۔ بہرحال یہ بیان مقصود ہے کہ خسارے اور گھاٹے سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ ہیں جو نہ صرف اپنی ذات سے ایمان لائے اور یقین کامل رکھا اور نہ صرف خود اچھے کام کرتے رہے بلکہ دوسروں کو بھی دعوت حق دیتے رہے اور اعمال صالحہ پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ انسان جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسروں کے لئے بھی اس کو پسند کرے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتا ہو دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ یہی علامت مومن کامل کی ہے۔

حق سے مراد ناقابل انکار حقیقت دیگر مفسرین کرام نے حق کی تفسیر میں یوں فرمایا:۔ وصّی بعضھم بعضا بالامر الثابت الذی لاسبیل الی انکارہ ولا زوال فی الدارین لمحاسن آثارہ وھو الخیر کلّہ من الایمان باللہ عزوجل واتّباع کتبہ ورسلہ فی کل عقد و عمل۔ یعنی وہ ایک دوسرے کو تاکید کرتے رہے ان امور کی جن کا ثبوت محقق طور پر موجود ہے ایسا کہ ان کے انکار کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی۔ اور دونوں جہاں میں اس کے محاسن آثار کبھی مٹ نہیں سکتے۔ یعنی ہر امر خیر کے

اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔ خواہ وہ خدائے عزوجل پر ایمان لانا ہو' یا اس کی کتابوں کا اتباع کرنا ہو یا اس کے رسولوں کی اقتداو پیروی کرنی ہو۔ ہر امر میں جو اپنی ذات سے متعلق ہو یا دو اشخاص' یا دو جماعتوں کے درمیان دائر ہو' مثلاً نماز' روزہ' یہ ایسی عبادات ہیں کہ ان کا نفع ان کے ادا کرنے والوں کی ذات تک محدود رہتا ہے۔ اور بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق دو فریق سے ہوتا ہے مثلاً بیع و شراء' نکاح' معاہدہ وغیرہ کہ ان کی بجا آوری اور پابندی فریقین کے ذمہ عاید ہوتی ہے۔ غرض یہ تمام امور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق انجام پانے چاہئیں۔ وتواصوا بالحق میں حق سے خواہ کتاب اللہ مراد لی جائے' یا ایمان و توحید' یا جملہ امور خیر۔ ہر ایک تفسیر اپنی جگہ درست ہے۔ آپس میں باہم تضاد نہیں۔ سب کا مآل اور نتیجہ ایک ہی ہے۔

حق سے مراد باطل کی ضد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حق کی تاکید کرتے رہنے کا یہ مطلب لیا جائے کہ حق کی ضد جو باطل ہے اس سے دوری اختیار کی جائے۔ خواہ اس کا تعلق اعتقادات سے ہو یا عبادات سے' اعمال سے ہو یا اموال سے معاملات سے ہو یا معاہدات سے' ہر امر میں حق پر قائم رہیں۔ حق کہیں' حق حق کریں' باطل سے دور رہیں۔ مقابلہ اپنوں سے ہو یا پرایوں سے۔ معاملہ

رشتہ ناطے والوں کا ہو یا اجنبی لوگوں کا۔ بلکہ کوئی معاملہ اپنی ذات سے تعلق ہو تو اس میں بھی حق کا لحاظ رکھیں اور حق کو ہاتھ سے جانے نہ دیں کہ اسلام نام ہے دینِ حق کا۔ باطل کو دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں فتح مکہ ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دست مبارک میں چھڑی لئے ہوئے کعبۃ اللہ شریف میں بٹھائے ہوئے ایک ایک بت کو دھکا دیتے جاتے اور فرماتے تھے جآء الحقّ وزھق الباطل انّ الباطل کان زھوقا۔ جاء الحقّ وما یبدئ الباطل وما یعید۔ حق آیا یعنی سچا دین آیا۔ یا یہ کہ قرآن کریم آیا اور جھوٹ نکل بھاگا یقیناً جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے "حق آیا اور باطل آئندہ کبھی منہ نہ دکھا سکیگا" چھڑی کے اشارہ پر ایک ایک بت اوندھے منہ گرتا جارہا تھا۔ اس طرح تین سو ساٹھ بت جو کعبۃ اللہ شریف میں بٹھائے گئے تھے کعبۃ اللہ شریف ان سب سے پاک صاف ہوگیا جس پر اب چودہ سو سال ہوتے ہیں کہ قرآن کریم کی پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ الحمد للہ علی ذالک۔ بہرحال اس آیہ کریمہ میں ہر امر خیر کے کرتے رہنے کی تاکید کا حکم دیا گیا ہے۔

وتواصوا بالصبر کی تفسیر	وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ اور تاکید کرتے رہے صبر کی یعنی تکلیف و رنج کو سہنے کی " ایمان لانے اور

عمل صالح کرتے رہنے' اور حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہنے کے سلسلہ میں جو تکالیف شاقہ برداشت کرنے پڑتے ہیں ان کو سہتے رہنے کی تاکید کیا کرنا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ تواصی بالحق میں' تواصی بالصبر بھی داخل تھا۔ لیکن تواصی بالصبر کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو مستقل طور پر بیان فرمایا جارہا ہے تواصی بالصبر کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر انسان میں صبر و استقامت نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ ایمان متزلزل' اور عمل صالح ناتمام' اور تواصی بالحق جس کا بیان اوپر کیا گیا بے معنی ثابت ہو کر رہ جائے۔ پھر ان امور ثلاثہ کا فائدہ کما حقہ' حاصل نہ ہو۔ اور ساری کوشش و کاوش بے نتیجہ ہو جائے۔

صبر کی اہمیت صبر کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ الایمان بضع وسبعون شعبۃ۔ ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں" اور دوسرے موقع پر فرمایا:۔ الصبر نصف الایمان۔ ان میں سے صرف ایک صبر' آدھا ایمان ہے" جو کم از کم چھتیس شاخوں پر حاوی ہے۔ گویا ایک صبر کی صفت حاصل کرنے سے ایمان کی آدھی شاخیں ہاتھ آجاتی ہیں۔ یہ بھی ارشاد ہوا:۔ الصبر مفتاح الفرج صبر کامیابی اور کشائش کی کنجی ہے" جس انسان میں یہ وصف جس درجہ غالب

ہوگا اس کو اسی کی مناسبت سے اپنے کاموں میں کامیابی حاصل ہوگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا:۔ واصبر وما صبرك الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تك فی ضیق مما یمکرون۔ اور اے نبی کریم آپ ہر مشکل میں جو آپ کو درپیش ہو آپ صبر فرماتے رہیں۔ اور آپ کا ہر امر میں صبر فرماتے رہنا، اللہ سبحانہ کی اعانت ہی سے ہے ان کفار کے ناروا سلوک سے آپ اندوہگیں نہ رہا کریں اور آپ کے خلاف جو کارسازیاں یہ لوگ کر رہے ہیں ان سے آپ دل تنگ نہ ہوں" یعنی آپ ذرا صبر سے کام لیجئے پھر دیکھئے کہ کفار کی یہ ساری چال بازیاں کس طرح خاک میں مل جائینگی اور دیکھتے دیکھتے کیسی کامیابی آپ کو حاصل ہوگی؟ اسی طرح امت مرحومہ کو سراہا گیا:۔ الصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس۔ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں ان کی صفت یہ ہے کہ وہ تکالیف شاقہ اور ضرر رساں مواقع میں نیز حالت جنگ میں بڑے ہی صابر ہیں" جب آپ خود ایسے صابر واقع ہوئے ہیں اور آپ کے رفقائے کار کی بھی یہ صفت ہے تو یقین جانئے کہ ہماری اعانت بھی آپ کے ساتھ ہے اور کامیابی بھی آپ ہی کے ہاتھ ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں جو فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔

صبر کا مرتبۂ عبادت وعبودیت یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تواصوا بالحق سے مرتبۂ عبادت مراد لیا جائے یعنی ایسے کام کرتے رہنے کی تاکید جن سے حق سبحانہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی حاصل ہو۔ اور و تواصوا بالصبر سے مرتبۂ عبودیت مراد لیا جائے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ساتھ جو سلوک بھی ہو اس پر نہ صرف صبر سے کام لے بلکہ اس پر اپنی رضاء و خوشنودی کا اظہار کرے اور نہ صرف اظہار بلکہ اس کو جان و دل سے قبول کرے کیونکہ ارشاد باری ہے:۔ واللہ یحب الصابرین۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ تکالیف کے سہنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔" محب جو سلوک بھی کرے وہ محبوب کی مسرت کا موجب ہوتا ہے لہٰذا نہ صرف خود تکالیف الٰہیہ سے راضی اور خوشنود رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتا رہے۔

تواصوا کہنے کی وجہ تخصیص یہاں تواصوا بالحق اور تواصوا بالصبر فرمایا گیا۔ وعظ و نصیحت یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ ارشاد نہیں ہوا یہ اس لئے کہ تواصوا وصیت سے مشتق ہے۔ وصیت آخری حکم کو کہتے جو انسان یہاں سے چل چلاؤ کے موقع پر کرجاتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ وصیت کرنے والے اپنی خودی کو فنا کرچکے ہیں۔ فانی فی اللہ باقی باللہ کے

رنگ میں رنگے ہوئے اور موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ مرنے سے پہلے مر چکے ہیں۔ اس عالم میں آنے کے بعد ان کی جو فرمائش بھی دوسروں سے ہوگی وہ حد درجہ دل نشیں ہوگی اور ہر شخص جو اس فرمائش کو سنا ہوگا وہ دل وجان سے اس کی تعمیل وتکمیل پر مائل ہوگا اور بہر صورت بلکہ بہر قیمت اس کی تکمیل کر کے دم لیگا۔ اگر تواصی کی جگہ کوئی دوسرا کلمہ ارشاد ہوتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔

ایک نکتہ نیز یہاں آمنوا، عملوا اور تواصوا یہ تمام صیغے ماضی کے ارشاد ہوئے ہیں۔ حال و استقبال کے صیغے یؤمنون، یعملون اور یتواصون نہیں لائے گئے۔ اگر حال و استقبال کے صیغے لائے جاتے تو یہ سمجھا جاتا کہ ان صفات کے حاصل کرنے کا گویا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس کی تعمیل آئندہ زمانے سے متعلق ہوتی۔ بر خلاف اس کے ماضی کے صیغے لائے جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ گویا یہ لوگ صفات مذکورہ کے ساتھ پیشتر ہی سے موصوف ہیں اس لئے یہاں ان کی تعریف وتوصیف فرمائی جا رہی ہے۔ ان لوگوں سے زمانہ آئندہ میں ان صفات کی تحصیل کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ یہ صفات چونکہ ان میں پہلے سے موجود ہیں اب ان سے ان اوصاف پر محض ثابت و برقرار رہنے کا مطالبہ ہے اور بس۔ اس تقریر میں جو لطف ہے وہ ارباب ذوق پر مخفی نہیں۔

سورۂ والعصر سے صحابۂ کرام کا شغف

بہر حال کسی قوم کے دونوں جہان میں کامیاب قوم کہلانے کیلئے یہ چار صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ایمان عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ حضرت ابوحذیفہؓ فرماتے ہیں: — کان الرجلان من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا التقیا لم یتفرقا حتی یقرأ احدھما علی الآخر سورۃ والعصر ثم یسلم احدھما علی الآخر۔ (طبرانی، بیہقی) حضرت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو اصحاب کی جب آپس میں ملاقات ہوجاتی تو سورۂ شریفہ والعصر اپنے ساتھی کو پڑھ سنائے بغیر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوا کرتے تھے۔ جب کوئی ایک صاحب اپنے دوسرے صاحب کو یہ سورت شریفہ سنا چکے تو ایک دوسرے کو سلام کرکے رخصت ہوتے۔" اس عملدرآمد سے پایا جاتا ہے کہ صحابۂ کرام کو اس بارے میں کیسا اہتمام تھا؟

سورۂ والعصر کی جامعیت

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپنے فرمایا: — لولم ینزل غیر ھذہ السورۃ لکفت الناس۔ اگر اس سورت شریفہ کے سوا قرآن کریم کی اور کوئی سورت نازل نہ ہوتی تو بھی یہی ایک سورت تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی تھی۔" علمائے کرام فرماتے ہیں: — لانھا شملت جمیع علوم القرآن۔ کیونکہ یہ سورت شریفہ باوجود اتنے اختصار کے، قرآن کریم کے جملہ علوم پر مشتمل ہے۔"

امر بالمعروف کا ترک موجب خسران

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:۔
الامر بالمعروف والنھی عن المنکر واجب من ترکہ کان من الخاسرین۔ بھلائی کا حکم دینا' اور برائی سے روکنا' شرعاً واجب ہے جس نے اس فریضہ کو ترک کیا اس کا شمار بھی گھاٹے میں رہنے والوں اور نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔" کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبہٖ وذلک اضعف الایمان۔ (مسلم) تم میں سے جو کوئی شخص کسی خلافِ شرع کام کو دیکھے تو چاہئے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ (یہ فریضہ حکام کا ہے) پھر اگر کسی سے یہ نہ ہوسکے تو اس کو اپنی زبان سے منع کردے۔ (یہ کام علماء کرام کا ہے) پھر اگر یہ نہ ہوسکے تو اسکو اپنے دل میں برا جانے۔ اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (یہ کام عامۃ المسلمین کا ہے)

نہی عن المنکر کے ترک پر وعید

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔
ما من قوم یعمل فیھم المعاصی ثم یقدرون علی ان یغیروا ولا یغیرون الا یوشک ان یعمھم العقاب (ابوداؤد شریف) جس کسی قوم میں گناہ رائج ہوتا ہے اور وہاں ایسے لوگ موجود ہوں جو اس کی اصلاح پر قادر ہیں پھر بھی وہ اصلاح نہ کریں تو قریب ہے کہ اس قوم پر عام عذاب نازل ہو۔" نیز حضرت جریر بن عبد اللہ بجلیؓ سے مروی ہے کہ حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے فرمایا:۔

لا یعذّب اللہ العامّۃ بعمل الخاصّۃ حتی یروا المنکر بین ظھرانیھم وھم قادرون علی ان ینکروہ فلم ینکروہ فاذا فعلوا ذلک عذب اللہ العامّۃ والخاصّۃ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بغوی) عادۃ اللہ اس طرح جاری ہے کہ چند لوگوں کے گناہ کرنے سے اللہ سبحانہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مبتلائے عذاب نہیں فرماتا تاآنکہ عام لوگ اپنے روبرو چند آدمیوں کو گناہ کرتا ہوا دیکھتے رہیں اور باوجود قدرت رکھنے کے ان پر انکار نہ کریں۔ جب صورت حال ایسی ہو جائے تو اللہ سبحانہ عام و خاص سبھی کو عذاب میں مبتلا فرماتا ہے" گناہ گاروں کو گناہ کی پاداش میں اور دوسروں کو اس سے منع نہ کرنے کی بنا پر۔ کیونکہ گناہ سے راضی رہنا بھی گناہ ہے اس باب میں اور بھی بکثرت احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

رحمت الٰہی کی وسعت مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورت شریفہ میں گھاٹے اور خسارے کی نسبت صرف اسی قدر فرمایا: والعصران الانسان لفی خسر "سارا زمانہ گواہ ہے کہ یقیناً نوع انسانی بالضرور بڑے خسارے میں ہے" اور جو لوگ اس گھاٹے اور خسارے سے دور ہیں ان کی شان میں ارشاد فرمایا: الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ مگر جو لوگ ایمان لائے

اور نیک کام کرتے رہے، اور حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے اور (تکالیف پر) صبر کرتے رہے اور ان کو سہتے رہنے کی تاکید کرتے رہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔" اسمیں حدیث قدسی سبقت رحمتی غضبی کی طرف اشارہ ہے جس میں باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ میری رحمت، میرے غضب سے کہیں سبقت رکھتی ہے۔" یعنی گھاٹے میں ضرر ایک نوع اور فائدے میں چار انواع۔

مومنین صالحین کا دائمی ثواب حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ان الانسان اذا عمر فی الدنیا وھرم فھو لفی نقص وتراجع الا المؤمنین فانھم یکتب لھم اجورھم ومحاسن اعمالھم التی کانوا یعملونھا فی شبابھم وصحتھم (مظہری)

یہ یقینی ہے کہ انسان جب سن رسیدہ ہو جاتا اور بڑھاپے کو پہنچ کر ناکارہ ہو جاتا ہے تو اس کے روزمرہ کے کام گھٹتے جاتے اور تنزل کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ (یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے جس کو ہر کس و ناکس خوب جانتا ہے) مگر اہل ایمان کا معاملہ اور ہی ہے کہ وہ اپنی جوانی کے زمانے میں جو جو اعمال صالحہ کیا کرتے تھے اور تندرستی کی حالت میں جن کار ہائے خیر میں حصہ لیا کرتے تھے۔ جب ان پر بڑھاپا غالب ہو جائے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے وہ کام نہ کر سکیں تو وہ تمام محاسن اعمال اور ان کا ثواب پورا پورا ہر روز ان کے اعمال نامے میں ان کی وفات تک برابر لکھا جاتا رہتا ہے۔" اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہونے پاتی۔ غور کیجئے کہ یہ اللہ سبحانہ کی کیسی عنایت و قدردانی ہے۔

اس اعتبار سے ان آیات کریمہ کا مضمون سورۂ تاین کی ان آیات کریمہ سے ملتا جلتا ہے۔ جن میں ارشاد ہوا ہے:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون۔ بے شک ہم نے انسان کو بہترین قامت اور انداز ے پر پیدا کیا پھر اس کو نچلے سے نچلے درجہ میں ڈال دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے ثواب ہے کبھی ختم نہ ہونے والا" ہاں ان دونوں سورتوں کی آیات کریمہ میں جو فرق ہے اس کو اوپر بتلا دیا گیا ہے۔

سورۂ والعصر پڑھنے کی فضیلت حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا ارشاد مبارک ہے:۔ من قرأ سورۃ والعصر غفر اللہ تعالیٰ لہ وکان ممن تواصی بالحق وتواصی بالصبر۔ (ابو السعود) جس شخص نے سورۂ والعصر پڑھا اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو بخش دیگا اور اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے" واللہ الموفق۔

سورۂ عصر کی تفسیر ختم ہوئی وللہ الحمد۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

104 HUMAZAH Makky Verses 9

سورہ ھمزہ

مکہ معظمہ میں نازل ہوا۔ اس میں نو آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط ماقبل سورت میں بیان فرمایا گیا تھا کہ ایمان والوں اور
صالحین حق پر قائم رہنے اور تکالیف پر صبر کرنے کی تاکید کرتے رہنے والوں
کے سوا باقی تمام انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ اس سورت شریفہ میں
ان ہی خاسرین کے چند گروہوں کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔ گویا یہ سورت شریفہ
ماقبل سورت کی توضیح و تشریح ہے بالفاظ دیگر وہ متن تھا اور یہ اس کے چند
اجزاء کی شرح ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۨ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۙ﴿۲﴾ 104-1
یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۚ﴿۳﴾ بڑی خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب 104-2

ع الھمز الکسر کالھزم و اللمز الطعن کاللھز شاعا فی الکسر من اعراض الناس

چُننے والے کی جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر جتن کر رکھا اسکو وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہی ہمیشہ بچا رکھا ہے اسکو"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔)

والغض منہم واغتیابہم والطعن فیہم واصل ذلک کان استعارۃ لانہ یتصور الکسر والطعن الحقیقیان فی الاجسام فصا حقیقۃ عرفیۃ وقال ابن عباسؓ هو المشاء بالنمیمۃ المفرق بین الجمع المغری بین الاخوان۔ وعن مجاهد الهمزۃ الطعان فی الناس واللمزۃ الطعان فی الانساب۔ وعن ابی العالیۃ الهمز فی الوجه واللمز فی الخلف۔ وعن ابن جریج الهمز بالعین واللمز باللسان۔ (روح المعانی) همز توڑنے اور ٹکڑے کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ هزم کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور لمز طعنہ دینے کو کہتے ہیں جیسا کہ لهز کے بھی یہی معنی ہیں۔ عرف میں یہ دونوں لفظ عزت ریزی کرنے اور لوگوں کی شان گھٹانے کے ہیں۔ نیز لوگوں کی غیبت کرنی اور ان پر وار کرنا۔ دراصل یہاں استعارہ ہے کیونکہ حقیقی طور پر جسم کے کسی حصہ کو توڑنا اور اس پر وار کرنا مراد نہیں۔ لہذا حقیقۃ عرفیہ مراد ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ھُمَزہ سے چغلخور مراد ہے جو لوگوں میں پھوٹ ڈالتا اور بھائیوں میں نفاق کا بیج بوتا ہے۔" حضرت مجاہد نے فرمایا "ھُمَزہ طعنہ باز اور لُمَزہ نسب میں کلام کرنے والا ہے۔" حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں "ھمزہ منہ پر برا بولنے والا اور لمزہ پیٹھ پیچھے بدگوئی کرنے والا۔" حضرت ابن جریج نے

ھمزۃ لمزۃ کی تفسیر یعنی کیا ہی خرابی ہے ہر اس شخص کی جو لوگوں کو ان کے منہ پر طعنہ دیتا اور غائبانہ ان کی عیب چینی کیا کرتا ہے۔ خواہ ان میں وہ عیب ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ وہ اس کے طعن کے مستحق ہوں یا نہ ہوں مگر یہ طعنہ باز اور عیب جیں اپنی طعن و تشنیع میں لگا ہوا عیب چینی کرتا پھرتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دوسروں پر طعنہ زنی اور عیب جوئی کے بجائے اپنے آپ پر نظر کرتا کہ خود میں ایسی کتنی خصلتیں ہیں جن پر اس کو طعنہ دیا جا سکتا ہے اور اپنے اندر کتنے عیوب ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔ اگر وہ اپنے عیوب اور اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈال کر اصلاح کی فکر کرتا تو یہ وصف اس کے حق میں سودمند ہوتا اور ذریعۂ نجات بنتا۔ خود کو فراموش کیا ہوا ہے اور دوسروں کا پیچھا کر رہا ہے۔ فرض کیجئے کہ یہ جس چیز پر دوسروں کو طعنہ دے رہا ہے اور ان کے عیوب بیان کر رہا ہے اگر فی الحقیقت وہ اس طعن کے مستحق نہیں ہیں اور وہ عیب ان میں موجود نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص بہتان تراشی کر رہا ہے۔ اور بے وجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔

یوں تفسیر کی:— ھمزۃ آنکھ مارنے والا اور لمزۃ زبان سے یاوہ گوئی کرنیوالا۔ صاحب قاموس نے بھی وہی معنی لکھے ہیں جو حضرت ابوالعالیہ سے منقول ہیں۔ واللہ اعلم۔

لوگوں کو الزام دے رہا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے طعن اور عیب جوئی سے
دوسروں کا تو کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ خود ہی لوگوں کی نظر میں جھوٹا ثابت ہوگا'
اور اس کا اعتبار دلوں سے جاتا رہیگا۔ یہ سزا دنیا میں ملی۔ اور آخرت میں اسکے
لئے جو عذاب رکھا گیا ہے اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

شان نزول اس سورت کریمہ کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت
عثمان بن عمر فرماتے ہیں:۔ نزلت فی اُبیّ خلف۔ (ابن ابی حاتم) یہ سورت
شریفہ' ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی'' سُدّی کہتے ہیں:۔
فی اُبی بن عمرو الثقفی الشھیر بالاخنس بن شریق فانہ کان مغتابا
کثیرا لوقیعۃ۔ (ابن ابی حاتم) ابی بن عمرو ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگوں
میں اخنس بن شریق کے نام سے مشہور تھا۔ انھوں نے ایسا اس بنا پر کہا کہ اخنس بن
شریق لوگوں کی غیبت بہت کیا کرتا اور اکثر ان کی عیب جوئی میں لگا رہتا
تھا'' ابن اسحاق کہتے ہیں:۔ فی امیۃ بن خلف الجحمی وکان یھمز
النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویعیبہ۔ (ابن ابی حاتم) یہ سورت شریفہ
اُمیہ بن خلف جمحی کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو طعنے دیا کرتا اور آپ کو عیب لگانا چاہتا تھا'' حضرت مجاہد کہتے ہیں:

فی جمیل بن عامر۔ جمیل بن عامر کے بابت میں نازل ہوئی "۔ ایک قول یہ ہے فی الولید بن المغیرۃ واغتیابہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغضہ منہ۔ (روح المعانی) یہ سورت ولید بن مغیرہ کے بیان میں نازل ہوئی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبت کیا کرتا اور آپکی طرف التفات کرنیکی ترغیب دیتا تھا "۔ اور ایک قول یہ ہے:۔ فی العاص بن وائل۔ (روح المعانی) یہ سورت کریمہ عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی "۔ غرض یہ چند روایات اور اقوال ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان سب کے بابت اس سورت شریفہ کا نزول ہوا ہو لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ان چند اشخاص پر اس کا انحصار نہیں۔ بلکہ جن جن لوگوں کا ایسا وتیرہ ہو سبھی اس کے حکم میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ ویل لکل ھمزۃ لمزۃ۔ "بڑی خرابی ہے ہر طعنہ باز عیب چیں کی "۔ خواہ وہ کسی زمانے اور کسی مقام پر ہو یہ عادت جس میں ہو گی اس کی خیر نہیں۔ وہ جو کوئی ہو۔

مومن اور منافق کا امتیاز مومن اور منافق میں بڑا فرق ہے۔ حدیث شریف ہے:۔ المؤمن کیّسٌ فطِنٌ حذِرٌ وقّافٌ متثبّتٌ عالمٌ ورِعٌ والمنافق ھُمَزۃٌ لُمَزۃٌ حُطَمَۃٌ کحاطب لیل لایدری من این اکتسب وفیم انفق۔ ایمان دار کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ دانا سمجھدار

محتاط ہوتا ہے۔ دیکھ بھال کر قدم اٹھاتا ہے، ثابت قدم رہتا ہے، علم رکھتا ہے۔ پرہیزگار ہوتا ہے۔ اور منافق، طعنہ زن، عیب چیں ہوتا ہے، قدم قدم پر ڈگمگاتا ہے۔ اس کی مثال تاریک رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہے۔ اس کو خبر نہیں کہ کیا اٹھا لایا، کہاں سے حاصل کیا اور کس موقع پر خرچ کیا؟" علامہ قاشانی فرماتے ہیں کہ طعنہ زنی اور عیب چینی، یہ دونوں رذیل عادتیں ہیں جو جہالت اور غصے اور تکبر سے پیدا ہوتی ہیں۔ جن سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ ایک شخص لوگوں سے خود کو عالی مرتبہ سمجھتا اور ان پر اپنی بڑائی جتانا چاہتا ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ خود میں کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے جس کی بنا پر وہ اپنا تفوق جتا سکے تو وہ لوگوں کی عیب چینی کرنے لگتا ہے اور طعنے دیتا جاتا ہے تاکہ اس ذریعے سے لوگ اس کی برتری مان لیں۔ اس احمق کو خبر نہیں کہ اپنی تعلی جتانا اور شیخی بگھارنا خود ایک رذیل عادت ہے۔ پھر اگر وہ ایسے مذموم طریقے سے ہو تو اور بھی بری بات ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے نفس اور شیطان کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے۔ جبھی تو لوگوں کو ان کے منہ پر بیجا طعنہ دیتا اور غائبانہ ان کی غیبت کرتا ہے۔ اس کا اصلی سبب کیا ہے، اس کا بیان آگے آرہا ہے۔

جمع مالا وعددہ کی تفسیر اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ۔ (ایسا طعنہ زن اور عیب چیں وہی ہوا کرتا ہے) جو حرص کے مارے بے غل و غش مال سمیٹتا جاتا اور بخل کے مارے اس کو بار بار گنتا رہتا ہے" کہ اندوختہ میں کچھ کمی تو واقع نہیں ہوئی؟ حالانکہ تحصیل مال جائز اور حلال طریقے سے ہونی چاہئے اور جب وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے بعد بھی بچ رہے تو اس میں سے حق اللہ (مثلاً زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی) ادا کرنا چاہئے۔ مومن ہی سے ایسی توقع کی جاسکتی ہے۔ کوئی کافر یا منافق اس کو کیا جانے؟ اور اسکے ایسے نصیب کہاں ہو سکتے ہیں؟

دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے عددہٗ کی بنا اور اشتقاق عَدَّۃ یعنی گننے سے نہیں جیسا کہ اوپر گزرا بلکہ اس کو عُدَّۃ سے ماخوذ قرار دیا ہے جس کے معنی ہیں "ذخیرہ اور توشہ" اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ (طعنہ زن اور عیب چیں وہی ہوا کرتا ہے) جو مال کو بلا لحاظ حلال و حرام اور بلا امتیاز جائز و مکروہ سمیٹتا جاتا اور اس کو آڑے وقت پہ کام آنے والا ذخیرہ قرار دیتا ہے" جیسا کہ فی زمانہ اکثر کفار کا یہی حال ہے کہ ان کو دولت دنیا جیسی جیسی ملتی جاتی ہے اس کو سمیٹ سمیٹ کر حوادث دہر اور آفات ارضی و سماوی میں کام آنے کے لئے ذخیرہ کرتے جاتے ہیں۔ اس میں سے حق اللہ تو کیا ادا کرتے بلکہ اپنے خیال خام

اور زعم باطل کے مطابق نفع آور کاموں میں لگاتے جاتے ہیں۔ اور رات دن نت نئی تجویزیں سوچتے اور طرح طرح کی تدبیریں کیے جاتے ہیں۔ انکو اتنی سمجھ نہیں کہ مال کی بہتات ہی ایسی چیز ہے جو آفات وبلیات کو دعوت دیتی اور مبتلائے مصائب کرتی ہے۔ مگر ان کا زعم یہ ہے کہ اس مال سے آفات وبلیات کو دفع کیا جائے گا۔ چنانچہ کتب تفاسیر میں ہے: "وکان للاخنس المذکور اربعۃ آلاف دینار او عشرۃ آلاف (روح البیان وروح المعانی) اخنس مذکور کے پاس چار ہزار دینار اور ایک روایت کی رو سے دس ہزار دینار تھے" اور یہی اندوختہ اسکے تکبر اور غرور کا سبب تھا۔ چار ہزار یا دس ہزار کا اندوختہ اگرچہ اخنس کی نظر میں بہت بڑی دولت ہو لیکن دیکھا جائے تو دنیا میں کتنے لکھ پتی، کروڑ پتی ہیں مگر محض مال ودولت کی بناپر دنیا میں انکی کوئی عزت نہیں اسلئے کہ مال کی زیادتی اور دولت کی فراوانی کسی کی فضیلت کا سبب نہیں ہوتی۔ قارون کی نسبت باری تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہوا: "ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغی علیھم وآتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ۔ یقیناً قارون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر ان پر شرارت کرنے لگا۔ اسکو ہم نے اتنے خزانے دئے تھے کہ اسکی کنجیاں اٹھالانے سے ایک طاقتور جماعت تھک جاتی تھی" جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاطر میں نہ لایا تو اس کا کیا حشر ہوا؟ اخنس مذکور اور اس کے ہم خیال لوگوں کو بھی اس واقعہ قارون سے سبق لینا چاہیے۔

اخلدہ کی تفسیر یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ خیال کرتا ہے کہ اس کا یہی مال، اس کے خلود و دوام کا باعث ہے" یعنی جب تک یہ دولت اس کے پاس رہیگی اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ اسی گھمنڈ میں رہ کر وہ مال کو ہر طرح سے سمیٹتا اور بار بار گنتا رہتا ہے۔ نہیں جانتا کہ بسا اوقات مال و دولت ہی اس کے آفات و مصائب میں مبتلا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ مال و دولت ایسی بلا ہے کہ اگر وہ حاصل ہو تو اس کی حفاظت کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کس طرح اس کو محفوظ کیا جائے اور کہاں چھپایا جائے، اس تردد میں ان کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ اور سارا عیش تلخ ہو جاتا ہے اور اگر یہ میسر نہ ہو تو تہیدستی بار بار ستاتی ہے۔ ؎

شب چو عقد نماز بربندم چہ خورد بامداد فرزندم

دوسری تفسیر اخلدہ کی دوسری تفسیر اس طرح کی گئی ہے: وہ یہ خیال کرتا رہتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہیگا" یعنی اس کو اپنی پوری زندگی میں تہیدستی کا سامنا کبھی نہ ہوگا۔ حالانکہ انسان کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ دُنیا میں کتنے انسان ایسے ہیں کہ ان کے پاس مال و دولت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ تصور بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ دولت کبھی ختم ہو جائے گی۔ اتنے میں اندنیا

انقلاب آیا کہ چشم زدن میں ساری دولت لُٹ گئی۔ بڑے بڑے دولتمندوں کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ نان شبینہ کے محتاج ہو گئے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ جمع کی ہوئی دولت کا کیا ذکر ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں اور بادشاہتیں دیکھتے دیکھتے تہ و بالا ہو جاتی ہیں۔ اس دنیا نے کس کا ساتھ دیا ہے جو اس طرح کا خیال کرنے والوں کا ساتھ دے گی۔ بہر حال پہلی تفسیر کے مطابق اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس کا قیام و دوام مال کی وجہ سے ہے تو یہ خیال بھی بجائے خود نہیں۔ اور اگر دوسری تفسیر کی بموجب یہ خیال کرلے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہیگا تو یہ بھی درست نہیں۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔

كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ۖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ؕ

کچھ نہیں وہ پھینک دیا جائے گا حُطَمَہ میں اور آپ کو کیا خبر کہ حُطَمَہ (حقیقت میں) کیا ہے ؟ "

ع الحطم كسر الشئ كالهشم ثم استعمل لكل كسر متناه ويقال رجل حطمة اى اكول تشبيها له بالنار ولذا قيل فى اكول ع كانما فى جوفه تنور۔ (روح المعانی) کسی چیز کے توڑنے کو حَطْم کہتے ہیں۔ جیسا کہ توڑنے کو ھَشْم بھی کہتے ہیں۔ پھر اس کلمہ کا استعمال ہر محدود قسم کے توڑنے میں ہونے لگا۔ عرب کا محاورہ ہے :۔ رجل حُطَمَة

حُطَمہ کی تفسیر حُطَمہ سے دوزخ مراد ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں:۔ الحطمہ ھنا الدرك الرابع من النار۔ یہاں حُطَمہ سے نار دوزخ کا چوتھا درکہ مراد ہے۔" جس طرح جنت کے درجات ہیں۔ دوزخ کے درکات (گڑھے) ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔ لھا سبعۃ ابواب لکل باب منھا جزء مقسوم۔ دوزخ کے سات دروازے ہیں اس کے ہر دروازے کے لئے دوزخیوں کا ایک ایک گروہ مخصوص ہے۔" اس اعتبار سے حطمہ سے چوتھا درکہ مراد ہو تو وہ دوزخ کا بیچوں بیچ حصہ قرار پائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس میں جو عذاب ہوگا وہ دوزخ کے تمام عذابوں سے سخت تر ہوگا۔ کلبی کہتے ہیں:۔ ھی الطبقۃ السادسۃ من جھنّم۔ حطمہ جہنم کا چھٹا طبقہ ہے۔" یہ اس اعتبار سے کہ ارشاد باری ہے۔ ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔ یقیناً منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درکہ میں ہوں گے۔" لہٰذا ان کفار کے لئے چھٹا درکہ متعین ہوگا۔ امام قشیری نے کلبیؒ سے روایت کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں انّھا الدرك الثانی۔ حطمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یعنی بہت کھانے والا۔ گویا اس کے پیٹ میں آگ ہے۔ جو چیز اس میں ڈالی جائے اسکو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ اسی لئے بہت کھانے والے کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ اتنا کھاتا ہے گویا کہ اسکے پیٹ میں تنور ہے۔"

دوزخ کا دوسرا درکہ ہے۔" اگر درکات جہنم کا شمار تحت سے کیا جائے تو درک اسفل جو منافقین کا مستقر ہے وہ پہلا ہوگا اور حطمہ دوسرا۔ اس لحاظ سے حضرت کلبی کی دونوں تفسیروں کا مآل ایک ہی ہوگا کہ اوپر سے گنتی شمار کی جائے تو حطمہ چھٹا اور اگر تحت سے شمار ہو تو دوسرا۔ واحدی کہتے ہیں:۔ ھی باب من ابواب جھنم حطمہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔" گویا انھوں نے کسی درکہ کا تعین نہیں فرمایا۔ بہرحال ہر تفسیر اپنی جگہ درست ہے۔

تفسیر بالا کا ماحصل یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر طعنہ زن، عیب چیں، بدگو کی بڑی خرابی ہے جو حرص کے مارے ہر طریق سے مال اکٹھا کرتا رہا اور بخل کے بارے اسکو رات دن گنتا رہا۔ پھر یہ خیال کرتا رہا کہ وہ اور اس کا اندوختہ آپس میں ایسے لازم وملزوم ہیں کہ نہ یہ اس سے جدا ہوگا اور نہ وہ اس سے کبھی علٰحدہ ہوگا۔ اول تو ایسا خیال ایک زعم باطل ہے۔ بیسیوں واقعات اس کے برخلاف وقوع میں آچکے اور آتے ہی رہتے ہیں اور ولو بالفرض ایسا ہی ہوا کہ مال ودولت نے ہمیشہ ساتھ دیا تو وہ کب تک؟ زیادہ سے زیادہ اس کی موت تک۔ اس محدود مدت میں انسان جس کبر وغرور میں مبتلا تھا وہ ختم ہوکر رہ جائے گا۔ پھر اس کے بعد انسان تو قبر میں ڈال دیا جائے گا اور اس کا مال قبر کے باہر ہی دھرا رہیگا جس کو ورثاء بانٹ لیں گے۔

یالاوارث ہو تو حکومت کے خزانے میں داخل ہو جائے گا۔ ولو بالفرض ایسا بھی نہ ہوا بلکہ اس مال کو بھی انسان کے ساتھ قبر میں دفن کردیا گیا تو کیا حاصل؟ قیامت میں وہ اور اس کا مال دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور وہاں اس کی تمام شیخی جاتی رہیگی۔ آگے خرابی ہی خرابی اور تباہی ہی تباہی۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ "آگ ہے اللہ کی، سلگائی ہوئی، جو جھانک لیتی ہے دلوں کو۔"

نار اللہ الموقدہ کی تفسیر | یہ جواب ہے اس سوال کا جو وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ یعنی دریافت کیا گیا تھا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے کہ حُطَمہ یعنی توڑ ڈالنے والی کیا چیز ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہاں اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ توڑ ڈالنے والی اللہ جل جلالہ کی آگ ہے جو اسی کی سلگائی ہوئی ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ کے حکم خاص سے سلگائی گئی ہے۔ یہ آگ دنیا کی ہر قسم کی آگ سے نرالی ہی ہے۔ کوئی آگ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس میں جو تپش اور سوزش ہے اور اس کی جو تاثیر ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہاں نَارُ اللّٰهِ فرمایا گیا ہے جس میں نار کی اضافت اللہ جل جلالہ کی طرف ہے۔ لہذا اللہ سبحانہ کی ہر صفت میں جس طرح شان یکتائی ہے اسکی طرف

منسوب کی ہوئی آگ بھی اپنی صفات میں یکتا اور بے مثل ہے۔ اس کی ہولناکی کا کوئی کیا اندازہ کر سکے؟ پھر جو آگ اللہ سبحانہ کی روشن کی ہوئی ہو یا اس کے حکم سے روشن کی گئی ہو کس کی کیا مجال ہے کہ اس کو بجھا سکے؟

نار اللہ کی تشریح و توضیح احادیث شریفہ میں اس کی تشریح و توضیح اس طرح فرمائی گئی ہے:۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔ اوقد علی النار الف سنۃ حتی احمرت ثم اوقد علیھا الف سنۃ حتی ابیضت ثم اوقد علیھا الف سنۃ حتی اسودت فھی سوداء مظلمۃ (ترمذی شریف) آگ ایک ہزار سال تک سلگائی جاتی رہی تا آنکہ وہ سرخ ہو گئی۔ پھر اس کو مزید ایک ہزار سال تک سلگایا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی۔ پھر اس کو اور ایک ہزار سال تک سلگایا گیا تا آنکہ وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ سیاہ تاریک ہے۔" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جتنی اقسام بھی آگ کے ہیں وہ اس آگ کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اس لئے کہ ان کے سلگنے اور روشن کرنے میں ذرا سی دیر بھی نہیں لگتی۔ دیا سلائی کھینچتے ہی یہاں کی آگ روشن ہو جاتی ہے۔ اور یہ اصول مسلمہ ہے:۔ ہر کہ زود بر آید دیر نپاید۔ جو چیز جلد حاصل ہوتی ہے وہ دیرپا نہیں ہوا کرتی۔ نار اللہ

کے روشن ہونے اور سلگنے کا یہ حال ہے تو اس کی تاثیر بھی اسی کی مناسبت سے ہو گی۔
چنانچہ اس کی صفت یوں بیان فرمائی جا رہی ہے:—

تطلع علی الافئدہ کی تفسیر

الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ۔ جو جھانک لیتی ہے دلوں کو"۔ یعنی دلوں پر چھا جاتی اور دل کی گہرائی میں پہنچتی ہے کیونکہ فؤاد وسط قلب کو کہتے ہیں جو روح سے متصل ہے۔ نار اللہ کی صفت ہی یہ معلوم ہوئی کہ گوشت کو کھاتی ہوئی، ہڈیوں کو پاش پاش کرتی، شہوات نفسانیہ کے بندوں کے سینوں سے گزر کر ان کے وسط قلب کی خبر لیتی ہے۔ پھر ان منازل کو طے کرنے تک ان کا گوشت، پوست، اور ہڈیاں وغیرہ دوبارہ اصلی حالت پہ تازہ و توانا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کو پہلے کی طرح جلا کر بھسم کرتی ہوئی وسط قلب تک پہنچتی جاتی ہے اور یہی سلسلہ قائم و برقرار رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت خالد بن عمران رضؓ حضور ختم المرسلین صلوات اللہ سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:— ان النار تاکل اھلھا حتی اذا اطلعت الی افئدتھم انتھت ثم یعود کما کان ثم تستقبلہ فتطلع علی فؤادہ فھو کذلک فذلک قولہ تعالی نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ (ابن مبارک)
دوزخ کی آگ دوزخیوں کو کھاتی چلی جائے گی تا آنکہ وہ جب ان کے دلوں تک

پہنچے گی تو رک جائے گی۔ اور یہ شخص پہلے کی طرح صحیح سالم ہوجائے گا۔ پھر آگ اپنا عمل شروع کرے گی اور اس کے دل تک پہنچیگی بس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ نار اللہ التی تطلع علی الافئدۃ میں اسی طرف ایما فرمایا جارہا ہے۔" حضرت کلبی اور علامہ قرطبی نے بھی یہی فرمایا ہے۔ قلب کو بالکلیہ جلا کر خاکستر نہیں کرتی اس لئے کہ یہ صورت دوزخی کے موت کی ہے اور موت سے عذاب ختم ہوجاتا ہے۔ اور دوزخیوں کی نسبت فیصلہ ہوچکا ہے کہ وہ کبھی نہیں مریں گے۔ ارشاد باری ہے:۔ لا یقضیٰ علیھم فیموتوا و لا یخفف عنھم من عذابھا کذلک نجزی کل کفور۔ نہیں فیصلہ کیا جائیگا ان دوزخیوں کی بابت پوری طرح ختم کردینے کا کہ وہ مرجائیں اور نہ ان کے عذاب دوزخ میں کسی نوع کی کوئی تخفیف عمل میں لائی جائے گی۔ ہر ناشکر گزار کو ہم ایسی ہی سزائے دائمی دیا کرتے ہیں۔" وھم یصطرخون فیھا ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل۔ اور وہ دوزخی اس میں چیختے چلاتے رہینگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس دوزخ اور اس کے عذاب سے باہر نکال لائیے (اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے وہاں جاکر) ہم اعمال صالحہ کرتے رہیں گے ان اعمال کے خلاف جو (پہلی دفعہ) ہم کیا کرتے تھے۔" اس کے جواب میں

ارشاد باری ہوگا :۔ اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر فذوقوا فما للظالمین من نصیر۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ نصیحت لینے والا اس مدت عمر میں نصیحت لے سکے اور (کیا) تمھارے پاس اللہ سبحانہ کا ڈرسنانے والا نہیں آیا؟ (کیسے نہیں آیا ضرور آیا) تو اس کا عذاب چکھو۔ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا ۔"

افئدہ کی وجہ تخصیص اس آیہ کریمہ میں نار اللہ کی صفت اس طرح دلوں کو جھانک لینے کی اس لئے بیان فرمائی گئی کہ اعضائے انسانی میں دل ہی ایسا عضو ہے جو سب اعضا کے مقابلے میں نہایت نازک اور لطیف تر ہے۔ ذرا سی ٹھیس کا بھی وہ متحمل نہیں ہوسکتا۔ نیز یہاں فئواد یعنی دل کی تخصیص اس لئے ہے کہ دل ہی بد عقیدگی، اور بدعملی کا منبع و مرکز ہے، بدنیتی کا آغاز یہیں سے ہوتا اور اس کا زہر تمام اعضا کو متاثر کر دیتا ہے۔ نیت بدلی تو عمل صحیح و سالم نہیں رہ سکتا۔ نیت خراب ہونے سے اعمال بھی بگڑ جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھنا چاہیئے کہ دل کی خرابی اور اس کا فساد نار جہنم کو دعوت دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اس دعا کی تلقین فرمائی گئی :۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

اے ہمارے رب! دلوں میں کجی نہ پیدا کیجئے بعد اس کے کہ آپ نے ہم کو راہ راست کی رہنمائی فرمائی۔ اور ہمارے لئے اپنے پاس سے لطف و رحمت مرحمت فرمائیے بیشک آپ ہی سب کچھ بخشنے والے عطا فرمانے والے ہیں۔"

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۧ بے شک وہ

اُن پر بند کر دی گئی ہے درمیان لمبے لمبے ستونوں کے۔"

مؤصدہ اور ممددہ کی تفسیر

یعنی ان لوگوں کو دوزخ کی اس آگ میں ڈال کر اطراف سے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہیں' اور لمبے لمبے ستونوں سے ان کو باندھ کر جکڑ دیا گیا ہے تاکہ وہاں سے نہ تو کہیں بھاگ کر نکل سکیں اور نہ وہ کسی کو دیکھ کر پکار سکیں۔ بس اسی سخت عذاب میں گرفتار رہ کر ابدالآباد اس میں پڑے رہیں۔ نہ ان کا کوئی خبر گیراں ہوگا نہ کوئی فریادرس۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ اذا بقی فی النار من یخلد فیھا جعلوا فی توابیت من حدید فیھا مسامیر من حدید ثم جعلت تلک التوابیت فی توابیت من حدید ثم قذفوا فی اسفل الجحیم فما یری احد بعذاب غیرہ۔ (ابن جریرؒ ابن ابی حاتم' ابن ابی الدنیا' بیہقی) جب دوزخ میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں تو ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کرکے لوہے کی کیلیاں اوپر سے ٹھونک دی جائینگی۔ پھر ان صندوقوں کو لوہے کے دوسرے صندوقوں میں رکھ دیا جائے گا۔ پھر ان کو دوزخ کے نچلے حصے میں پھینک دیا جائیگا اب ان دوزخیوں کی یہ حالت ہوجائے گی کہ ایک پر جو عذاب ہو رہا ہے دوسرا اس کو دیکھ نہ سکیگا۔ العیاذ باللہ۔ خدا کی پناہ۔ حافظ ابو نعیم اور بیہقی نے بھی حضرت سوید بن غفلہؓ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

اہل شفاعت کون ہیں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انما الشفاعة یوم القیامة لمن عمل الکبائر من امتی ثم ماتوا علیھا فھم فی الباب الاول من جھنم لا تسود وجوھھم ولا تزرق اعینھم ولا یغلون بالاغلال ولا یقرنون مع الشیاطین ولا یضربون بالمقامع ولا یطرحون فی الادراك منھم من یمکث فیھا ساعة ومنھم من یمکث یوما ثم یخرج ومنھم من یمکث شھرا ثم یخرج ومنھم من یمکث فیھا سنة ثم یخرج واطولھم مکثا فیھا مثل الدنیا منذ یوم خلقت الی یوم افنیت وذلك سبعة آلاف سنة۔ قیامت کے دن شفاعت صرف

ان لوگوں کی ہوگی جنھوں نے میری امت میں سے کبیرہ گناہ، یعنی بڑے بڑے گناہ کئے ہوں گے پھر ان ہی گناہوں پر بغیر توبہ کئے مر گئے ہوں گے۔ ایسے لوگ جہنم کے پہلے دروازے میں ہوں گے۔ نہ تو ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، اور نہ ان کی آنکھیں نیلی ہونے پائینگی۔ نہ تو ان کو زنجیروں سے جکڑ دیا جائے گا، اور نہ ان کو شیطانوں کے ساتھ باندھ رکھا جائے گا۔ نہ ان کو ہتوڑوں اور گرزوں سے مارا جائے گا اور نہ جہنم کے درکات میں ڈالا جائے گا۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہوں گے جو اس حالت میں گھڑی بھر ہی رہیں گے اور کوئی ایک دن ٹھہرائے جائیں گے پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔ اور ان میں بعض ایسے ہوں گے جو ایک مہینے تک اس میں سزا بھگتے رہیں گے، پھر چھڑا لئے جائیں گے اور کوئی اس میں ایک سال تک ٹھہرائے جائیں گے پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔ ان میں سے جو لوگ اس حالت میں سب سے طویل عرصہ تک ٹھہرائے جائیں گے وہ دنیا کی مدت کے برابر ہوگی جب سے کہ وہ پیدا ہوئی اور اس وقت تک کہ وہ فنا کی گئی۔ یہ تمام مدت سات ہزار برس کی ہوگی ''

اہل توحید پر کفار کا طنز ثم ان اللہ عزّ وجلّ اذا اراد ان یخرج الموحدین منھا قذف فی قلوب اھل الادیان فقالوا لھم

كنا نحن وانتم جميعا فى الدنيا فآمنتم وكفرنا وصدقتم وكذبنا واقررتم وجحدنا فما اغنى ذلك عنكم نحن وانتم فيها جميعا سواء تعذبون كما نعذب وتخلدون كما نخلد۔ پھر خدائے عزوجل کا جب ارادہ ہوگا کہ دوزخ سے اہل توحید کو باہر نکال لائے۔ تو ادیان باطلہ کے لوگوں کے دلوں میں ایک بات ڈال دیگا چنانچہ وہ ان سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم اور تم دونوں برابر تھے۔ فرق اس قدر تھا کہ تم (اللہ سبحانہ پر) ایمان لائے اور ہم نے انکار کیا۔ تم نے (رسولوں کی) تصدیق کی اور ہم نے جھٹلایا۔ تم نے (حشر و نشر وغیرہ کا) اقرار کیا اور ہم انکاری بنے رہے باایں ہمہ تمہارا ایمان "تصدیق" اور اقرار یہاں کچھ کام نہ آیا۔ آج ہم اور تم آخرت میں بھی برابر ہیں۔ تم کو بھی عذاب ہو رہا ہے جیسا کہ ہم کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ تم بھی اسی حالت میں ہمیشہ پڑے رہو گے جیسا کہ ہم بھی ہمیشہ کے لئے پڑے ہوئے ہیں۔"

اللہ سبحانہ کی طرف سے جواب فيغضب الله عند ذلك غضبا لم يغضبه من شيئ فيما مضى ولا يغضب من شيئ فيما بقى فيخرج اهل التوحيد منها الى عين بين الجنة والصراط يقال لها

نهر الحياة فيرش عليهم من الماء فينبتون كما تنبت الحبة في حميل السيل ما يلي الظل منها اخضر وما يلي الشمس منها اصفر ثم يدخلون الجنة فيكتب في جباههم عتقاء الله من النار الا رجلا واحدا فانه يمكث فيها بعدهم الف سنة - (اہل توحید کی نسبت کفار کا یہ کلمہ سنتے ہی) اللہ سبحانہ تعالیٰ اس وقت ایسا غضبناک ہوگا کہ ایسا غضبناک نہ اس سے پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ اس کے بعد آئندہ کبھی غضبناک ہوگا۔ پھر تمام اہل توحید کو دوزخ سے نکال کر ایک چشمے کی طرف لایا جائے گا جو جنت اور پل (صراط) کے درمیان ہوگا جس کو "نہر حیات" کہا جائے گا۔ پھر اس کا پانی ان لوگوں پر چھڑکا جائے گا۔ پھر ان کی دوسری نشوونما ہوگی۔ جیسا کہ سیلاب کے کناروں پر کوئی تخم ہوتا ہے تو اس میں بالیدگی شروع ہوجاتی ہے۔ اس نہر کے پانی پر جہاں تک سایہ ہوگا اس کا رنگ سبز دکھائی دیتا ہوگا اور جہاں دھوپ پڑتی ہوگی زرد رنگ کا پانی نظر آتا ہوگا۔ (جب تمام اہل توحید تروتازہ ہوکر اصلی حالت پر آجائیں گے تو) یہ لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور ان کی پیشانی پر لکھا ہوگا عتقآء اللہ من النار یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نار دوزخ سے آزادی بخشی ہے۔ مگر ان ہی میں سے ایک شخص ہوگا جو ان کے بعد بھی

مزید ایک ہزار سال تک دوزخ ہی میں پڑا رہیگا ۔"

عجیب حبیب طعنہ زن مومن کی دوزخ سے رہائی

ثم ینادی یاحنان یامنان فیبعث اللہ الیہ ملکا لیخرجہ فیخوض فی النار فی طلبہ سبعین عاما لا یقدر علیہ ثم یرجع فیقول یارب انک امرتنی ان اخرج عبدک فلانا من النار وانی طلبتہ فی النار منذ سبعین سنۃ فلم اقدر علیہ ۔ فیقول اللہ عزوجل انطلق فھو فی وادی کذا وکذا تحت صخرۃ فاخرجہ فیذھب فیخرجہ منھا فیدخلہ الجنۃ ۔

پھر وہ شخص پکارنے لگیگا :۔ اے خدائے مہربان ! اے خدائے صاحب احسان !! (یہ سنتے ہی) اللہ سبحانہ تعالیٰ ایک فرشتے کو اس کے پاس بھیجدیگا کہ اس کو دوزخ سے باہر نکال لائے ۔ (یہ حکم ملتے ہی) وہ فرشتہ اس شخص کی تلاش میں ستر سال تک دوزخ کے چپے چپے میں گھمتا رہیگا لیکن اس کو کامیابی نہ ہوگی (یعنی پتہ ہی نہ چل سکیگا کہ وہ کہاں ہے) پھر وہ فرشتہ واپس آکر عرض کرے گا :۔ اے بار الہا ! آپ کا فرمان میرے نام صادر ہوا تھا کہ میں آپ کے فلاں بندے کو دوزخ سے نکال لاؤں ۔ چنانچہ میں نے ستر سال سے دوزخ میں اس کی تلاش میں لگا ہوا ہوں مگر مجھے کہیں اس کا سراغ نہیں لگ رہا ہے ۔ اس پر خدائے عزوجل کا

ارشاد ہوگا کہ جاؤ وہ (دوزخ کی) فلاں وادی میں ایک چٹان کے نیچے ہے۔ وہاں سے
اس کو نکال لاؤ۔ تب کہیں وہ اس کو وہاں سے نکال لائے گا تو اس کو بھی جنت
میں بھجوا دیا جائے گا۔"

رہائی کے بعد التجا ثم ان الجھنمیین یطلبون الی اللہ ان یمحی
ذلک الاسم عنھم فیبعث اللہ الیھم ملکا فیمحو عن جباھھم۔ پھر یہ
دوزخی (جو دوزخ سے باہر نکال لائے گئے اور جنت میں داخل کر دیے گئے) اللہ
سبحانہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ (ان کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوا ہے
عتقاء اللہ من النار) اس نام کو مٹا دیا جائے۔ ساتھ ہی ایک فرشتہ ان کی
طرف بھیجدیا جائے گا اور وہ نام ان کی پیشانیوں سے مٹا دیگا۔" فقیر عرض کرتا
ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اپنی صفات غفور رحیم۔ عفوّ
غفور جو بیان فرمائی ہیں یہاں ان صفات کا ظہور صاف صاف ہو رہا ہے۔
وہ اس طرح کہ دوزخ کے عذاب سے بچا لینا تو وصف غفور کا اقتضا تھا کہ ان کو
بخش دیا۔ اور عتقاء اللہ من النار جو ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا تھا جس کے
معنی یہ تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ سبحانہ نے نار دوزخ سے نجات دی ہے۔
اس کے بعد اب یہ نام بھی ان کی پیشانیوں سے جو مٹا دیا جا رہا ہے یہ اس کے صفات

رحیم اور عفو وغیرہ کا اظہار ہے کہ خدائے عز وجل غفور یعنی بخش دینے والا بھی ہے اور بخشنے کے ساتھ ساتھ ان پر مہربان بھی ہے اور عتقاء کے نام کو مٹا دینے والا بھی ہے۔ یہ شان دوسرے معافی دینے والوں میں کہاں؟

عیب جیں طعنہ زن کفار کی سزائے ابدی

ثم انہ یقال لاھل الجنۃ ومن دخلھا من الجھنمیین اطلعوا الی اھل النار فیطلعون الیھم فیری الرجل اباہ ویری اخاہ ویری جارہ ویری صدیقہ ویری العبد مولاہ ثم ان اللہ عز وجل یبعث الیھم ملائکۃ باطباق من نار ومسامیر من نار وعمد من نار فیطبق علیھم ذلک الاطباق وتسمر بتلک المسامیر وتمد بتلک العمد ولا یبقی فیھا خلل یدخل فیہ روح ولا یخرج منہ غم وینساھم الجبار علی عرشہ ویتشاغل اھل الجنۃ بنعیمھم ولا یستغیثون بعدھا ابدا وینقطع الکلام فیکون کلامھم زفیرا وشھیقا فذلک قولہ انھا علیھم مؤصدۃ فی عمد ممددۃ۔ (حکیم ترمذی)

پھر جنتیوں یعنی جہنم سے وہاں آئے ہوئے لوگوں سے کہا جائے گا کہ اب دوزخیوں کو جھانک کر دیکھ لو۔ چنانچہ وہ ان کو جھانک لیں گے تو کوئی اپنے باپ کو دوزخ میں

دیکھے گا اور کوئی اپنے بھائی کو۔ کوئی اپنے پڑوسی کو اس میں دیکھے گا اور کوئی اپنے دوست کو۔ کوئی غلام اپنے آقا کو دیکھے گا۔ پھر خدائے عزوجل اہل دوزخ کے پاس فرشتوں کو روانہ فرمائے گا۔ جن کے ساتھ آگ کے دروازے آگ کے لئے اور آگ کے ستون ہوں گے۔ چنانچہ وہ دروازے وہاں نصب کر کے بند کر دئے جائیں گے۔ اور وہ کیلیں ان پر ٹھونک دی جائیں گی اور وہ ستون کھڑے کر دئے جائیں گے اس طرح کہ اس میں کوئی خلل یا خالی جگہ ایسی نہ رہنے پائے جس میں سے کوئی سامان راحت داخل ہونے پائے اور نہ کوئی غم وہاں سے باہر نکلنے پائے۔ اور خدائے جبار اپنے عرش پر متمکن ہو کر دوزخیوں کو فراموش فرما دے گا جنتی لوگ اپنی نعمتوں سے متمتع ہوتے رہیں گے اور کسی قسم کی کوئی فریاد اس کے بعد کبھی بھی پیش نہ کر سکیں گے سلسلۂ کلام منقطع ہو جائے گا اب دوزخیوں کا کلام صرف ان کی چیخ و پکار ہی رہ جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ انھا علیھم مؤصدۃ فی عمد ممددۃ کی بس یہی تفسیر ہے۔" حضرت سعید بن جبیر تابعی سے بھی اسی کے قریب قریب ایک تفسیر مروی ہے جس کو ابن جریر اور ابن المنذر نے روایت کیا ہے۔ اللّٰھم اجرنا من النار۔ آمین۔

تقریر بالا سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ	عیب چینی اور طعنہ زنی بدترین اخلاقی جرم

عیب چینی اور طعنہ زنی کیسا بد ترین جرم ہے اور اس کی سزا کیسی شدید ترین سزا ہے
اللہم احفظنا نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اخلاقی جرائم تکبر اور حرص و بخل سے پیدا ہوتے ہیں اور
ان سب کا منبع اور سرچشمہ مال کی محبت ہے۔ پھر یہ عیب چینی اور طعنہ زنی جن
ہستیوں کے ساتھ کی جائیگی انکے مدارج و مراتب کے لحاظ سے شدت اختیار کرتی جائیگی
اور اسی مناسبت سے سزا بھی سخت تر تجویز ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ فی الواقع
کسی میں کوئی عیب ہو یا اس پر طعن کیا جا سکتا ہو۔ اگر کوئی مقدس ہستی ایسی ہو کہ وہاں کوئی
عیب ہی نہ ہو اور نہ اس پر کوئی طعن کیا جا سکتا ہو بایں ہمہ ان کو زبردستی کوئی عیب لگایا
جائے اور بیجا طور پر مطعون قرار دیا جائے تو یہ دوہرا جرم ہوگا۔ اور ایسی صورت میں عیب چین
اور طعنہ زن کو دوہری سزا کا متوقع رہنا چاہیئے۔

سورۂ ہمزہ کے مناسبات مفسرین کرام نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اس سورت شریفہ میں
شروع سے آخر تک ایسے مناسبات جمع فرما دیئے گئے ہیں کہ ان پر غور کرنے سے قرآن
کریم کی حسن ترتیب پر عجیب قسم کی روشنی پڑتی ہے۔ اس کی توضیح و تشریح یوں ہے کہ
اس سورت شریفہ کی ابتدا میں عیب چیں اور طعنہ زن کا انجام بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ
اپنے مال و دولت کے گھمنڈ میں دوسروں کے عیوب نکالتے اور ان کو طعنہ دیتے ہیں تاکہ
اس ذریعہ سے دوسروں کی عزت پر حرف لانے کی کوشش کریں۔ اور ان کی جماعت کو

توڑنے کی فکر کریں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کی سزا "حُطَمَه" تجویز فرمائی جو دوزخ کا ایسا مقام ہے جہاں مجرمین کی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دی جائیگی۔ نیز عیب چین اور طعنہ زن دوسرے نیک لوگوں کی تحقیر کرنی چاہتے تھے۔ اللہ پاک نے فرمایا:۔ لَيُنْبَذَنَّ۔ یہ لوگ حطمہ میں پھینک دیئے جاتے رہیں گے"۔ ظاہر ہے کہ داخل کئے جانے کے مقابلہ میں پھینک دیا جانا موجب تذلیل وتحقیر ہے۔ پھر چونکہ مجرمین کے ان افعال کا موجب حُبّ مال تھا۔ اور معلوم ہے کہ محبت کا مقام دل ہے۔ اسلئے ان پر جو آگ مسلط کی جائے گی وہ سیدھا ان کے دلوں کی طرف رُخ کرے گی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ ان کے دلوں کو جھانک لیگی۔ نیز مال کی محبت ایسی ہے جو دلوں سے کبھی نہیں نکلتی اور مالدار کا دل بھی شب و روز مال کی محبت میں گرفتار رہتا ہے۔ یہی حال ان کے عذاب کا ہے جس سے وہ کبھی چھوٹنے نہ پائینگے۔ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۔ وہ آگ ان کو ہر طرف سے بند کئے ہوئے ہوگی اور وہ خود آگ کے لمبے لمبے ستونوں سے بندھے ہوئے ہوں گے"۔

اعاذنا اللہ منہا۔ آمین

سورۂ ہمزہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔